بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رجاء :ایک بیٹی کی سچی آپ بیتی

ماؤں کے دکھ، اپنوں کا وار اور قرآن کا سہارا

جامع ادبی شاہکار ایڈیشن :6 سیزنز |61 اقساط |79,871 الفاظ

مرکزی کردار :رجاء (Rija)

مصنفہ :انعم سجاد (Anam Sajjad)

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

انتساب

ان تمام معصوم اور باہمت بیٹیوں کے نام

جن کے خوابوں اور تمناؤں کا گلا ان کے اپنے خونی آنگنوں میں روایتی انا اور جھوٹی غیرت کے نام پر گھونٹ دیا جاتا ہے، مگر وہ راکھ سے اٹھ کر اپنے مقدر کا سورج خود طلوع کرتی ہیں۔

اور میری صابر و شاکر ماں کے نام

جس کے خاموش آنسوؤں نے تہجد کی جلتی آگ کو گلزار بنایا، اور جس کی دی ہوئی پرانی مخمل کی جائے نماز نے مجھے ہر تاریک موڑ پر ثابت قدم رکھا۔

حرفِ آغاز :اعترافِ حق

یہ ناول کوئی خیالی داستان یا سستا افسانہ نہیں ہے، یہ جنوبی پنجاب کے دیہی اور شہری تضادات کے درمیان گھری ایک ایسی بیٹی کی سچی آپ بیتی ہے جس نے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی دہلیز پر قدم رکھنے سے لے کر خاندانی پنچایتوں، رشتے کے بازار، اور کردار کشی کی سازشوں کا اکیلے مقابلہ کیا۔

اس آپ بیتی کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ داستان ثابت کرتی ہے کہ عورت کمزور نہیں ہوتی، کمزور وہ سماج ہوتا ہے جو بیٹی کی کامیابی سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ جب بیٹی اپنے رب کے ساتھ سچا تعلق قائم کر لے اور قرآن کے اصولوں پر ڈٹ جائے تو وہ راکھ سے اٹھ کر ایوانِ صدر تک اپنا لوہا منوا سکتی ہے۔

فہرستِ اقساط)مکمل 61 اقساط(

قسط 01 :بوسن روڈ کی دہلیز)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 02 :کمرہ نمبر بیالیس کا قانون)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 03 :وارڈن کی سیٹی اور پانی کی کیتلی)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 04 :نشتر ایمرجنسی کی رات دو بجے)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 05 :ایچ ای سی ریسرچ میرٹ اور انٹرویو کا حسد)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 06 :ہوسٹل کے کمروں کی سرگوشیاں)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 07 :چولہا، ہانڈی اور چھپی ہوئی روٹیاں)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 08 :ملتان کی لو اور چھت کے تارے)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 09 :دوستوں کے نقاب اور مخلص چہرے)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 10 :اقصیٰ کا سچ اور خاموش آنسو)سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان کی دھوپ((

قسط 11 :پہلی دہلیز کا اختتام)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 12 :گھر واپسی اور سرد نگاہیں)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 13 :رشتے کا بازار اور تایا جی کا فرمان)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 14 :تپتی دوپہر اور حمزہ کی دھمکی)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 15 :چاند رات کا زہر)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 16 :لوگ کیا کہیں گے)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 17 :کردار پر وار اور بند دروازے)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 18 :جھوٹے رشتوں کا جنازہ)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 19 :روح کی موت اور خاموش ولادت)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 20 :شبانہ پھوپھی کی سازش اور بھائی کا ہاتھ)سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی پنچایت اور بندوق((

قسط 21 :ماں کی سسکی اور پرانی مخمل کی خوشبو)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 22 :راکھ سے اٹھنے والی بیٹی اور خودداری کا اعلان)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 23 :کچے آنگن میں ٹاٹ کی اکیڈمی)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 24 :مٹی کی گلک اور محنت کے سکے)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 25 :دادی کی چاندی کی پازیب اور داخلہ فیس)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 26 :صبح ساڑھے چار بجے کا کُہرا اور مسافر ویگن)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 27 :قلم کی مزدوری اور اخباری کالم)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 28 :ڈاکٹر مسعود کی شفقت اور علمی سرپرستی)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 29 :آئینی دراڑیں، قبائلی رسوم اور نسوانی حقوق)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 30 :سکوت کی شکست اور سیمینار کا خطبہ)سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر)ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل((

قسط 31 :سینٹرل لائبریری کے شب بیدار اور بشیر چاچا کی چائے)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 32 :آرکائیو میں طوفان اور مسودوں کا تحفظ)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 33 :علمی احتساب اور روایتی اساتذہ کے سوالات)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 34 :جہیز کا تقاضا اور انکار کا تھپڑ)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 35 :صبر جمیل کا اصل مفہوم اور قرآن کا نور)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 36 :جب خون زہر بن جائے اور حد بندی کا سکون)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 37 :دفاع سے پہلی رات، بے خوابی اور ماں کا مصلّیٰ)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 38 :سینیٹ ہال کا کڑا امتحان اور فکری معرکہ)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 39 :ڈاکٹر ہمایوں خالد کی داد اور پہلی پوزیشن)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 40 :جب آنسو موتی بنے اور مشقت کا ثمر)سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان)سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس((

قسط 41 :ایوانِ صدر کا مکتوب اور قومی اعزاز کا اعلان)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 42 :کنونشن سینٹر اسلام آباد کا سرخ قالین)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 43 :گلے میں سونے کا تمغہ اور ریاست کا اعتراف)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 44 :قوم کے نام خطاب :ماؤں کے آنسو اور سورۃ النور)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 45 :گاؤں میں براہِ راست نشریات اور حاسدوں کا سکوت)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 46 :ریلوے پلیٹ فارم کا کُہرا اور تنہا کھڑے ابا)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 47 :ابا کی سفید پگڑی، بھیگے گال اور معافی)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 48 :ماں کے قدموں کی مٹی اور سجدہ شکر)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 49 :تایا حکیم خان اور شبانہ پھوپھی کی خاموش شکست)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 50 :رجاء کا ابدی سحر اور پاکستان کی بیٹیوں کا علم)سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر)صدارتی گولڈ میڈل اور معافی((

قسط 51 :کردار کی فولادی فصیل اور سطحی شہرت کا فریب)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 52 :نااہل نہیں، منتخب اور برگزیدہ)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 53 :قبائلی رسوم کی زنجیریں اور قرآن کا نور)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 54 :اپنوں کی بے وفائی اور آزمائش کی بھٹی)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 55 ' :لوگ کیا کہیں گے : 'ایک موہوم خوف کا فکری تجزیہ)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 56 ' :فرمانبردار بیٹی 'کا فرسودہ تصور اور حقیقی خودداری)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 57 :ماؤں کے خاموش آنسو اور قربانیوں کا قرض)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 58 :باپ کا بوجھ اور بیٹی کا عزم)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 59 :فتح کے بعد کا سفر اور نئی نسل کی رہنمائی)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 60 :حاسدوں کی منافقت اور سچے رشتوں کی پرکھ)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

قسط 61 :مقدس تاج :باپ کی پگڑی اور رجاء کا ابدی سویرا)سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ مضامین و ابدی اسباق((

سیزن 1 :دہلیز اور بیڑیاں)عائشہ ہال اور ملتان ❖

❖ (کی دھوپ

قسط نمبر 1 :بوسن روڈ کی دہلیز

کچے آنگن کی روانگی، طاق پر رکھا کانچ کا پیالہ اور ملتان کا قلعہ

خلاصہ :خاندانی طعنوں اور خوف کی فضا میں آبائی گاؤں سے نکل کر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی دہلیز پر قدم رکھنا، جہاں باپ نے بیٹی کو خاندان کی پگڑی اور کانچ کے نازک پیالے کی حفاظت کا لرزہ خیز فرمان سنایا۔

◆ ◆ ◆

جنوبی پنجاب کے اس زرعی خطے میں، جہاں گرمیوں کے تپتے ہوئے دنوں میں کپاس کے ادھ کھلے کھیتوں پر زرد مٹی کا دھواں چھایا رہتا ہے، وہاں کسی بیٹی کی زندگی کا تخمینہ صرف ایک ہی خوفناک تمثیل سے لگایا جاتا ہے :گھر کے سب سے اونچے کچے طاق پر رکھا ہوا کانچ کا ایک نازک پیالہ۔

گھر کے دالان میں، سایہ دار دیوار کے نیچے، وہ صبح کی پہلی کرنوں کو اپنے اندر سمیٹ کر دمکتا ہے اور دنیا کی تند و تیز ہواؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن اگر اچانک آندھی کا ایک جھکڑ کچی مٹی کو ہلا دے، اگر افواہ کا ایک جھونکا چھت کی کڑیوں کو لرزا دے، یا اگر وہ پیالہ ذرا سی لغزش کھا کر پکی اینٹوں کے فرش پر گر پڑے، تو وہ لمحوں میں ہزاروں نوکیلے ریزوں میں بکھر جاتا ہے۔ اور اس ظالم بستی میں ایک متنفس بھی ایسا پیدا نہیں ہوتا جو نیچے جھک کر اس کے کانچ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو سمیٹنے میں مدد کرے۔ لوگ صرف انگلیاں اٹھاتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کے کانوں میں زہر گھولتے ہیں ' :دیکھو !سجاد کی بیٹی کا کیا انجام ہوا '!

وہ علی الصبح کے چار بجے کا وقت تھا جب ہمارے لکڑی کے آبائی پھاٹک کی چرچراہٹ نے دیہات کی گہری نیند کو چیر ڈالا۔

گاؤں کی تنگ مٹیالی گلی کچے اور سرد کُہرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کچے آنگن کے کونے میں لگے بوڑھے نیم کے درخت سے اوس کی موٹی بوندیں زمین پر ٹپک رہی تھیں۔ گلی کے موڑ پر، مٹی کے پشتے کے ساتھ ٹیک لگائے میرا چچازاد ارسلان کھڑا تھا، اس کی انگلیوں میں سلگتے ہوئے سستے کیپسٹن سگریٹ کی سرخ چنگاری اس کے زہریلے، طنزیہ ہونٹوں کو روشن کر رہی تھی۔

سامنے والی کھڑکی کے پھٹے ہوئے پردے کے پیچھے شبانہ پھوپھی کا ہیولا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صبح کی خنک ہوا ان کی وہ کینہ پرور سرگوشی سیدھی ہمارے برآمدے میں لے آئی " :دیکھتے ہیں سجاد کی لاڈلی شہر سے ڈگری لے کر لوٹتی ہے یا ہمارے پورے خاندان کی پگڑی پر سیاہی کا داغ مل کر آتی ہے"!

اندر تاریک باورچی خانے میں، مٹی کے پرانے چولہے کے پاس امی کھڑی تھیں۔ ان کے کانپتے ہوئے ہاتھ میرے سفر کے لیے سوجی کے لڈو بنا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں رات بھر کی بے خوابی اور آنسوؤں

سے سوج کر سرخ ہو چکی تھیں، مگر ان کے ہاتھ کسی نادیدہ جنون کے تحت مسلسل چل رہے تھے۔

جب میں ان کے قریب گئی تو وہ کچھ نہ بولیں۔ انہوں نے اپنی میلی سوتی قمیص کے اندرونی دامن سے ہری الائچیوں کی ایک چھوٹی پرانی ڈبیا نکالی اور میری بند مٹھی میں دبا دی۔

پھر انہوں نے جھک کر اپنا چہرہ میرے کان کے پاس کیا، اور ایک زخمی شیرنی کی مانند لرزتی ہوئی، فولادی آواز میں سرگوشی کی " :رجاء، میری جان !تیرا باپ ایک سخت گیر انسان ہے جس کا دل اس خوف نے کھا لیا ہے کہ یہ بے رحم دنیا اس کی غیرت کو نگل جائے گی۔ لیکن میری یہ بات اپنے پلو سے باندھ لے :جب اس انجانے شہر کی دیواریں تجھ پر تنگ ہو جائیں اور ہر زمینی دروازہ بند کر دیا جائے، تو اس خاندان کے مردوں سے رحم کی بھیک مت مانگنا۔ اپنا مصلّیٰ بچھانا اور سورۃ النور کی تلاوت کرنا۔ تیرا رب تیرے لیے زندہ قلعہ بن جائے گا "!دالان میں ابا ہمارے پرانے، زنگ آلود لوہے کے صندوق کے گرد سن کی کھردری رسی کس رہے تھے۔

ان کے سفید بال الجھے ہوئے تھے اور ان کے بوڑھے، محنت کش ہاتھوں میں ایک واضح کپکپاہٹ تھی جب وہ رسی کے بلوں کو کھینچ رہے تھے۔ ان کے سفید سوتی کرتے کا کالر سردی کے باوجود پسینے سے نم ہو چکا تھا۔ وہ مجھ سے نگاہیں چرا رہے تھے، بار بار اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب کو ٹٹول رہے تھے :جہاں ان کا قومی شناختی کارڈ، ان کے مڑے تڑے پانچ سو کے چند نوٹ، اور یونیورسٹی کا وہ بینک چالان رکھا تھا جس کے لیے انہوں نے اپنی پچھلی فصل کی گندم کا آخری دانہ تک بیچ ڈالا تھا۔

میرا اٹھارہ سالہ بھائی حمزہ برآمدے کے لکڑی کے ستون کے ساتھ بازو سینے پر باندھے کھڑا تھا، اس کی تنی ہوئی پیشانی پر شدید غصے اور بغاوت کے سائے تھے۔ اس کے لیے میری یہ روانگی کوئی فخر کا لمحہ نہیں تھی، یہ اس کے مردانہ غرور پر ایک ایسا کاری وار تھا جسے اس کے جاگیردارانہ مزاج نے اپنی توہین سمجھا تھا۔

جلدی کر لڑکی "!ابا نے ایک ایسی رندھی ہوئی، کھرکھری آواز میں حکم " دیا جس کے اندر کا خوف صاف سنائی دے رہا تھا۔ "ملتان جانے والی مسافر ویگن گاؤں کی شہزادیوں کا انتظار نہیں کرتی۔ "گاؤں سے ملتان تک کا سفر کسی جہنم کی وادی سے گزرنے کے مترادف تھا۔

ہم ایک کھٹارا، پچکی ہوئی مزدا ویگن کے حبس زدہ پیٹ میں چوبیس پسینے میں شرابور مسافروں، کھاد کی بوریوں اور مرغیوں کے ڈربوں کے درمیان ٹھنسے ہوئے تھے۔

کھڑکی کے گدلے شیشے کے باہر جنوبی پنجاب کا منظر نامہ کسی جلے ہوئے صحرا کی مانند دوڑ رہا تھا :سرسوں کے سوکھے ہوئے کھیت، اینٹوں کے بھٹے جن کی چمنیوں سے گھنا کالا دھواں زرد آسمان پر زہر گھول رہا تھا، اور سڑک کنارے لکڑی کے وہ کھوکھے جہاں چارپائیوں پر بیٹھے کسان نیم وا، مشکوک نظروں سے گزرتی گاڑیوں کو تاڑ رہے تھے۔

دس بجے تک درجہ حرارت چھیالیس ڈگری کو چھو چکا تھا۔ ویگن کی دھاتی چھت تندور کی طرح دہک رہی تھی، اور صحرائی ریت ہر درز سے اندر گھس کر ہمارے دانتوں اور تالو پر کڑوی گرد کی تہہ جما رہی تھی۔

پورے سفر میں ابا نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ہر چند کلومیٹر کے بعد ان کا ہاتھ ان کی جیب کی طرف جاتا، چالان کے کاغذ کو چھوتا، اور ان کے سینے سے ایک گہری، لرزتی ہوئی سرد آہ خارج ہوتی۔ وہ ایک ایسے غیرت مند کسان تھے جس نے پٹوار خانے اور منڈی کے سوا کبھی کسی شہری عمارت کا رخ نہیں کیا تھا۔ اپنی بیٹی کو ملتان کی ایک مخلوط یونیورسٹی کی دہلیز پر لے جانا ان کے لیے انگاروں پر ننگے پاؤں چلنے جیسا تھا۔

جب کھٹارا ویگن نے چیختے ہوئے بریکوں کے ساتھ بوسن روڈ کے بگھلتے ہوئے تارکول پر بریک لگائی، تو تپتے ہوئے صحرا کی جھلسا دینے والی لو اور زرد ریت کے طوفان نے ہمارے چہروں کو ننگی آگ کی طرح جھلس دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سورج آسمان کے بیچوں بیچ ایک سفید دہکتے ہوئے گولے کی مانند کھڑا زمین کو نگل رہا تھا۔

ہمارے سامنے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے سرخ اینٹوں کے عظیم الشان دروازے کسی قدیم شاہی قلعے کے پھاٹک کی طرح آسمان کو چھو رہے تھے۔ اس دہلیز کے پار درختوں کی چھاؤں تلے ایک طویل، چوڑی پختہ شاہراہ پھیلی ہوئی تھی :وہ شاہراہ جو جنوبی پنجاب کے دور دراز کچے دیہاتوں سے نکلنے والی ان ہزاروں بیٹیوں کے خوابوں کی منزل تھی جو جدید دنیا کو مسخر کرنے نکلی تھیں۔ ویگن کے کنڈکٹر نے چھت کے جنگلے سے ہمارا لوہے کا صندوق نیچے پھینکا، جو زوردار دھماکے کے ساتھ گرم ریت پر گرا۔

ابا سڑک پر اترے۔ انہوں نے سامنے کی اس انجانی دنیا کا جائزہ لیا : جینز اور پینٹ شرٹوں میں ملبوس لڑکے جو جوس کے اسٹالوں پر قہقہے لگا رہے تھے، دھوئیں کے بادل چھوڑتی یونیورسٹی کی نیلی بسیں، اور شہر کی پراعتماد لڑکیاں جو سر اٹھا کر سڑک پر چل رہی تھیں۔

ابا کا بوڑھا جبڑا بری طرح لرز اٹھا۔ انہوں نے صندوق کے زنگ آلود کونے پر اپنا سورج سے کالا پڑا ہوا ہاتھ رکھا، اپنا جھریوں بھرا چہرہ میری طرف موڑا، اور مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جس میں نسلوں کا پرانا خوف سمٹ آیا تھا۔

رجاء !کان کھول کر اپنے باپ کی بات سن لے، "وہ اتنی دھیمی، ٹھوس " اور لرزتی ہوئی آواز میں بولے کہ میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی " :ہماری سات پشتوں میں کسی عورت نے اپنے باپ یا شوہر کی چھت کے علاوہ کسی غیر جگہ رات نہیں گزاری۔ تین ہفتوں سے تیرے تایا کے کمروں اور منڈی کی دکانوں پر صرف زہریلی سرگوشیاں چل رہی ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ سجاد پاگل ہو گیا ہے، سجاد نے کاغذ کے ایک ٹکڑے کے لیے اپنی خاندانی دستار نیلام کر دی ہے۔

یاد رکھ جو میں نے تجھے سمجھایا تھا :عزت طاق پر رکھے کانچ کے پیالے کی مانند ہے۔ گھر کے اندر وہ صبح کی روشنی میں چمکتا ہے۔ اس کھلی سڑک پر، اگر تیرا پاؤں آدھے سیکنڈ کے لیے بھی ڈگمگایا، اگر تیری آنکھ

ذرا سی بھی بہکی، تو وہ پیالہ پاؤں تلے ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اور اس بے درد شہر میں کوئی ایک انسان بھی تجھے وہ کرچیاں سمیٹنے نہیں دے گا۔ اگر تو نے میرے سفید بالوں پر داغ لگایا، تو تو اپنے باپ کا سر جیتے جی مٹی میں دبا دے گی۔ "ان کے الفاظ گرم لوہے کی سلاخ بن کر میرے گلے میں اتر گئے۔

میں نے اپنے سر پر اوڑھی ہوئی سیاہ چادر کا کونا مٹھی میں بھینچ لیا اور نظریں ان کے جوتوں کی دھول پر جما دیں۔ میرا پورا وجود تڑپ کر پکار اٹھنا چاہتا تھا' :ابا !میری طرف دیکھیے !میں آپ ہی کے خون کا ٹکڑا ہوں، وہی بیٹی جس نے آپ کے ساتھ بیٹھ کر مصلے پر قرآن سیکھا ہے۔ آپ میرے خوابوں کو خاندانی تباہی کیوں سمجھ رہے ہیں؟ آپ میرے سچ پر بھروسا کیوں نہیں کرتے؟'

لیکن ہمارے مشرقی گھرانوں میں بیٹیوں کو بولنے کا حق نہیں دیا جاتا؛ انہیں صرف خاموشی سے سر جھکا لینے کی تربیت دی جاتی ہے۔

عائشہ ہال ایک تین منزلہ، پھیلا ہوا سرخ اینٹوں کا دیو ہیکل جال تھا جو تپتی دوپہر میں کسی زنانہ جیل خانے کی طرح لگ رہا تھا۔

جب ہم اس کے بھاری آہنی دروازے سے اندر داخل ہوئے، تو ناک کے نتھنوں پر سستے اسپتال نما فینائل، سرسوں کے باسی تیل، گندے کپڑوں اور پرانی اینٹوں کی سیلن کی گھٹن زدہ بو نے شدید حملہ کیا۔ وسیع راہداریوں میں درجنوں طالبات افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں :کچھ اپنے کولہوں پر پلاسٹک کی بالٹیاں سنبھالے ہوئے تھیں، کچھ سکے والے پبلک فونوں کے گرد جمع ہو کر دور دراز دیہاتوں میں بیٹھی ماؤں سے بات کرتے ہوئے رو رہی تھیں، جبکہ سینیئر لڑکیاں سلک کے دوپٹوں میں ملبوس بے پروا نگاہوں سے نئی آنے والی دیہاتی لڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

رجسٹریشن کے طویل ڈیسک کے پیچھے ہوسٹل کی وارڈن مس نازیہ براجمان تھیں :پلاسٹک کے موٹے فریم والے چشمے کے پیچھے سے جھانکتی ایک ادھیڑ عمر سخت گیر خاتون، جن کے بالوں کا سخت جوڑا کسی سیکیورٹی گارڈ کی طرح کسا ہوا تھا۔ ان کی آنکھوں میں وہ مردہ اور بیوروکریٹک بے حسی تھی جو سالہا سال تک خوفزدہ دیہاتی لڑکیوں پر رعب جماتے جماتے پیدا ہو جاتی ہے۔

رجاء سجاد؟ شعبہ سیاسیات؟ "انہوں نے میرے خاک آلود جوڑوں، " میری سادہ سیاہ چادر اور ابا کے پسینے سے تر کرتے کو حقارت سے گھورتے ہوئے آواز لگائی۔

جی میڈم، "میں نے لرزتی آواز میں کہا، میرے ہاتھ پسینے سے بھیگ " چکے تھے۔

بلاک بی، کمرہ نمبر بیالیس، تیسری منزل، "انہوں نے چالان پر اتنی زور " سے مہر لگائی کہ اس کی ٹھک کی آواز کسی پستول کے فائر کی طرح گونجی۔

ہوسٹل کے قوانین غور سے سن لو، دیہاتی لڑکی !شام سات بجے لازمی " حاضری ہوگی۔ اگر رات کی وسل بجنے پر تم اپنے بستر کے پاس موجود نہ

ہوئیں، تو پانچ سو روپے جرمانہ فوری طور پر عائد ہو گا اور سیدھا تمہارے گاؤں کے پتے پر ڈسپلن کا لیٹر بھیج دیا جائے گا۔ کمرے میں پانی گرم کرنے والی راڈ یا ہیٹر رکھنا سخت منع ہے۔ کسی مرد کو گیٹ کے اندر جھانکنے کی بھی اجازت نہیں :تمہارے سگے دادا کو بھی نہیں۔ اگر ذرا سی بھی غلطی ہوئی تو سیدھا سامان اٹھا کر بوسن روڈ پر پھینک دیا جائے گا۔ "

ابا نے لوہے کے صندوق کا تار والا دستہ تھاما، اور ہم دونوں نے کنکریٹ کی تنگ سیڑھیاں چڑھنا شروع کیں۔

تیسری منزل تک پہنچتے پہنچتے ابا کا سانس بری طرح پھول چکا تھا، اور ان کے ساٹھ سالہ گٹھیا زدہ گھٹنے وزن کے بوجھ تلے جواب دے رہے تھے۔ کمرہ نمبر بیالیس اس طویل تاریک گیلری کے سب سے آخری کونے میں تھا، جس کا لکڑی کا تختہ زنگ آلود قبضوں پر چیختا ہوا کھلا۔ کمرہ نمبر بیالیس کا اندرونی منظر ایک دل دہلا دینے والی تاریک کوٹھڑی جیسا تھا۔

چار کچے لوہے کے پلنگ جن پر پتلے اور میلے گدے بچھے تھے، چاروں کونوں میں ٹھنسے ہوئے تھے۔ کھڑکی کے نیچے لکڑی کی دو پرانی میزیں تھیں جن کے تختوں پر سیاہی کے پرانے دھبے، بلیڈوں سے کھرچے گئے نام اور سابقہ طالبات کی تاریخیں کندہ تھیں۔ ہمارے سر کے اوپر پینٹ اکھڑا ہوا ایک پرانا چھت کا پنکھا انتہائی سست رفتاری سے چیخ چیخ کر گھوم رہا تھا، جو ٹھنڈی ہوا دینے کے بجائے کمرے کے حبس کو مزید تلخ بنا رہا تھا۔

ابا نے وہ وزنی صندوق دیوار کے ساتھ ٹکایا۔ انہوں نے اپنے کرتے کی آستین سے پیشانی کا پسینہ پونچھا، اس اداس اور ویران کمرے کا جائزہ لیا، اور اپنی واسکٹ کی سب سے گہری جیب میں ہاتھ ڈالا۔

انہوں نے پانچ پانچ سو کے تین مڑے تڑے نوٹ نکالے :وہ آخری سکے جو یونیورسٹی کے اخراجات ادا کرنے کے بعد ان کے پاس بچے تھے : اور انہیں میری پھیلی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

یہ رقم پورے مہینے چلانی ہے، "انہوں نے نظریں چراتے ہوئے سپاٹ " لہجے میں کہا۔ "اگر تو نے ایک پیسہ بھی فضول خرچی یا مٹھائیوں پر اڑایا، تو تجھے اس شہر میں فاقے کاٹنا پڑیں گے۔ اور میرا حکم یاد رکھنا :تیرا کام صرف کلاس روم جانا اور سیدھا واپس اس کمرے میں آنا ہے۔ کسی "انجانے چہرے سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ رکے۔ اس دردناک اور فیصلہ کن لمحے میں، میں نے دیکھا کہ ان کا دایاں ہاتھ ہلکا سا لرزا، جیسے کوئی پرانی باپ والی محبت انہیں اکسا رہی ہو کہ وہ آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھیں یا اسے شہر کے درندوں کے حوالے کرنے سے پہلے گلے لگا لیں۔

لیکن پدرشاہی انا کی فولادی زنجیروں نے ان کا ہاتھ روک لیا۔ انہوں نے اپنا جبڑا کسا، اور بنا کوئی دوسرا لفظ بولے، تیزی سے پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف چل دیے۔

میں کھڑکی کے زنگ آلود جنگلے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ میرا دل پسلیوں کے پنجرے میں ہتھوڑے کی طرح بج رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ

دھوپ کے سمندر میں ابا کا وہ تنہا، سفید ہیولا تیز قدموں سے ہوسٹل کے صحن کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ وہ بوسن روڈ کے دہکتے ہوئے غبار میں تحلیل ہو گیا۔

جب رات ہوئی اور ملتان کی سیاہی نے دور دراز کے افق کو نگل لیا، تو مکمل بے بسی اور تنہائی کی وحشت نے میرے گلے پر اپنے پنجے گاڑ دیے۔

اس انجانے بستر پر بیٹھ کر، پڑوس کے کمروں سے آنے والی اجنبی لڑکیوں کے قہقہوں اور سسکیوں کے بیچ، میں نے آہستہ سے اپنا لوہے کا صندوق کھولا۔ اپنے جوڑوں کے نیچے سے میں نے وہ چیزیں نکالیں جو ماں نے چپکے سے باندھ کر دی تھیں :نانی کا پرانا مخملی مصلّیٰ، الائچیوں کی چھوٹی ڈبیا اور شیشے کے جار میں رکھے دیسی گھی کے لڈو۔ میں نے وہ مصلّیٰ کمرہ نمبر بیالیس کے سرد، خاک آلود فرش پر بچھا دیا۔

عائشہ ہال کے اس ویران کونے میں، جہاں میرا اپنے آبائی گھر اور ماضی سے تمام ناطہ کٹ چکا تھا، میں نے اپنی جوانی کا وہ پہلا سجدہ ادا کیا جہاں میرے اور میرے رب کے درمیان کوئی زمینی حاکم یا رشتہ دار حائل نہیں تھا۔

بند دروازے کے پار رات کی وارڈن کی تیز سیٹی فضا میں گونج رہی تھی۔ لیکن اس مخمل کے فرش پر، جہاں میری پیشانی سجدہ ریز تھی، میری روح پر ایک ایسا غیر متزلزل اور الٰہی سکون اتر آیا جس نے ہر خوف کو نگل لیا۔ طاق پر رکھا کانچ کا پیالہ ٹوٹا نہیں تھا؛ رجاء کی زندگی کا سب سے بڑا معرکہ باضابطہ شروع ہو چکا تھا!

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 2 :کمرہ نمبر بیالیس کا قانون

چار کونے، چار مختلف دنیائیں اور دیسی لڈو کی مٹھاس

خلاصہ :ہوسٹل کے تنگ کمرے میں چار مختلف طبقات اور اضلاع سے تعلق رکھنے والی طالبات کا ٹکراؤ :صبا (لیہ)، سارہ (بہاولپور)، عنزہ (ملتان) اور رجاء کا مشترکہ بقا کا معاہدہ۔

◆ ◆ ◆

کمرہ نمبر بیالیس کی اگلی صبح نرم روشنی کے بجائے حبس زدہ دھوپ کے تیز تازیانے کے ساتھ طلوع ہوئی۔

صبح چھ بجے ہی کنکریٹ کی گرم دیواروں نے پچھلے دن کی آگ اگلنا شروع کر دی تھی۔ چھت کا پرانا پنکھا اپنی چیختی ہوئی گردش سے باسی پسینے اور گیلے کپڑوں کی بو کو کمرے میں پھیلا رہا تھا۔

اس جھلستی ہوئی روشنی میں کمرہ نمبر بیالیس کی چاروں شہریائیں پہلی بار ایک دوسرے کے رُوبرو ہوئیں :چار مختلف اضلاع، چار متضاد طبقات، اور چار ایسی بیٹیاں جن میں سے ہر ایک اپنے اندر جبر کا ایک ذاتی طوفان چھپائے ہوئے تھی۔ پہلی صبا تھی۔

وہ پچھلی رات گئے لیہ کے صحرائی اور بنجر علاقے سے پہنچی تھی۔ اس کا باپ ایک غریب، قرضوں میں دبا ہاری تھا جس نے اپنی دو گائیں رہن رکھ کر بیٹی کو باٹنی کے شعبے میں داخل کروایا تھا۔ صبا کسی صحرائی فاختہ کی مانند سہمی ہوئی تھی۔ وہ اپنے پلنگ کے کنارے پھٹے ہوئے سبز دوپٹے میں سمٹی بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایلومینیم کا وہ ڈینٹ پڑا ہوا ڈبہ تھا جس میں سوکھی روٹیاں اور نمک والی مرچیں رکھی تھیں۔ وہ صرف اس وقت بولتی جب کوئی اس سے پوچھتا، اور اس کی سرائیکی زبان کے لہجے میں کسان کی خوفزدہ عاجزی گونجتی تھی۔ دوسری سارہ تھی۔

سارہ بہاولپور کے ایک تباہ حال روایتی نوابی گھرانے سے آئی تھی جن کی پرانی حویلی خاندانی مقدمہ بازیوں کے ملبے تلے دب چکی تھی، مگر ان کی انا اب بھی نوابی تھی۔ انگریزی ادب کی طالبہ، لمبا قد، گوری رنگت اور تیکھے نقوش۔ وہ اپنے ساتھ لیدر کے دو چمکدار سوٹ کیس لائی تھی جن میں جان کیٹس، لارڈ بائرن اور ورجینیا وولف کی پرانی کتابیں سجی تھیں۔ اور چوتھی عنزہ تھی۔

وہ ملتان کے اندرون شہر سے تعلق رکھنے والی فلسفے کی فائنل ایئر کی اسکالر تھی۔ چھوٹے کٹے ہوئے بال، موٹے شیشوں کی عینک، اور ہونٹوں پر ہر روایتی ادارے کے خلاف ایک زہریلی طنزیہ مسکراہٹ۔ وہ عائشہ ہال کی پرانی قیدی تھی جو وارڈن مس نازیہ کے ہر قانون اور ہر سوراخ سے بخوبی واقف تھی۔

دوستی دنیا کا سب سے پیارا رشتہ ہے اگر وہ خلوص کی بنیاد پر ہو۔ لیکن یونیورسٹی اور ہوسٹل کی زندگی نے مجھے یہ کڑوا سبق سکھایا کہ بعض اوقات سب سے بڑا حاسد آپ کے ساتھ والے بیڈ پر بیٹھا ہوتا ہے، جو آپ کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، آپ کے ساتھ ہنستا ہے، لیکن اندر ہی اندر آپ کی ذرا سی کامیابی پر جل کر راکھ ہو رہا ہوتا ہے۔ نقاب پوش چہروں کو پہچاننا اور ان کے حسد سے اپنی روح کو پاک رکھنا ہی اصل دانشمندی ہے۔

الگ کرنا ہے ۔ سب کو خوش رکھنا ہے ۔ اس میں وہ کیا ہے کہیں نہیں اس کی خوشیاں اس کی زندگی اس خوشیاں یہ سب کیا ہے ۔ سب دفن " جو دوسروں میں فوسٹ کرتی ہے خود پر انوسٹ دینے کے لیے اس کے پاس کیا بچے گا ۔ ان کے پاس خود کو دینے کے پنا کچھ نہیں ہوتا ۔ انسان ایک وقت میں یا تو اپنوں کو خوش کر سکتا ہے یا خود کو ۔ جو دوسروں کے لیے کرتی ہیں وہ خود کے لیے کچھ نہیں کر پاتی ۔ اور اپنے خود کے لیے کچھ نیا پاتی ہیں ۔ بیمار کبھی کبھی مشکلوں سے نہیں گھبراتی لیکن ✦ حاسد کی دوستی کی دو زندگی میں اگر مجھے برے لوگوں ملے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھے دوستوں سے بھی نوازا ہے ۔ جب میں تھی سرکل تھا ۔ frend یونیورسٹی کے ہوسٹل میں تھی تو میرا بہت بڑا بہت ساری دوستیں تھی ۔ اور بہت اچھی سمجھدار اور سلجھی ہوئی لڑکیاں تھی ۔ میرا بہت خیال رکھتی تھی ۔ جب میں بیمارتو وہ مجھے محسوس نہیں ہونے دیتی تھی کہ مجھے کچھ ہے ۔ مجھے روز باہر لے جانا گھمانا پھرانا واک کروانا میری فکر کرنا ۔ بہت اچھی دوستیں ملی مجھے جن میں ایک اقصیٰ قاسم تھی ۔ زہرا امجد تھی ، صباح ، اقراء مختار اقراء ، بلوشہ اور بھی بہت ساری تھیر تھی دو سالہ ڈگری تھی ان کی تو لحاظہ ہم جدا ہوگئی ہم

سہیلیاں بچھڑ گئی پھر کوئی کہیں تو کوئی ۔ لے مجھ سے سنے ئی نے نئی کہیں ۔ میں نے بھی ہوسٹل تبدیل کر لیا ۔ اور جاب کے لئے کوشش کر رہی تھی تو مجھے تبدیل کرنا پڑا ۔ کیونکہ دوستیں تو وہی تھی جو ہم جدا ہو گئی ۔ پھر نیو ہوسٹل میں میری دوستی ایک نئی لڑکی سے ہوئی ۔ اس نے خود میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ۔ خود مجھے دوستی کے لئے کہا ۔ پھر وہ لڑکی روز میرے پاس آتی بیٹھتی مجھ سے اپنی باتیں بتاتی اپنے حالات بتاتی ۔ کچھ دنوں تک وہ میرے پاس آتی بیٹھتی ۔ پھر اسی طرح رجاء مصطفیٰ کے ساتھ میری دوستی ہو گئی ۔ پھر اس نے اپنا کمرہ تبدیل کر کے میرے ساتھ اپنا کمرہ شفٹ کیا ۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کے گھر والے اس کے ساتھ نہیں ہیں ، وہ بالکل تنہا ہے اور بہت برے حالات کا سامنا کر رہی ہے ۔ وہ روتی سارا سارا دن ۔ اُمِ رباب کیا ہوا تھا اس نے سیلن جاب پہنی تھی اس کی ۔ اس مجھے بیڈ پر میں اسے اپنے ساتھ انٹرویو دینے کے لیے ساتھ لے گئی برو ۔ اسے جاب کی اشد ضرورت ہے ۔ میں جب کہیں اپلائی کرتی یا ان دنوں کورس کی ساتھ اپلائی اور کام دیتی ۔ اور ہر جگہ انٹرویو کے لئے ساتھ لے جاتی میں اس کا بہت خیال رکھتی ۔ صبح کے سات بجے ان چاروں کونوں کے درمیان پہلا طبقاتی تصادم لمحوں میں پھوٹ پڑا۔

سارہ نے پلنگ کی زنگ آلود چادر اور صبا کے المونیم کے ڈبے کو حقارت سے دیکھا، اور اپنے ریشمی رومال سے گرد جھاڑتے ہوئے انگریزی آمیز اردو میں بولی " :کیا یہ یونیورسٹی کا ہوسٹل ہے یا غریبوں کا کوئی پاگل خانہ؟ نلکے کے پانی سے گندے نالے کی بو آ رہی ہے اور پنکھا کسی پرانی چکی کی طرح چیخ رہا ہے۔ میرے والد نے تو کہا تھا کہ عائشہ ہال صرف "اچھے اور معزز گھرانوں کی بیٹیوں کے لیے مخصوص ہے۔

سامنے والے پلنگ سے عنزہ نے برٹرینڈ رسل کی کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر نہایت کاٹ دار لہجے میں جواب دیا " :شہزادی صاحبہ !اگر آپ کے والد کو محل چاہیے تھا تو انہیں آپ کو کینٹ کے بنگلے میں رکھنا چاہیے تھا۔ اس کمرہ نمبر بیالیس میں ہم سب ریاست کے برابر کے قیدی ہیں۔ آپ کا یہ فرسودہ خاندانی شجرہ نہ تو گیزر کا پانی گرم کر سکتا ہے اور "نہ مس نازیہ کے رجسٹر سے آپ کا نام کٹوا سکتا ہے۔

سارہ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ وہ چیخ کر لڑنے کے لیے کھڑی ہو گئی جبکہ غریب صبا دیوار کے ساتھ لگ کر تھر تھر کانپنے لگی۔

کمرے کا ماحول بارود کا ڈھیر بن چکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر ہم چاروں تقسیم ہو گئیں، تو ہوسٹل کی ظالم وارڈن اور یہ اجنبی شہر ہمیں ایک ایک کر کے نگل جائے گا۔

میں بنا کچھ کہے اٹھی، اپنے کچے لکڑی کے اسٹول کو کمرے کے بیچوں بیچ رکھا، اور اس پر اپنی ماں کے ہاتھ کے بنے ہوئے سوجی کے لڈو اور الائچیوں کی ڈبیا سجا دی۔

میں نے سارہ، عنزہ اور صبا کی آنکھوں میں دیکھا اور نہایت ٹھوس اور پرسکون آواز میں کہا " :میری ماں نے کل صبح یہ لڈو اس کچے چولہے پر اپنے آنسوؤں سے گوندھے تھے، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس پردیس میں اکیلی لڑکی بھیڑیوں کے درمیان لاچار بکری جیسی ہوتی ہے۔

ہم چاہیں تو یہاں بیٹھ کر اپنی نسلوں کی زمینیں، اپنے انگریزی کے لہجے اور اپنی انا ناپ سکتے ہیں۔ یا پھر ہم اس فرش پر بیٹھ کر یہ روٹی بانٹ سکتے ہیں اور یہ عہد کر سکتے ہیں کہ اس کمرے کے اندر کوئی بہن اکیلی نہیں روئے گی۔ "کمرے میں دم سادھ دینے والا سناٹا چھا گیا۔ سب سے پہلے عنزہ مسکرائی۔ اس نے کتاب بند کی اور لڈو اٹھاتے ہوئے بولی " :سیاسیات کی طالبہ نے پہلے ہی دن کمال کی سفارت کاری دکھائی ہے۔"

سارہ نے لمحہ بھر تذبذب کے بعد اپنی ریشمی شال سنبھالی، آگے بڑھی اور دھیمی سرگوشی میں بولی " :میری دادی کہتی تھیں کہ الائچی کڑوی زبان کو میٹھا کر دیتی ہے۔ "اور صبا نے ہنستے ہوئے اپنا اچار ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس دن کمرہ نمبر بیالیس نے ہوسٹل کے ظلم کے خلاف اپنا پہلا مشترکہ دفاعی اتحاد قائم کر لیا۔

پہننے یا ہو کی نے کھا چیز ہر پنیا سکی ضروریات کا خیال رکھتی ۔ میں نے اسے روڈ گھومنا سلیقہ دیا ۔ اسے روم کیا ، اسے سنوارا ۔ اسے ا اوڑھنے کی ہر چیز اسے دیتی ۔ میری عادت نہیں تھی چیزوں کو چھپا کے رکھنے کی ستیلکے ہوسٹل رہی وہاں بھی BZU میں ہے چا میں رکھنے کی ۔ lock یا سب میری چیزیں ہی استعمال ہوتی تھی سب دو بھی نہیں پوچھا وہ جیسے مرضی استعمال کریں نہ میں نے کبھی چیزوں کے بارے میں سوچا ۔ اور رجاء مصطفیٰ کو بھی میں نے بہنوں کی طرح رکھا ۔ اسے خوش رکھتی کسی خوشی نہیں تھی ۔ باہر کھانا کھانا ہو تو ساتھ لے جاتی ۔ گھوماتی پھراتی ۔ میں کبھی اکیلے دوستوں کے بغیر باہر نہیں گئی تھی مجھے عادت نہیں تھی کہ ہمیشہ میں نے ساتھ جاتی میں خود بے جاتی اکیلے گھمانے میں مزہ نہیں آتا دوستو ہوں تو اچھا لگتا ہے ۔ لیکن جب اس نے کہیں جانا ہوتا تو وہ اکیلی جاتی ۔ نہ مجھے بتا نا نہ کچھ اور مجھ کبھی یہ برا لگا نہ میں نے کبھی کہا ۔ پر کسی کی پرائیویٹ زندگی ہوتی ہے ۔ جس میں مجھ جھانکنے کا شوق نہیں تھا کبھی اور سال کا ریلیشن شپ ہے ۔ اور وہ اس سے گھر نہیں جاتی تھی ۔9 نہ رہا ۔ پھر کچھ ماہ بعد مجھے پتہ چلا کہ اس کا کسی کے ساتھ بلکہ ملنے کے بعد میں نے اس سے نہیں پوچھا نہ میں نے کوئی سوال کیا ۔ کیونکہ یہ اس کی اپنی زندگی تھی ۔ میں کون تھی اس پر کیچڑ اچھالنے والی یہ تو اللہ تعالیٰ کے معاملے ہیں ۔ کہ کون کیا ہے کیسا ہے ہمیں کردار کی والے معاملوں میں نہیں پڑنی تھی ۔ وہ مجھ سے بد دیانتی میں کرتی تھی ہر جگہ ۔ میں نے ہمیشہ اس کو عزت دی بڑی بہنوں والی ۔ میں جہاں جاب سے لے اپلائی کرتی وہ ساتھ کرتی میرے سن کبھی میں اگر الگ ہونا چاہتی تو وہ مجھے خود سے الگ نہیں ہونے دیتی تھی ۔ دن رات میرے ساتھ ۔ ایک سیکنڈ کے لئے بھی مجھے اکیلا نہیں چھڑتی تھی مجھے یہاں سے جاب کی آفر آئی تو یہ شد بد غصے میں آجاتی تھی ۔ کہ کمپنی سے تمہیں کال کیوں آئی مجھ آئی چاہ نکی ے تھی ۔ تمہیں کیوں ہے ۔ اس کے پاس سکلز نہیں B's سلیکٹ کیا ۔ میرا انٹرویو ہے ۔ تمہارا دونوں تھے ۔ experiance تھی ۔ جبکہ میرے پاس سکلز اور جاب کیونکہ میں تو سٹارٹ سے کر رہی تھی یہ رونا شروع کر دیتی کہ مجھے کال نہیں آئی ۔ تم جاب کرو گی تو میں کیا کروں گی ۔ میرے پاس تمہارے علاوہ کوئی ہے نہیں ۔ تو میں پھر سوچتی کہ اگر اسے کرو پھر یہ مجھ ان

کہ تھی کہتی یہ طعنہ کا مڈ کرتی کہ تو کیا برا ہیں ۔ تم جاب about کے نہ کرو ۔ تو میں مان جاتی کہ ٹھیک ہے نہیں کرتی ۔ جہاں تم کرو میں کو ایک company وہیں جاب کروں سین ڈیسا ممکن نہیں تھا ۔ کہ کسی ساتھ دو ایمپلائی کی ضرورت ہو ۔ لیکن یہ مجھ ہمیشہ یہی کہتی کہ جہاں تم کرو

سے سٹینگی میں وہیں کروں گی ۔ اسی طرح کافی مہینے گزر گئے جاب نہ نہیں سوشیالوجی کر رہی تھی BS ہوئی میری ڈبل ڈگری تھی ۔ میں یونیور TCMA نے میں تو کیا survice سیکنڈ جب میں نے ا سو کرنے کو achive کچھ بھی سے لیا ۔ کہ مجھے یہاں Admission میں ICMA ملے گا ۔ کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا ۔ میں پتہ نہیں مجھے لیا ۔ اور ریگولر جاتی تھی کلاس لینے admission بھی میں تب میری ایک اور کزن تھی میں نے خود کو پڑھائی میں نڈھال کر رکھا تھا ۔ تھا کہ میرے آس پاس کیا ہو رہا ہے ۔ کون مجھے دیکھ رہا ہے کون نہیں ۔ کون کیا کہہ رہا ہے کون کیا نہیں ۔ میں اپنی ہی خواب تھا ۔ کچھ بن کر نکلنا یہاں سے ۔ میں خود کو بڑا سنبھال کے لے کے چلی ۔ کوئی غلط کوئی فضول ایکٹیویٹی نہیں تھی میری بس پڑھائی اور پڑھائی ۔ اب ظاہر ہے میں کو ۔ ایجوکیشن میں پڑھ رہی تھی ۔ تو جب بھی کلاس کی ہوتی تو یہ میرے ساتھ جاتی تھی ۔ اس get -to -gether کوئی پارٹی یا نے وہاں رجاء نے میری تصویریں کی کلاس بوری کے فوٹوز بنیں تو اس نے وہاں سے وہ تصویریں دے کر گروپ لڑکے میں سے مجھ بلیک دی رجاء نے ۔ میرے گھر والوں کا برین واش کرتی رہی ۔ کہ یہ یہاں عیاشیاں کر رہی ہے ۔ یہ تو ایسی ہے یہ تو ویسی ہے ۔ کہ یہاں یہ کر رہی ہے وہ کر رہی ہے ۔ مجھے ذرا سا بھی پتہ نہیں تھا کہ اندر خانے میرے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے ۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا ۔ جس دن رجاء نے میرے ابو اور بھائی کے کان بھرے تصویریں بھیجی ان کا خون آگیا یہ رجاء میرے پاس ہی بیٹھی تھی ۔ پہلے میرے پاس میرے چھٹے بھائی نے مجھے گالی گلوچ کیا ۔ بیڈ کر دار کہا ۔ اس کی عمر سال تھی ۔ میں تو اس کی باتوں میں حیران کہ یہ مجھ کہہ کیا رہا ہے ۔ یہ کیا ہے میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے ۔ کون کر رہا ہے 17 مجھے ۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا ۔ میرے کردار پر اٹھا کیچڑ اتنا گندے لم تم سے اچھالا اور اتنی گندی میرے لیے زبان استعمال کی کہ اس ٹائم مجھے ایک ہی خیال آتا ۔ مجھے بہت ہو گئی کر نہیں کرنا چاہ نکی ے تھا ۔ یہ سننے کے لیے تو survive میں نے اپنے تن پر اتنی سال چھٹا ہو کے مجھے کہہ رہا تھا ۔ کس کس نے فلرٹ 8 سے مجھ کا سال17 سختیاں برداشت نہیں کی ۔ وہ گھٹیا باتیں ۔ بہت غلیظ الفاظ جو میں نے سنے ۔ اور وہ رات مجھ میں بہت بھاری تھی پھر میرے ابو کی کالآئی رجاء بات کر رہی تھی میں نے میرے ہی موبائل لے کر بات کی تو نہ سنی کتنی میری رجاء ابو سے بات کرنے لگی اور ابو سے چاپلوسی کر ملی میرے سامنے ۔ رجاء کو میرے ابو نے کہا رجاء نے کہا کہ انکل اس سے بات کریں تب رجاء کو میں نے اپنے یہاں میں اس بدذات عورت کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی ۔ میں اس کے پاس بیٹھی سن رہی تھی ۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 3 :وارڈن کی سیٹی اور پانی کی کیتلی

کڑاکے کی سردی، ممنوعہ ہیٹر اور رات کا خوفناک چھاپہ

خلاصہ :ملتان کی یخ بستہ سردی میں جب ہوسٹل کے پائپوں میں پانی جم گیا تو بیمار صبا کی جان بچانے کے لیے کمرہ نمبر بیالیس نے خفیہ واٹر ہیٹر جلایا، جس پر وارڈن کے چھاپے کے دوران رجاء نے جرات کا مظاہرہ کیا۔

◆ ◆ ◆

نومبر کے اواخر میں ملتان کی لو رخصت ہو گئی اور شمالی کہساروں سے اترنے والی ہڈیوں کو گلا دینے والی برفانی ہواؤں نے عائشہ ہال کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سرخ اینٹوں کی پرانی عمارت میں ہیٹنگ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کنکریٹ کے فرش برف کی سلیں بن چکے تھے اور پائپوں کا پانی اتنا سرد تھا کہ ہاتھ لگانے پر ہڈیاں کٹنے لگتیں۔

وارڈن مس نازیہ کا حکم نامہ کمروں کے دروازوں پر چسپاں تھا :کسی بھی قسم کا الیکٹرک ہیٹر یا پانی گرم کرنے والی راڈ رکھنا سنگین جرم ہے جس پر ایک ہزار روپے جرمانہ اور ڈسپلن کمیٹی کے سامنے پیشی لازمی تھی۔

دسمبر کے دوسرے ہفتے صبا شدید نمونیا کی لپیٹ میں آ گئی۔

رات بارہ بجے اس کے دانت اتنی شدت سے بج رہے تھے کہ پورا پلنگ لرز رہا تھا اور اس کی چھاتی سے گھٹن بھری گڑگڑاہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

رجاء ...مجھے گرم پانی کا ایک گھونٹ پلا دو ...میرے سینے پر پتھر رکھا ہے "...وہ روتے ہوئے ہانپ رہی تھی۔

ہوسٹل کا سرکاری گیزر رات آٹھ بجے بند ہو چکا تھا اور صبح چھ بجے سے پہلے گرم پانی کا ایک قطرہ ملنا بھی ناممکن تھا۔ عنزہ نے اپنے بستر کے نیچے لکڑی کے تختے کو ہٹایا اور بجلی کی ٹیپ میں لپٹی ہوئی ایک چھوٹی لوہے کی راڈ نکالی۔

اگر پکڑے گئے تو نازیہ ہم سب کو ہوسٹل سے نکال دے گی، "سارہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

اگر پانی نہ ملا تو صبا صبح تک زندہ نہیں رہے گی، "میں نے راڈ اس کے ہاتھ سے لی اور ساکٹ میں تار جوڑ دی۔

صر تو مجھ اسے لگا کے اندر سے میری موت ہو گئی ہو۔ میں ایک دم سے ہر احساس سے خالی ہو گئی ۔ دل دماغ ہر چیز خاموش ہو گئی میرے اندرف سناٹا تھا ۔ اس دنیا میں ہر درد کی دوا ہے ۔ پر اس درد کی کوئی دوا نہیں جو اپنوں سے ملا ہو وہ ساری رات میری جائے نماز پر روتے گزر گئی ۔ میں اپنی زندگی میں بہت روئی ہوں ۔ اب رنے لگتا ہے کوئی تو اندھی ہو جاؤں گی ۔ صبح پھر پہ میرے پاس آئی اور مجھے کہنے لگی کہ دیکھو تمہارے گھر والے گندا ہیں تم پر اعتبار نہیں کیا ۔ تم کتنا سدھرنے کے لیے سوچتی ہو ۔ کہ اس بھائی کا گھر بنا لیے ۔ اس بھائی کو کاروبار سٹ کر کے دینا ہے ۔ امی ابو کے لیے کرنا ہے ۔ اب دیکھو تمہارے حق ہے یہ کہ تم ان رات سوچتی ہو ۔ اور ڈرتی جاتی ہوں ۔ اپنی زندگی

کو ان کے لیے وقف کرنا چاہتی ہو محنت کرو ۔ تم پچھتاؤ گی ۔ کوئی کسی کا نہیں ہے تم بس شادی کرو ۔ اور اپنے پاس انکا بھروسہ بناؤ ۔ وہ ہر روز میرا اسی طرح برین واش کرتی ۔ لیکن میں نے کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا ۔ میر ا ایک ہی سوال تھا ۔ کہ رجاء میں نے تو آج تک ایسا کچھ نہیں کیا ۔ پھر میرے ساتھ کون کر رہا ہے یہ ۔ پھر رجاء نے مجھے بتایا کہ میرا بھائی اس سے میری خبریں لیتا ہے ۔ اس کو پتہ نہیں تمہارے خلاف کس نے یہ باتیں کی ہیں ۔ رجاء نے مجھے کہا کہ اس کو جس کسی نے بھی تمہارے خلاف باتیں کی ہیں ۔ تو تمہارے گھر والوں کو اس تیسرے کا منہ توڑنا چاہئے تھا ۔ کہ وہ کیسی بھی ہے ۔ ہمیں اس کا پتہ ہے ، غلطی تمہارے گھر والوں کی ہے جو انہوں نے تیسرے کی بات سنی ۔ اور ان کو تیسرے زبان کی ہے تو تمہارے گھر والوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ اس تیسرے انسان کو بات کیوں کی ہے ۔ اُس تیسرے کا مقصد کیا ہے ۔ وہ یہی چاہتی تھا جو آج تمہارے ساتھ ہوا ۔ دوریاں پیدا کرنا اور وہ تیسرا کامیاب ہو گیا ۔ کیونکہ تمہارے گھر والے کانوں کے کچے تھے ۔ اسی کمزوری کا وہ فائدہ اٹھا رہا ہے ۔ تم پتہ لگاؤ کہ وہ کون ہے ۔ خیر اسی طرح کچھ دن گزرے میری امی نے مجھے گھر بلا لیا ۔ میں گھر جانے لگی تو مجھے رجاء نے کہا کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ جانا ہے ۔ مجھے اپنے ساتھ نے میں کہتی کیا میں کرنے لگی ۔ لیکن اس نے مجھے avoid لیتی جاؤ میں بار بار بار بار فورس کیا کہ مجھے لیتی جاؤ اپنے ساتھ ۔ کہا ٹھیک ہے چلو تم بھی ۔ یہ میرے ساتھ میرے گھر گئی میرے گھر والے اس کی بہت عزت کرتے بھائی ، امی ، ابو سب خیال کرتے ۔ اس کو بیٹیوں والی عزت دیتے ۔ اس کی پسند کا کھانا بنتا جب بھی ہمارے گھر جاتی بھائی الگ سے چیزیں لے آتے ، کپڑے میری امی دھوت استری کر کے دیتی ۔ سب اس کی خدمت کرتے تھے عزت کرتے کچھ دن پانی کی جگ میں راڈ نے سنسنانا شروع کیا اور گرم بھاپ کمرے کے حبس میں اڑنے لگی۔ ابھی پانی ادھا گرم ہوا تھا کہ اچانک گیلری میں بوٹوں کی دھمک اور تالے کی !ٹویٹ !جھنکار گونجی*

مس نازیہ کی پیتل کی سیٹی کی کان پھاڑ دینے والی آواز سیدھی ہمارے دروازے کے باہر گونجی اور دو بھاری مکے لکڑی کے پٹ پر پڑے : کھولو !کمرہ نمبر بیالیس !فوری سرپرائز انسپکشن "!کمرے میں طوفان آ " گیا۔ راڈ سرخ انگارہ ہو چکی تھی اور اس کی تیز بو کمرے میں پھیل رہی تھی۔

عنزہ نے پلک جھپکتے ہی گرم راڈ صبا کے ٹھنڈے گیلے تولیے میں لپیٹ کر بالٹی کے نیچے چھپائی اور جائے نماز بچھا کر تہجد کی نیت باندھ لی !سارہ نے کرسی سنبھالی اور میں نے دروازہ کھول کر مس نازیہ کے سامنے اپنا قد تان لیا۔ مس نازیہ نے اندر جھانکتے ہوئے نتھنے پھیلائے " :یہاں تانبے کے جلنے کی بو ہے !کس کے پاس ہیٹر ہے؟ "وہ سیدھی صبا کے بستر کی طرف بڑھی اور اس کی کمبل کھینچنے لگی۔ میں فوراً ان کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔

ہاتھ مت لگائیے گا میڈم "!میری آواز اتنی ٹھوس اور پرسکون تھی کہ " وارڈن کے ہاتھ ہوا میں معلق ہو گئے۔

تم ایک وارڈن کو روک رہی ہو دیہاتی لڑکی؟ "وہ غصے سے چلائی۔"

یونیورسٹی ریگولیشن بتیس کے تحت اگر کوئی طالبہ ایک سو چار بخار میں " مبتلا ہو تو بغیر میڈیکل ڈاکٹر کے اس کے بستر کی تلاشی نہیں لی جا سکتی۔ اگر سردی کی اس لہر میں اس کی حالت بگڑی تو کل صبح وائس چانسلر کے دفتر میں آپ کے خلاف مجرمانہ غفلت کی ایف آئی آر درج ہوگی "!

وارڈن نے میری بے خوف آنکھوں میں دیکھا، پھر مصلے پر کھڑی عنزہ کو دیکھا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ گالی بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اس رات کمرہ نمبر بیالیس نے ایک بار پھر ثابت کیا کہ بہنوں کا اتحاد جبر کے ہر ہتھیار کو کند کر سکتا ہے۔

جیل کو رہی اور پھر واپس آ گئی ۔ اور کئی دن بعد جب میں نارمل ہوئی ۔ گھر کا ماحول ٹھنڈا ہوا ۔ پھر میں نے خود کو کھڑا کیا ۔ خود کیا ۔ سمجھا یا خود کو کہ کوئی بات نہیں ۔ بھول جاؤ سب ۔ اسی طرح جب جب میں گھر جانے کا کہتی تو یہ مجھے ہمیشہ روک دیتی کہ گھر نہ جاؤ ہم ساتھ چلیں گی ۔ مجھے تمہارے گھر اچھا لگتا ہے ۔ تمہارے گھر والے بہت اچھے ہیں ۔ میں جب بھی گھر جانے کی بات کرتی تو مجھے منع کر دیتی کہ اب نہ جاؤ دس دن چلیں گی ۔ میں بھی ساتھ جاؤں گی ۔ مجھے یہی لگا کہ اس کے گھر والوں کی کمی ہے تو شاید اس لئے وہ میرے ساتھ جانے کی ضد کرتی ہے ۔ خیر ہر بار وہ میرے ساتھ آتی ۔ اور گھر والوں کو میرے خلاف باتیں کر کے جاتی ۔ مجھے بھی نہ بتائے ۔ گھر والے میرے گھر والے بھی میرے متعلق اس سے انفارمیشن لیتے ۔ کہ یہ کیا کرتی ہے ۔ کیا جاتی ہے ۔ تو اس نے ہر بات کو غلط کر کے بتایا ۔ کچھ ماہ بعد اس کی طبیعت خراب ہوئی کافی ہم تین سے چار لڑکیاں تھی ۔ اس کو ہسپتال لے گئیں ڈاکٹر نے چیک اپ کیا ۔ اور اسے اکیلے آنے کا کہا ۔ جب کہ اکیلی گئی چیک اپ کروانے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ پرپے گی ٹ ہے ۔ یہ بات سن کر میری حیرت چھٹ گئی ۔ واپس آئیں تو میری اس سے لڑائی ہو گئی ۔ میں نے غصہ کیا ۔ اور سمجھایا ۔ اب نہ مجھے کچھ سمجھ آرہی تھی نہ اسے ۔ رجاء نے اس آدمی کو بتایا اس نے اس کے منہ پر کچھ پیسے یہ کروانے کا کہا ۔ اور وہ اسے چھڑ کر چلا گیا ۔ abortion مارے اور یلکرتی ہوں ۔ میں یہ کرتی ہوں ۔ میں اور sucide اب مجھے بار بار میں پریشان ہوں ۔ ڈرتی تھی اس کا ابورشن کرانے کے لئے تیار نہیں تھا ۔ پھر میں نے اسے اپنی ا دوست کا کلینک دیا ۔ اس نے اس ڈاکٹر سے بات کی اور اس کے پاس چلی گئی اور وہ رات میں نے سڑک پر ہسپتال کی گزر دی سردی میں اس کی خاطر کے اس کی جان بچ جائے ۔ وہ سوسائیڈ نہ کر لے ۔ عید سے ایک دو دن پہلے اس کا ابورشن ہوا چار گلے دن میں اسے واپس لے آئی ۔ عید تھی اس کے گھر سے بھی کال آئی کے رجاء گھر آؤ ورنہ ہم ہلا آرہے ہیں ۔ گھر والوں نے اس پر شد ید پریشر ڈالا اور عید سے ایک دن پہلے وہ گھر چلی گئی ۔ اور میں بھی ۔ اس دوران میں نے اس کا مگر پور خیال رکھا ۔ اس کے کپڑے تک دھوئے پھر مئی کو اس کو بہت زیادہ بلیڈنگ شروع ہو گئی ۔ اس کی ماں بہنیں سب پریشان کہ یہ اس کا ہوا ہے ۔ اس نے عید والے دن مجھے میسج اور کالز کرنا شروع کر دی ۔ میں تمہاری طرف آرہی ہوں ۔ میں پھر پریشان ۔ پھر میں نے اسے گھر آنے سے منع کر دیا ۔ پھر وہی اس

کا رونا دھونا مجھ بچا لو میں مرجاؤں گی ۔ تم میری ایک واحد دوست ہو جو میرا ساتھ دیتی ہو ۔ مجھے سمجھتی ہو ۔ میرے ہر برے وقت میں ساتھ دیا ۔ پلیز میری جان زور بہنیں مجھ سے بار بار سوال کر رہی ہیں ۔ مجھے بچا لو ۔ کافی منتوں کے بعد میں نے یہی کہا کہ آج نہیں عید کے تیسرے دن آنا میں کہتی ہوں گی اپنے گھر ۔ کیا سوچیں گے سب رجاء کی ایک مجھے یہی ضد کہ پلیز مجھے آنے دو ۔ مجھے بچا لو میں مر جاؤں گی ۔ عید کے دوسرے دن مجھے کال آئی کہ میں تمہارے شہر پہنچنے والی ہوں ۔ لے جاؤ ۔ اب میں زیادہ پریشان ہوتی کہ یہ کیا ہے ۔ آج تو ہسپتال بند ہوں گے ۔ عید کا تیسرے دن کا کہا تھا اور یہ نا بتائے دوسرے دن آگئی ۔ اب کیا کرو ۔ کیا کہوں گھر ۔ پھر میں نے اپنی امی ابو سے کہا کہ رجاء آرہی ہے اس کا مجھ علم تھا تو کہہ رہی ہے میں آرہی ہوں گھر والوں نے کوئی بات نہ کی ۔ میرا بھائی گیا اسے لینے آیا شہر سے عید تھی تو امی نے اس کی پسند کا کھانا بنایا آئی اس کو کھلایا ۔ بات چیت کی ۔ یہ گھر آئی ریسٹ کیا کھانا کھائے ۔ سب بھائی ابو باہر چلے گئے میں امی اور رجاء تھی ۔ اس کی طبیعت دیکھ کر میری امی بھی پریشان ہونے لگی ۔ یہ کو پریشانی ہوئی کہ اس کو کیا ہے ۔ میں کسی طرح وہ دن گزارا اور تیسرے دن امی نے کہا کہ جاؤ اسے ہسپتال لے جاؤ اور چیک اپ کرواؤ اسے کیا ہے ۔ اس کی چڑ چڑ پن بے وقوف ڈاکٹر کے پاس گئے اس نے اس کا ٹریٹمنٹ کیا ۔ ڈرپس وغیرہ لگائی تو اس کی طبیعت سنبھلی ۔ اس دوران بھی وہ میرے خلاف سازشیں رچ

اس یخ بستہ رات جب ہوسٹل کی سرد فضا میں وارڈن مس نازیہ کے بوٹوں کی دھمک مدہم پڑی اور عائشہ ہال کے مرکزی گیٹ کا بھاری آہنی تالا دوبارہ چڑھا دیا گیا، تو کمرہ نمبر بیالیس کا حبس ایک لرزہ خیز سناٹے میں بدل گیا۔ صبا کمبل کے نیچے لرز رہی تھی اور اس کا تیز بخار ہذیانی کیفیت اختیار کر چکا تھا۔ میں نے اپنی پرانی مخمل کی جائے نماز پر بیٹھ کر ربِ کائنات کے حضور ہاتھ اٹھائے۔ یہ ملتان کی اس اجنبی بستی کا وہ پہلا کڑا امتحان تھا جس نے مجھ پر ہوسٹل کے قوانین کی سنگدلی اور انتظامیہ کی بے حسی کو عیاں کر دیا تھا۔ جہاں دفتری ضابطے انسانوں کی جان سے زیادہ مقدس سمجھے جاتے تھے اور جہاں ایک بیمار ساتھی کے لیے چند گھونٹ گرم پانی تیار کرنا سنگین ترین جرم بن جاتا تھا، وہاں ایک دیہاتی طالبہ کی حیثیت محض گرد کی مانند تھی۔

لیکن وقت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ جس صبا کی خاطر میں نے وارڈن کے زہریلے طعنے سہے اور ایک ہزار روپے کا بھاری جرمانہ اپنے نحیف کاندھوں پر اٹھایا، وہی صبا کچھ ہی مہینوں بعد میرے خلاف پروان چڑھنے والی سازشوں کی خاموش تماشائی بن گئی۔ انسان کا باطنی حسد کس طرح احسان مندی کے جذبے کو نگل جاتا ہے، اس کا پہلا بھیانک عکس مجھے اسی کمرے کی نم آلود دیواروں پر نظر آیا تھا۔ جب بھی کوئی رشتہ یا تعلق آزمائش کی کٹھالی سے گزرتا ہے تو کھوٹا سکہ سب سے پہلے اپنی جھوٹی چمک کھو دیتا ہے۔

میں نے اس رات تہجد کے وقت اپنے رب کے حضور رو رو کر یہ عہد کیا تھا کہ چاہے پورا عائشہ ہال میرے خلاف صف آرا ہو جائے اور چاہے

ملتان کی یہ سنگلاخ سڑکیں میرے پاؤں لہولہان کر دیں، میں کبھی کسی ظالم یا حاسد کے آگے اپنی عزت اور خودداری کا سودا نہیں کروں گی اور اپنے باپ کی سفید پگڑی کے تقدس پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ یہی وہ رات تھی جس نے میرے اندر کے خوف کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور مجھے تنہائی میں اللہ پر توکل کرنے کا لازوال حوصلہ بخشا۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 4 :نشتر ایمرجنسی کی رات دو بجے

اپینڈکس کا پھٹنا، بند گیٹ اور نشتر اسپتال کے خوفناک کوریڈور

خلاصہ :رات دو بجے صبا کا اپینڈکس پھٹ گیا، وارڈن نے محرم کے بغیر گیٹ کھولنے سے انکار کیا مگر رجاء نے گیٹ توڑ کر نشتر اسپتال کی خونی راہداریوں میں دوڑ کر صبا کی جان بچائی۔

◆ ◆ ◆

رات پونے دو بجے صبا کے منہ سے ایسی فلک شگاف چیخ نکلی جس نے عائشہ ہال کے در و دیوار کو ہلا دیا۔

وہ پیٹ کے دائیں حصے کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے فرش پر مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی اور اس کا پورا جسم برف کی طرح ٹھنڈا اور نیلگوں ہو چکا تھا۔ اس نے قے کی اور اس کی آنکھیں الٹ گئیں۔

عنزہ نے نبض پر ہاتھ رکھا " :اپینڈکس پھٹ چکا ہے۔ پیریٹونائٹس۔ اگر ڈیڑھ گھنٹے میں آپریشن تھیٹر نہ پہنچی تو زہر پورے خون میں پھیل جائے گا۔ "ہم تینوں نے صبا کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور تین منزلہ سیڑھیاں اتر کر مرکزی گیٹ پر پہنچیں۔

گیٹ پر موٹا تالا چڑھا ہوا تھا اور بوڑھا چوکیدار کمبل اوڑھے بیٹھا تھا : دس بجے کے بعد کوئی لڑکی باہر نہیں جا سکتی۔ اگر میں نے گیٹ کھولا تو" "پولیس مجھے گرفتار کر لے گی۔

مس نازیہ نیچے اتر آئیں " :یہ کیا تماشا ہے؟ اس کا محرم کہاں ہے؟ قانون کے تحت جب تک اس کے گاؤں سے باپ یا بھائی نہیں آئے گا، "ہم اسپتال نہیں بھیج سکتے۔

اس کا باپ لیہ کے صحرا میں بیٹھا ہے "!میں نے اتنی دھاڑ سے کہا کہ " وارڈن دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "آپ کا تار پہنچنے تک یہ لڑکی لاش بن جائے گی !چابی دیجیے ورنہ میں فائر الارم بجا کر چار سو طالبات کو اس صحن میں بلا لوں گی "!وارڈن نے میری آنکھوں میں جنون دیکھا اور کانپتے ہاتھوں سے گیٹ کا تالا کھول دیا۔ بوسن روڈ پر رات دو بجے اندھا دھند کُہرا چھایا ہوا تھا۔

دس منٹ بعد ایک کھٹارا رکشہ نمودار ہوا جس کے ڈرائیور کو ہم نے پچاس روپے کا نوٹ دکھا کر نشتر اسپتال کی طرف دوڑنے کو کہا۔

نشتر اسپتال کی ایمرجنسی رات ڈھائی بجے کسی مذبح خانے کا منظر پیش کر رہی تھی :خون آلود اسٹریچر، فرش پر دم توڑتے مریض، اور بدبودار ادویات کا تعفن۔

کوئی مرد ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے کاؤنٹر پر کلرک نے فارم پھینک دیا : "اس کا باپ کہاں ہے؟ دستخط کون کرے گا؟"

میں نے اپنا یونیورسٹی کارڈ اس کی میز پر پٹخا " :میں اس کی قانونی سرپرست ہوں۔ اگر اس کی سرجری میں تاخیر ہوئی تو تم پر قتل کا مقدمہ درج کرواؤں گی!"

ایک نوجوان سرجن نے آ کر پیٹ دبایا اور فوراً چلایا " :فوری ایمرجنسی !اپینڈکس پھٹ چکا ہے، مریضہ شاک میں جا رہی ہے !لیپروٹومی"

تھیٹر میں لے جاتے ہوئے اس نے نسخہ ہمارے ہاتھ میں دیا " :سامنے والے میڈیکل اسٹور سے فوری طور پر دستانے، کینولہ اور اینٹی بائیوٹک لاؤ، اسپتال میں کچھ نہیں ہے "!ادویات آٹھ سو پچاس روپے کی تھیں۔ ہماری تمام جیبوں سے کل ایک سو تیس روپے نکلے۔ اس قیامت کے لمحے میں سارہ نے اپنے پرس کی اندرونی تہہ سے اپنی نانی کی یادگار سونے کی چھوٹی لونگ اتاری۔

یہ لو رجاء، "سارہ رو پڑی۔ "سامنے والے صراف کو دو، دوائیں لاؤ اور " صبا کو بچا لو "!میں کُہرے میں سڑک پار دوڑی۔ دکاندار نے لونگ تولی، دوائیں دیں اور باقی پیسے گن دیے۔ جب میں نے تھیٹر کے نرس کے ہاتھ میں تھیلا تھمایا، تو سرخ بتی جل اٹھی۔ تین گھنٹے ہم نے اسپتال کے سرد فرش پر آنسوؤں سے دعائیں مانگیں۔

صبح ساڑھے پانچ بجے سرجن باہر نکلا اور مسکرا کر بولا " :وہ بچ گئی ہے۔ "تم دونوں نے بروقت لا کر اس کی جان بچا لی۔

فجر کی اذانوں کی گونج میں میں نے سارہ کا ہاتھ تھاما۔ ہم نے بنا کسی مرد کے اپنی بہن کی زندگی جیت لی تھی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 5 :ایچ ای سی ریسرچ میرٹ اور انٹرویو کا حسد

بیوروکریٹ کی بیٹی، موم بتی کا مسودہ اور سلیکشن بورڈ کا معرکہ

خلاصہ :ہائر ایجوکیشن کمیشن کی واحد نیشنل ریسرچ فیلوشپ کے لیے رجاء نے بااثر اشرافیہ کی بیٹی ام رباب کے تمسخر کا سامنا کیا اور 98.5 فیصد نمبر لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی۔

◆ ◆ ◆

بہار کے آغاز میں شعبہ سیاسیات کے نوٹس بورڈ پر ایک سنہری مہر لگا اشتہار آویزاں ہوا :ہائر ایجوکیشن کمیشن اور یو این ڈی پی کی جانب سے جنوبی پنجاب کے لیے واحد نیشنل ریسرچ فیلوشپ کا اعلان کیا گیا تھا، جس میں مکمل فیس معافی، دس ہزار ماہانہ وظیفہ اور آئینی قوانین پر تحقیق کی مکمل گرانٹ شامل تھی۔ میرے لیے، جو بسوں کے کرائے اور ادھار کتابوں پر جی رہی تھی، یہ گرانٹ آزادی کا پروانہ تھی۔

مگر اس گرانٹ پر عائشہ ہال کے ایلیٹ ونگ کی بے تاج ملکہ امِ رباب کی نظریں جمی ہوئی تھیں، جس کا باپ صوبائی حکومت کا ایڈیشنل چیف سیکریٹری تھا اور جس کی نجی گاڑی روزانہ ہوسٹل کے دروازے پر رکتی تھی۔

یہ ننگے پاؤں دیہاتی لڑکی اس قطار میں کیوں کھڑی ہے؟ "امِ رباب کا " قہقہہ کینٹین میں گونجا۔ "اس کے باپ نے تو داخلہ فارم پر انگوٹھا لگایا ہو گا۔ ریسرچ اعلیٰ دماغوں کا کام ہے، کھیت کاٹنے والیوں کا نہیں۔ اسے چاہیے کہ سلائی مشین خریدے "!اس کے حواری ہنس پڑے۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا، مگر ماں کی بات یاد رکھی :جب کتے بھونکیں تو پتھر مت مارو، پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤ تاکہ ان کا بھونکنا ہوا کی سرگوشی بن جائے۔

بہتر گھنٹے تک موم بتی کی لو میں کمرہ نمبر بیالیس نے ایک سائنسی قلعے کی شکل اختیار کر لی۔ میں نے فرضی تھیوریوں کے بجائے اپنے کچے دیہات کے زندہ کیس اسٹڈیز، ونی اور جائیداد سے محرومی کے اصل عدالتی کاغذات کا ستر صفحات کا مسودہ تیار کیا۔

انٹرویو پینل کے کمرے سے باہر نکلتے ہی شعبہ سیاسیات کی طویل اور وسیع راہداری میں حاسد نگاہوں کا ایک تلاطم خیز طوفان میرا منتظر تھا۔ سلیکشن بورڈ کے معزز ججوں نے جب میرے تحقیقی خاکے، فکری دلائل اور علمی اعتماد کی تعریف کی اور جنوبی پنجاب کے لیے ہائر ایجوکیشن کمیشن کی پہلی پوزیشن کا باقاعدہ اعلان ہوا، تو میرے ہم جماعتوں کے چہروں پر جمی ہوئی روایتی مسکراہٹیں پل بھر میں زرد پڑ گئیں۔ وہ بااثر طلبہ جو خود کو شہری اشرافیہ کی علامت سمجھتے تھے اور میرے دیہاتی لہجے، سادگی اور کھردری چادر کا تمسخر اڑاتے تھے، اس سچائی کو قبول نہ کر سکے کہ ایک کسان کی بیٹی نے اپنی شبانہ روز محنت سے سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

اگلے ہی روز سے ہوسٹل کی راہداریوں اور شعبے کے مختلف حلقوں میں زہریلے وسوسوں اور گمنام خطوط کی ایک منظم مہم شروع کر دی گئی۔ کینٹین کی میزوں پر بیٹھ کر دبی آوازوں میں یہ جھوٹ گھڑا جانے لگا کہ یہ اعزاز میرٹ پر نہیں بلکہ جانبداری کی بنیاد پر ملا ہے۔ حسد ایک ایسی کالی آگ ہے جو انسان کے اخلاق اور ضمیر کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ جب کوتاہ قامت لوگ آپ کی صلاحیتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو وہ آپ کی محنت اور کردار پر کیچڑ اچھال کر اپنے اندر کی حقارت کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن ان سازشی سرگوشیوں نے میرے قدم ڈگمگانے کے بجائے میرے عزم کو فولاد بنا دیا۔ میں نے کتب خانے کے پرسکون گوشے میں بیٹھ کر اپنی کتابیں کھولیں اور دل ہی دل میں اپنے پروردگار سے عرض کی : اے میرے رب !اگر یہ دنیا تیری بخشی ہوئی توفیق اور عزت پر تلملاتی ہے تو تو مجھے اتنی روحانی استقامت عطا فرما کہ میری مسلسل علمی فتوحات ہی ان کے تمام پروپیگنڈے کا سب سے دندان شکن جواب بن جائیں۔ میری خاموشی اور میری قلم کی طاقت ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 6 :ہوسٹل کے کمروں کی سرگوشیاں

افواہوں کا پھیلتا ہوا جال اور خاموش زہر

خلاصہ :امِ رباب کی پھیلائی ہوئی گھٹیا افواہ کا جنگل کی آگ کی طرح ہوسٹل کے تمام ونگز میں پھیل جانا، کمروں کی گھٹن اور تنہائی کا بڑھتا ہوا عذاب۔

◆ ◆ ◆

ہوسٹل کی فضا کا یہ سب سے مکروہ قانون ہے کہ یہاں نیکی اور محنت کی خبر اگر دیوار پر بھی لکھی ہو تو لوگ آنکھیں پھیر کر گزر جاتے ہیں، مگر کسی کے دامن پر ذرا سی کیچڑ کی بو آ جائے تو پورے ہوسٹل کی لڑکیاں گدھوں کی طرح اس لاش پر جھپٹ پڑتی ہیں۔ امِ رباب کے اس ایک زہریلے فقرے نے عائشہ ہال کے اندر وہ غلیظ کہرام مچایا کہ چند ہی دنوں میں میرا وجود ایک چلتا پھرتا گناہ بن گیا۔

شروع میں مجھے اس سازش کی وسعت کا اندازہ نہیں ہوا۔ جب میں دوسرے دن صبح واش روم کی طرف گئی تو نلکے پر کھڑی دو سینئر لڑکیوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنی بات بند کر دی اور معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔ آئینے میں جب میں منہ دھو رہی تھی تو پیچھے سے آواز آئی " :ہاں بھئی، کچھ چہرے اتنے معصوم ہوتے ہیں کہ پروفیسر بھی اپنا دل ہار بیٹھتے ہیں۔ ریسرچ پروجیکٹ تو بس ایک بہانہ ہے، اصل کھیل تو کچھ اور ہے۔"

میرے ہاتھ سے صابن چھوٹ کر گندے پانی کے نالے میں گر گیا۔ میرا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ مجھے اپنے کانوں میں ہتھوڑے بجتے محسوس ہوئے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو شعبہ کیمسٹری کی دو لڑکیاں تھیں جنہیں میں نام تک سے نہیں جانتی تھی۔ میں نے کانپتے ہونٹوں سے پوچھا : آپ میرے بارے میں بات کر رہی ہیں؟ "ان میں سے ایک نے " ڈھٹائی سے بال جھٹک کر کہا " :جس کے پاؤں تلے سرسوں جمتی ہے وہ خود ہی سمجھ جاتا ہے۔ ہم نے تو کسی کا نام نہیں لیا، آپ کو اتنی مرچیں "کیوں لگ رہی ہیں؟

وہ قہقہہ لگاتی ہوئی نکل گئیں اور میں گندے نلکے کے سامنے کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ میرے گلے میں رندھی ہوئی آواز پھنس گئی۔ مجھے لگا کہ میں ان کے پیچھے جاؤں، ان کے گریبان پکڑ کر انہیں اپنی راتوں کی جاگتی آنکھیں دکھاؤں، اپنے ہاتھوں کے وہ چھالے دکھاؤں جو لائبریری کی پرانی فائلوں کو الٹ پلٹ کر پڑے تھے، مگر اس ہوسٹل میں سننے والے کان نہیں تھے، صرف تماشا دیکھنے والی آنکھیں تھیں۔

BP کا وہی سے ہی ۔ میں یہاں نہیں آؤں گا ۔ اس سے اگلی رات رجاء میں تھی ہیہائی ہوا میں سوئی ہوئی تھی ۔ یہ کافی دیر بیٹھی اور رو رہی تھی میری آنکھ کھلی تو رو رنے پوچھا ۔ کہ کیا ہوا ہے ۔ طبیعت ٹھیک ہے ۔ کہتی ہے نہیں ہے ۔ میرے دماغ کی کوئی نس پھٹتی ہے ۔ مجھ لگا کی گولی دی Panadol اسے ہو گا درد ٹھیک ہو جائے گا میں نے اسے اور کہا کہ سو جاؤ ٹھیک ہو جاؤ گی ۔ لیکن طبیعت مزید زیادہ خراب ہو گئی رات کے دو کا ٹائم تھا ۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرو ۔ کیسے سنبھالوں ۔ رجاء کو ۔ مجھ سونے کاٹنے لگی کہ جیسے پاگلوں سے جاتی ہے نے کیا اور اسے قریبی ہسپتال تھا auto ہے ۔ میں اسے باہر لے گئی

تیجا کھٹک نس کی کیا ۔ checep وہاں لے گئی ۔ وہاں انہوں اس کا میڈیسن دی ۔ اس کی طبیعت سنبھلی ڈاکٹر نے کہا کہ اگر ذرا سی دیر دیر تھا سکتا ہو بھی بہت زیادہ ہائی ہے مجھ ۔ ۔ صبح اسے BPہوتی تو اس ہسپتال سے واپس لے آئی ۔ اور اسی دوپہر ان اس کی طبیعت مزید خراب رہنے لگی ۔ اسے بلڈ نگ ہوتی رہی تواترین میں ۔ اور عام روٹین میں بھی اسے بلڈ نگ رہنے لگی ۔ کافی ڈاکٹرز سے چیک اپ کروایا ۔ لیکن کسی کو میڈیسن سے فرق نہ پڑا سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے نہ ڈاکٹر کو سمجھ لگ رہی تھی ۔ نہ کسی کو ۔ میرے گھر بتایا ۔ میری امی نے بات کی کہ کوئی مجھ یہ یہ مسئلہ ہے ۔ میرے گھر والے پریشان کہ ایسا کیوں ۔ کیا مسئلہ ہیں ۔ میرے گھر والوں کو اس نے جس کے تھے ۔ وہ ٹیسٹ کروانے کے Tumerبتائے وہ symptoms طرح ارادہ کیا ۔ پھر ان دنوں میں یہ میرے ہوسٹل آئی ہوئی تھی ۔ اور میں ہو تھی ۔ اس کی کالز مجھے آئیں میں اٹھا نہیں پاتی ۔ ہوسٹل compus میں اسکی طبیعت بہت زیادہ خراب گئی لڑکیوں نے اسے اٹھایا اور ہسپتال لے گئیں ۔ وہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کا کئی دنوں سے ابورشن ہوا ہے ۔ اور کچھ اس کی نالیوں میں تھا لہٰذا ہمارے ہسپتال میں ڈے سے اسے یشنکنڈ admit فاش نہ کرنے والی نہیں ہے ۔ وہاں کی ڈاکٹر نے اسے کرنے سے انکار کر دیا کہ کسی اور میں لے جائیں ، ہم ذمہ داری نہیں لیتے ۔ بہت ڈیرس ہے۔ اس کے شوہر کو کال کی لڑکی نے اس نے سے بھیجی اور ا ہسپتال لے گیا ۔ وہاں فوراً ڈاکٹر نے اس کا indirew buch آپریشن کرنے کا کہا ۔ اس کے شوہر نے جلدی میں اسے تم پلیز تو نہیں ہے ٹیکو کروایا ۔ وہاں اس کا آپریشن ہوا ۔ admitمیں مجھے کال آئی ممانی کی کہ جلدی آؤ رجاء کا آپریشن ہے ۔ اور یہاں جلدی آؤ ۔ میں اکیلا ہوں ڈاکٹر کہہ ہیں کوئی لیڈی ساتھ ہو ۔ میں گئی میں رہی ۔ صبح ms ہسپتال اس کا آپریشن ہو رہا تھا ۔ پوری رات میں ہوئی ۔ میری بات ہوئی ۔

یہ زہر صرف باہر کی راہداریوں تک محدود نہیں رہا، اس نے میرے اپنے کمرے کے اندر بھی نقب لگا لی تھی۔ انزہ اگرچہ خاموش رہتی تھی اور اپنی کتابوں میں گم رہتی تھی، مگر اس کی نظروں میں ایک مستقل تذبذب اور الجھن دکھائی دینے لگی تھی۔ صبا، وہ لڑکی جس کے ساتھ میں نے سرد راتوں میں ایک ہی کیتلی کی چائے پی تھی، اس کے رویے میں ایک سرد فاصلہ در آیا تھا۔

ایک شام میں نے دیکھا کہ صبا اپنا بستر کھڑکی کی طرف سے ہٹا کر دروازے کی طرف کر رہی تھی۔ "صبا، تم بستر کیوں بدل رہی ہو؟ "میں نے دکھ سے پوچھا۔ اس نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا " :وہ ...امی کا فون آیا تھا لیہ سے۔ بھائی نے کہا ہے کہ ہوسٹل میں ایسی لڑکیوں سے دور رہا کرو جن کے نام کے ساتھ کوئی اسکینڈل جڑا ہو۔ رجاء، برا مت ماننا، میرا رشتہ طے ہو چکا ہے، اگر کل کو میرے سسرال والوں تک کوئی بات پہنچ گئی کہ میں کس کے ساتھ رہتی تھی تو میری زندگی برباد ہو جائے گی۔"

وہ لفظ میرے سینے کے پار اتر گئے۔ میرے اپنے ہاتھ سے بنائی گئی روٹی کھانے والی سہیلی نے مجھے چھوت کی بیماری کی طرح اپنے سے الگ کر دیا تھا۔ میں ساکت بیٹھی رہ گئی۔

صرف سارہ تھی جس نے اس منافقت کے طوفان میں میرا ساتھ دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے صبا کا سامان واپس کھینچ کر پٹخ دیا : شرم کرو صبا !جس لڑکی نے پچھلے ہفتے تمہارے بخار میں رات بھر " تمہارے ماتھے پر پٹیاں رکھی تھیں، آج تم ایک جھوٹی امیر زادی کی بکواس پر اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہی ہو؟ اگر تمہیں اتنی ہی بدنامی "!کا ڈر ہے تو جاؤ وارڈن سے کہو کہ تمہارا کمرہ تبدیل کر دے

صبا روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ سارہ نے آ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا " :رجاء، میری بات سنو۔ اس ہوسٹل میں اگر جینا ہے تو بہری بن جاؤ۔ یہ جو دنیا ہے نا، یہ کامیاب عورت کو پہلے خریدنے کی کوشش کرتی ہے، جب خرید نہیں پاتی تو اس کے کردار پر داغ لگا کر اسے بازار میں رسوا کرنا چاہتی ہے۔ تم روؤ گی تو امِ رباب جیت جائے گی۔ تمہیں جینا "!ہے، اور ان سب کے منہ پر اپنی ڈگری مار کر جینا ہے

سارہ کی باتوں نے میرے اندر سلگتے ہوئے آنسوؤں کو پگھلا کر بارود بنا دیا۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا جہاں ملتان کی شام کا سیاہ غبار پھیل رہا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ میں ہوسٹل کی ان سرگوشیوں کے جواب میں کبھی کوئی صفائی پیش نہیں کروں گی، میرا قلم اور میری تحقیق خود ان کا منہ بند کرے گی۔

عائشہ ہال کی پرانی اور تاریک راہداریوں میں سرگوشیوں کا جال دن بہ دن پھیلتا جا رہا تھا۔ ہوسٹل کے مختلف بلاکس میں میرے خلاف پھیلائی جانے والی جھوٹی افواہیں اب دیواروں کے پار سے بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ کوریڈور سے گزرتے ہوئے لڑکیوں کا اچانک گفتگو بند کر دینا، ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنا اور تحقیر آمیز قہقہے لگانا میرے روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ جس معاشرے میں ایک بیٹی کو آگے بڑھنے کے مواقع کم اور گرانے کے حربے زیادہ میسر ہوں، وہاں اس قسم کی نفسیاتی جنگ سب سے زیادہ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔

کمرہ نمبر بیالیس کی ساتھی لڑکیاں بھی اب کھلے عام سرد مہری کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ وہ میزیں جہاں کبھی مل بیٹھ کر چائے پینے کا رواج تھا، اب وہاں خوف اور بدگمانی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ رات گئے جب تمام ہوسٹل نیند کی آغوش میں چلا جاتا، میں راہداری کی ایک ٹمٹماتی ٹیوب لائٹ کے نیچے بیٹھ کر اپنے تحقیقی نوٹس تیار کرتی۔ انہی تنہا راتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ بدنامی اور جھوٹے الزامات کا مقابلہ چیخ پکار سے نہیں بلکہ غیر متزلزل صبر، کردار کی بلندی اور محنت کے تسلسل سے کیا جاتا ہے۔ جب انسان کا ضمیر مطمئن ہو تو دنیا کی کوئی بھی سرگوشی اس کے وقار کو داغدار نہیں کر سکتی۔

قسط نمبر 7 :چولہا، ہانڈی اور چھپی ہوئی روٹیاں

میس کا باسی کھانا اور عزتِ نفس کی حفاظت

خلاصہ :ہوسٹل کے ناقص کھانے اور میس کے عملے کے توہین آمیز رویے کا بائیکاٹ، کمرے میں گیس کے چھوٹے شلنڈر پر روٹی پکانے کی مہم اور بقا کی جنگ۔

◆ ◆ ◆

ہوسٹل کی میس کا ٹھیکیدار بشیر ایک بدعنوان اور بدتمیز شخص تھا، جس کی کچن میں حفظانِ صحت کے اصولوں کی اتنی ہی پرواہ کی جاتی تھی جتنی ہوسٹل کے قوانین میں لڑکیوں کی عزتِ نفس کی۔ دال اتنی پتلی ہوتی کہ اس میں پلیٹ کا پیندا صاف نظر آتا، اور روٹیاں اتنی سخت اور سوکھی ہوتیں کہ انہیں چبانے کے لیے دانتوں کے بجائے ہتھوڑے کی ضرورت پڑتی تھی۔

امِ رباب کے واقعے کے بعد میس کے بیئروں اور عملے کے رویے میں بھی ایک عجیب قسم کا تمسخر اور رعونت آ چکی تھی۔ جب میں لائن میں لگ کر کھانا لینے جاتی، تو وہ جان بوجھ کر باسی اور جلی ہوئی روٹیاں میری پلیٹ میں پھینکتے اور آپس میں آنکھیں مٹکاتے تھے۔

ایک جمعرات کی شام جب میں کھانا لینے گئی، تو سالن میں سے مٹی کے تیل کی شدید بدبو آ رہی تھی۔ جب میں نے کاؤنٹر پر کھڑے ملازم سے کہا " :بھائی، اس سالن میں تو تیل ملا ہوا ہے، یہ کیسے کھایا جائے؟ "تو اس نے آگے سے بدتمیزی سے کہا " :باجی !یہ سرکاری ہوسٹل ہے، کوئی فائیو سٹار ہوٹل نہیں ہے۔ اگر نخرے دکھانے ہیں تو اپنے باپ کے گھر !"جا کر کھاؤ، یہاں یہی ملے گا

ارد گرد کھڑی لڑکیوں کے چہروں پر ایک دبی دبی ہنسی دوڑ گئی۔ میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ میں نے کھانے کی وہ گندی پلیٹ وہیں کاؤنٹر پر چھوڑی اور تیز قدموں کے ساتھ میس ہال سے باہر نکل آئی۔ اس رات میں نے قسم کھائی کہ چاہے بھوک سے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے، میں اس ذلت کی میس کا ایک دانہ بھی اپنے حلق سے نیچے نہیں اتاروں گی۔

ہما پریتاتا ۔ کاش کے میں گھبرا آئی نہ ہوتی اکیلی ، کاش کے وہ ساتھ ہوتی تو مجھے یہ حقیقت معلوم نہ پڑتی ۔ یہ بہت تکلیف دہ سر اذری تھا کہ سچ ۔ میرا دوستی والا مان خاک ہوا ۔ پھر میں نے ہر چیز پر پیچھے نظر ڈالی ۔ اور سمجھو آیا کہ یہ تو واقع ہی وہی کرنے والی تھی ۔ پھر سمجھ آیا کہ مجھ پر جو الزامات لگے ۔ جو ذلیل ہوئی میری جو مجھ پر کیچڑ اچھلا جو باتیں ہوئیں جو مجھ پر جو مجھ سے چھینا جن نفرتوں کا میں نے سامنا کیا ان سب چیزوں کے پیچھے یہ تھی ۔ بہت سے حادثوں سے میں برا سمجھ اس لئے ہیں برے دور سے برے وقت سے ش لئےں اچدن حالات سے گزارا مجھ رجاء نے ۔ سکن ہے سب سچ کھلنے کے بعد میں نے اسے آج تک بددعا نہیں دی ۔ بس و ہی نمازوں میں بیٹھ کے میں روتی تھی روتی تھی جب مجھ پتہ نہیں تھا ۔ پتہ چلنے کے بعد میں اس کے لئے نہیں روتی نہ کوئی دعا نہ بددعا دی ۔ صرف اتنا کہ اللہ بیش انصاف کرنے والا ہے ۔ اور اس کی پکڑ سخت ہے ۔ میں اسے کچھ نہیں کہتی ۔ اور آج تک نہیں کہا ۔ جبکہ میرے پاس بھی بہت کچھ ہے سین نہیں ۔ اللہ بیش ان انصاف کرنے والا اور بدلہ لے والا ہے۔ میں اگر اس کے مقابلے میں آؤ اور وہی کچھ کرو جو اس نے میرے ساتھ کیا تو کیا فرق رہے گا مجھ

میں نے ڈر ہی چھڑ دیا۔ دل دماغ سے ہی نکال دیا۔ کہ کوئی تھی بھی یا نہیں ۔ اب میں بدلہ لیتی تو کتنا برا کر پاتی ۔ اسکے ساتھ بہت کم تھا۔ اس لیے میں نے اس انشاً تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ اور اُتار دیا زمین پر نظر سے دل سے اور دماغ سے ۔ میں سوچنا بھی نہیں چاہتی اس کے بارے میں ۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کے وہ لوگوں کی کمزوریاں رکھتی ہے ۔ اور پھر انہیں بلیک میل کر کے پیسے لیتی ہے ۔ مجھے آج تک پتہ نہیں چلا کہ مجھے مجھ نظر کیوں نہیں آیا۔ میرے سامنے ہمیشہ معصوم اور رونے والی اس حد تک خطرناک تھی ۔ میرے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ جس بھی آدمی کو ڈیٹ کر رہی اس کی کمزوریاں اپنے پاس رکھتی ان کے سکرین شارٹس ، مئے سیج ز تاکہ جب وہ اسے پیسے دینے سے انکار کریں تو انہیں بلیک میل کر سکے کہ تمہاری بیوی کو دکھا دوں تمہاری بیٹی کو بھیج دوں گی ۔ س کو اپنے حساب سے ایڈٹ کر کے ان کو بلیک میل کرتی اور اس سے بچت لگاتی ۔ اتنی جال باز تھی ۔ مجھے کبھی یہاں تک کہ یہ تو یوں کی ح نےئ پتہ نہیں چلا ۔ یہ مجھے ہمیشہ معصوم اور بھولی ملی ۔ قابل رحم اور قابل ترس لگتی تھی ۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ ان سب کے ساتھ ساتھ وہ ایکسٹرا میرئیل افیئر میں بھی ہے ۔ اور آج بھی وہ اسی طرح ایکسٹرا میرئیل افیئرز میں ہے ۔ میں نے عورت کا یہ چہرہ پہلی بار دیکھا ۔ مجھے بھی کوئی ایسی لگی ہی نہیں کہ عورت حد میں اس حد تک گر سکتی ہے ۔

لیکن انسانی جسم کو زندہ رہنے کے لیے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ تین دن تک صرف پانی اور کینٹین کے دو بسکٹوں پر گزارا کرنے کے بعد جب میری آنکھوں کے آگے فاقوں کی وجہ سے پیلے اور نیلے دائرے ناچنے لگے، تو کمرہ نمبر بیالیس نے ایک بار پھر اپنی مشترکہ بقا کا منصوبہ بنایا۔

ہم نے اپنی جیب خرچ سے بچائے ہوئے چند سو روپے جوڑے اور صدر بازار سے ایک چھوٹا کیمپنگ گیس سلنڈر، ایک چھوٹا سا توا اور دو کلو فائن آٹا خرید لائے۔ یہ سامان ہوسٹل کے اندر لانا کسی بارود کے ڈبے کو سمگل کرنے سے کم خطرہ نہیں تھا۔ سارہ نے اپنے بڑے شال کے اندر سلنڈر چھپایا، صبا نے آٹے کی تھیلی اپنے کپڑوں کے نیچے دبائی اور میں نے دربان کی توجہ بٹانے کے لیے اس کے سامنے اخبار کھول کر ملتان کے سیاسی حالات پر بحث شروع کر دی۔

رات گیارہ بجے جب پورے عائشہ ہال میں سناٹا چھا جاتا اور کوریڈورز کی بتیاں مدہم کر دی جاتیں، ہمارا کمرہ ایک خفیہ نانبائی خانے میں تبدیل ہو جاتا۔ دروازے کے نیچے گیلے کپڑے رکھ دیے جاتے تاکہ دھوئیں کی ہلکی سی لکیر بھی باہر نہ جائے۔

انزہ ایک پلاسٹک کے پیالے میں آٹا گوندھتی، میں اپنے بیڈ کی چادر پر بیٹھ کر بیلن کے بغیر ایک شیشے کی خالی بوتل سے چھوٹی چھوٹی گول روٹیاں بیلتی، اور سارہ توے پر انہیں سینکتی۔ روٹی کی خوشبو جب کمرے کے حبس میں پھیلتی تو ہمیں لگتا کہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ پیاز اور ہری مرچ کی چٹنی کے ساتھ وہ گرم روٹی کھاتے ہوئے ہماری آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔

ایک رات بدقسمتی سے سلنڈر کی نوزل سے گیس کی تیز بو باہر نکل گئی۔ ڈیوٹی آیا نے زور زور سے ہمارا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا " :کھولو دروازہ !اندر گیس جل رہی ہے، مجھے بو آ رہی ہے !ابھی وارڈن کو بلاتی ہوں!"

ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اگر پکڑے جاتے تو پانچ ہزار جرمانہ، ہوسٹل سے بے دخلی اور ابا کو کال جانا یقینی تھا۔ سارہ نے فورا مٹی کے تیل کی بوتل سے دو قطرے فرش پر ٹپکائے اور ایک پرانا لیمن گراس کا اگربتی کا بنڈل جلا دیا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو پورا کمرہ خوشبودار دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ "کیا مصیبت ہے آیا جی؟ کمرے میں اتنے مچھر ہیں کہ سونے نہیں دیتے، ہم نے مچھر مارنے کے لیے لیمن گراس اور اگربتی جلائی ہے۔ آپ کو ہر چیز میں سازش نظر آتی ہے "!سارہ نے الٹا آیا پر چڑھائی کر دی۔

آیا نے شک بھری نظروں سے کمرے کے کونوں کو سونگھا اور بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ جب دروازہ بند ہوا تو ہم فرش پر بیٹھ کر کئی منٹ تک بے دم ہو کر ہنستے رہے، مگر وہ ہنسی جلد ہی آنسوؤں میں ڈھل گئی۔ ہم مجرم نہیں تھیں، ہم چور نہیں تھیں، ہم صرف اس معاشرے میں عزت کے ساتھ دو لقمے روٹی کھانے کی کوشش کر رہی تھیں جس نے عورت کے رزق پر بھی پہرے بٹھا رکھے تھے۔

یقتعر حسد ایک ایسی چیز ہے انسان کرتا تو دوسروں سے ہے لیکن اس حسد کی آگ میں خود جلتا ہے ۔ میرے اتنے روز مزے سے ح نے لس ہونا ، میری سے ح نے لس ہونا ۔ میرے فرینڈ سرکل سے ح نے لس ہونا ۔ ہر چیز سے حسد کرنا ۔ یہاں تک کہ میں جب ڈانسر سے ہمئےن ا ٹائٹس کا علاج کروا رہی تھی ۔ یہ اس سے پاس پہنچ گئی کہ میرا علاج یہ کروا یہ پرے میں اس کے ساتھ رہے گی ۔ جب میں چیک اپ کے لئے گئی تو ڈاکٹر نے میرا معائنہ نہ کیا ۔ اور کہا کہ میں کسی روڈ الٹر سے چیک اپ کرواؤ ، میں نے ڈاکٹر چینج کر لیا ۔ یہ ہر اس انسان کے ساتھ فزیکل ہوتی تھی ۔ جہاں میری کُوز کو ہوتی تھی ۔ جہاں اس کو پتہ ہوتا تھا کہ میری عزت ہے ۔ اسی کو مجھ سے دور کر دیتی ۔ یہاں تک کہ میری یونیورسٹی کی دوستوں کے بھی میرے خلاف کان بھری تھی ۔ اقصیٰ قاسم کو اس نے میرے بود یہ جانے کسی باتیں کی ۔ اس کی اور میری دوستی بہت گہری تھی اور آج بھی پہلے دن جیسی ہے ۔ سنے کس آج تک اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا ۔ پتہ چلنے کے بعد میں نے اسے بتایا تو اقصیٰ نے مجھے بتایا کہ اس نے مجھے بھی بہت باتیں کی تھی کہ تم اس سے دور ہو جاؤ اور بھی بہت باتیں کی ۔ اور تمہارے موبائل کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی تھی ۔ مجھ اتنی حرکتیں اور باتیں اچھی نہیں لگی تھی ۔ لیکن میرا خیال یہی تھا کہ تم ہوسٹل میں ہم بھی چاہتی ہیں تو یہ دوست ہے ضرورت پڑتی ہے دوستوں کی ۔ باہر اندر آنا جانا پڑ جائے تو ایک دوست لازمی ہو ۔ میں نے اس سے تمہیں نہیں بتایا تھا نا ۔ کہ تمہارا دل اس سے بدظن نہ ہو۔ پھر اس نے میرے پورے خاندان میں رولا ڈالا ۔ میرے پھوپھو کے شوہر نے بتایا کا کوئی پیسے دینے لاہور جانا تھا ۔ اور میں نے بھی لاہور کمپنی میں اپلائی کیا ہوا تھا ۔ میں خواب کے بارے میں معلومات راستے پھوپھو کے شوہر سے بھی لیتی رہتی تھی۔ تو

ایک دن میں کھڑی تھی اس کا مئے سج آیا کہ میں لاہور جا رہا ہوں تم نے کہا تھا کہ تمہارا بھی انٹرویو ہے تو کس لیے جانا ہے تم نے ۔ میں نے بہانہ جانا ہے سنے کس ابھی نہیں ۔ پھر کنفرم نہیں ہے ۔ میں نے رجاء کو بتا یا کہ ایسے ایسے مئے سج آئے ہیں ۔ پھوپھو کے شوہر کے وہ لاہور جا رہا ہے۔ تو رجاء نے کہا کہ تم اسے کہو ہم چلتی ہیں ۔ کہو میری ایک دوست ہے وہ بھی ساتھ چلے گی ۔ کمپنی میں جاؤں گی ۔ میں نے کہا کہ نہیں ہمارا بے غیر کا مسئلہ ہے ۔ میں یہ نہیں کر سکتی ہم دو میں دونوں چلیں گی ۔ جب انٹرویو کی کال آئے گی ۔ میں ایسے ہی کے ساتھ ہیں جاسکتی ۔ میں نے اسے منع کر دیا ۔ اگلے دن وہ مئے سج ز میں مجھ یہ کہہ رہے تھے کہ میں لاہور جا رہی ہوں ۔ میں

با میں پسحیران کہ یہ کیا ہے میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی جس کی وجہ سے بتانا بنتا ہو ۔ اس ٹائم پہ میرے بھائی اور رجاء کی آت چل رہی تھی کہ جب یہ ملتان آئیں گی اور لاہور فلائنگ کی تو میں پکڑوا دوں گی ۔ جب میں ملتان پہنچ گئی مجھے پتہ مجھ میری امی کی کال آئی کہ یہ کیا مسئلہ ہوا ہے ۔ گھر کا ماحول بہت خراب ہو رہا ہے ۔ کیا کیا ہے تم نے لاہور جا رہی تھی ۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیا تماشا ہے ۔ میں ٹھٹک آ جلی تھی ۔ میری امی نے بتایا کہ رجاء نے کہا ہے کہ یہ بھی لاہور سے بھاگے گی تو میں پکڑوا دوں گی ۔ لیکن اب وہ کہہ رہی ہے کہ میرے بندے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تو میں ادھر جا رہی ہوں ۔ گھر واپس آئیں ہمیں پکڑواؤ جبکہ میں ہوسٹل بیٹھی تھی ۔ کسے پکڑواتی مجھے ۔ دوستی کا ہر پہلو قابل تعریف ہے ۔ لیکن حاسد کی دوستی کا پہلو قابل غور ہے ۔ نہ کہ دوستی کے رشتے میں اتنی منافقت کہ بعد میں مجھ شیئر خود کا وجود پر ہو آنا جب یہ میرے ساتھ ہوتی تھی تو اکثر مجھے بتائے بغیر آؤٹ آف سٹی جاتی تھی ۔ اب والے کے جز سے اسے شوہر پر جادو ٹونے کرواتی تھی ۔ اس سے اس کی مت ماری ہوئی تھی ۔ کہ جہاں یہ مرضی اس کا شوہر اسے پکڑنے آتا لیکن کہتا کچھ نہیں تھا ۔ کئی بار اس نے اس کے موبائل پکڑے جس سے چوری رکھے ہوئے تھے ، کئی بار اس کو آنکھوں سے دیکھا سن کیا کچھ نہیں تھا ۔ ہم سب لڑکیاں کہتی تھی کہ یہ بندہ کتنا اچھا ہے ۔ اور وہ خود بھی یہی کہتی تھی کہ وہ مجھے آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے ۔ پکڑ لیتا ہے ۔ لیکن مجھے چھڑے گا نہیں ۔ پھر مجھ ان لڑکیوں نے بتایا کہ یہ مجھ ساتھ لے جائے اس پر جادو ٹونے کرواتی ہے ۔ اس پہ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اسے کچھ سمجھ نہیں آئی ۔ مجھے تو آج تک نظر بد کے دم سائے بھی چور ، پیر فقیر نہ ملا اور لوگوں کو پتہ نہیں کیسے دسترست کے کوں مل جاتے ہیں ۔ کیا ملتا ہے لوگوں کے دلوں ے میں سن کو پاگل کر ۔ اس کے کئی بار مجھ پر بھی جادو ٹونے کروائے دن ٹائم یہی ہوتا ہے ، آج بھی مجھ پر رجاء وایرا کی ہے ۔ کچھ مہ ی ہوتی تھی نہ نماز پڑھنے کو دل کرتا نہ کہیں جانے کا نہ پڑھنے کا ، بس ایک جگہ سنگ تھی ۔ جسم نشہ ہو تو شا ، ٹوٹا لگتا جسم میں اتر تیل پڑ جاتا ہے۔ میرا مجھ اس کی ایک او ر دوستی تھی جس کو تیسرا ہو اپنے ساتھ رکھا تھا اس لڑکی کے ساتھ بھی وہی کیا جو میرے ساتھ کیا ۔ اس لڑکی نے پھر مجھے آگاہ کیا کہ یہ تم پر تعویز دھاگے کرواتی ہے ۔ کہیں میں نے نماز قرآن اور آیت الکرسی کثرت سے پڑھنی شروع کی تو مجھ

اثرات کم ہوئے ۔ لیکن آج بھی ڈرتا اور پس نہ پس اثر آ جاتا ہے ۔ ساری دنیا کی غلیظ عورتیں مری ہوں گی اور اس

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 8 :ملتان کی لو اور چھت کے تارے

جون کی جلتی دوپہریں، لُو کے تھپیڑے اور کائنات کا دلاسہ

خلاصہ :ملتان کی قیامت خیز گرمی، چھیالیس ڈگری میں بارہ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ، ہوسٹل کی چھت پر رات کے وقت بستر بچھانا اور کائنات کی وسعتوں میں اپنے وجود کا راستہ تلاش کرنا۔

◆ ◆ ◆

جب مئی کا اختتام اور جون کا آغاز ہوا تو ملتان کا شہر آتش کدہ بن گیا۔ سورج صبح سات بجے ہی آگ برسانا شروع کر دیتا تھا، اور بوسن روڈ پر لُو کے ایسے بگولے اٹھتے تھے جیسے صحرا کی جلتی ہوئی ریت انسان کی کھال ادھیڑنے کے لیے دوڑ رہی ہو۔ عائشہ ہال کی پرانی لال اینٹوں والی عمارت اس گرمی میں تنور کی طرح دہکنے لگی تھی۔

اور اس پر ستم یہ کہ ملتان کی بجلی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ دن میں بارہ سے چودہ گھنٹے بجلی غائب رہتی تھی۔ کمرہ نمبر بیالیس کی چھت اتنی نیچے تھی کہ دوپہر کے وقت پنکھا اگر چلتا بھی تو وہ ہوا دینے کے بجائے تندور کی بھاپ ہمارے سروں پر پھینکتا۔

امتحانات سر پر تھے اور سمسٹر کے فائنل پیپرز کی تیاری کرنی تھی۔ پسینہ پلکوں سے ٹپک کر نوٹس کے سفید کاغذوں پر گرتا تو نیلی روشنائی پھیل کر داغ بن جاتی۔ ہم چاروں لڑکیاں گیلے تولیے اپنے سروں پر لپیٹ کر پڑھنے کی کوشش کرتیں، لیکن دس منٹ کے اندر وہ تولیہ سوکھ کر اینٹ کی طرح سخت ہو جاتا۔ گرمی کی شدت سے سر کی رگیں پھٹنے لگتیں اور ناک سے نکسیر پھوٹ پڑتی۔

دوپہر کے وقت ہوسٹل کا ہال کسی ہسپتال کے مردہ خانے جیسا لگتا تھا جہاں بیسیوں لڑکیاں نیم بے ہوشی کے عالم میں فرش پر الٹی پڑی ہوتیں، ہاتھ میں گتے کے پنکھے لیے بے بسی سے سانسیں کھینچ رہی ہوتیں۔

حسد تناایک نے جنم لیا ہوگا ۔ اتنی گھٹیا کوئی عورت کیسے ہو سکتی تھی ۔ خدا تو اعتبار اٹھ گیا ہے لڑکیوں کی دوستی سے اور حاسد ۔ ا اندر کوئی کیسے سجا ہے ، خود کو آگ میں جلانا دوسروں کی خوشیوں سے جلتے رہنا ۔ کیا ضرورت ہے ۔ دوسروں کی زندگیوں میں اس قدر کی گھس کر کیا ملتا ہے ۔ اپنی آخرت ہی خراب کرنی ہے نا کسی اور کا کیا جاتا ہے جن کے ساتھ برا کیا جائے تو وہ لوگ زندگی میں کبھی نہ کبھی سن ئےن ل ہو ہی جاتے ہیں ۔ ان کی زندگیوں میں سکھ مل ہی بھی جاتا ہے ۔ اللہ ان لوگوں کو رنگ بھی لگا دیتا ہے ۔ حاسد کو کیا ملتا ہے ۔ حاسد نہ دنیا میں کسی کو اپنا بنا سکتے ہیں اور نہ ان کی آخرت ہوتی ہے نہ قبر کو اپنا بنا پاتے ہیں ۔ مجھے اپنی زندگی میں اچھے برے سب لوگ ملے ہیں ۔ لیکن رجاء مصطفیٰ جیسی غلیظ ، حاسد ، احسان فراموش ، جلن رکھنے والی شاید پہلی عورت ہے ۔ اس سے زیادہ بے باک میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی ۔

گھٹیا ہونے کے اعلیٰ مقام پر ہے یہ عورت ماہ6 تھے ئے لگا ماہ8 ۔ میں نے ایک آرٹیکل لکھا تھا ۔ پاکستان کے اندرونی معاملات ۔ کرنا تھا اور اس آرٹیکل کو لکھنے میں مجھے میں نے میٹریل اکٹھا کیا ۔ اور دو ماہ لکھنے میں لگائے وہ آرٹیکل میں نے دو دن بعد پ ن لس ۔ اور رکھا میں نے اس کے سافٹ کاپی

اپنی پین ڈرائیو میں ہی تھا ۔ تو میں دن میں نے پ ن لس کروانے کے لئے اسے اٹھانے لگی وہ آرٹیکل تو کہیں نظر نہ آئے ۔ میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے ۔ کہ میری آٹھ ماہ کی محنت اور کیا کیا ۔ پورا کمرہ چھان مارا کہیں نہیں ملا ۔ لیکن وہ آرٹیکل کہیں نہیں تھا ۔ اس دن بھی بہت روتی تھی کیونکہ میرا وہ آرٹیکل بہت ہٹ جانا تھا ۔ وہ آرٹیکل مجھے اپنی زندگی میں بہت کچھ دیتا ۔ مجھ سمجھ نہیں آرہی تھی ۔ میں میں نے وضو کر کے جائے نماز کا کوئی ٹائم نہیں تھا ۔ لیکن دل بھاری تھا ۔ یہ اللہ کے سامنے بیٹھ کے روتی ہو ۔ شاید کوئی رکھ جائے جس نے اٹھایا ہے جب میں وضو کر کے گئی تو وہ آرٹیکل چھٹے چھٹے ٹکڑوں میں پھاڑ کے کسی نے فلش میں بہایا ہوا تھا ۔ فلش میں بہانے والی کوئی اور نہیں رجاء مصطفیٰ تھی ۔ اس کے حسد کا بول عیاں ہے ۔ آج تک صرف میری توجہ میں ملی رہتی ہے ۔ کیا فائدہ ملا آرٹیکل ضائع کرنے کا ۔ کروا لیتی ۔ مجھے کہیں بھی دکھ نہ ہوتا ۔ فلش میں نہ بہاتی ۔ اور اس ایک آرٹیکل کے بدلے میں نے ایک کتاب لکھی ۔

اپنے نام سے پ ن لس اللہ تعالیٰ نے جو چیز آپ کو دینی ہے ۔ وہ دے کے رہے گا ۔ اور اس سے بہت عطا کرے گا ۔ کوئی آپ کی عزت سے کہنے ہی وار کرے جب تک اللہ نہ چاہے ۔ آپ سے وہ عزت کوئی چھین نہیں سکتا ۔ کیا ملا میرے گھر والو کو بدگمان کر کے مجھ سے ۔ میں مضبوط ہو گئی ۔ مجھے دنیا کی سمجھ آگئی ۔ مجھے رشتوں کی سمجھ آگئی ۔ مجھے لوگوں کو پرکھنے کی سمجھ آگئی ۔

جب رات ہوتی اور کمروں کے اندر کی ہوا مکمل طور پر زہریلی اور دم گھوٹنے والی ہو جاتی، تو عائشہ ہال کا واحد نجات دہندہ ہوسٹل کی وسیع و عریض چھت تھی۔ رات کے دس بجتے ہی سینکڑوں لڑکیاں اپنی چادریں، تکیے اور کتابیں اٹھائے چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگتیں۔

چھت کے کچے سیمنٹ کے فرش پر جب پائپ سے ٹھنڈا پانی چھڑکا جاتا تو مٹی کی ایک جادوئی، سوندھی خوشبو اٹھتی جو روح کو تروتازہ کر دیتی۔ ہم سب اپنی چارپائیاں یا چادریں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بچھا لیتیں۔ رات کے پچھلے پہر جب صحرا کی لُو تھمتی اور آسمان پر ملتان کے دھندلے، چمکتے ہوئے تارے طلوع ہوتے، تو ایک عجیب سا سکون اس فضا کو اپنے گھیرے میں لے لیتا۔

میں اکثر چھت کے انتہائی کونے پر جا کر منڈیر سے ٹیک لگا لیتی۔ نیچے دور ملتان شہر کی بتیاں، کینٹ کے بنگلے اور نشتر ہسپتال کے ٹاورز نظر آتے تھے۔ اوپر آسمان کی لامحدود وسعتیں پھیلی ہوئی تھیں جہاں کہکشائیں کسی خاموش سمندر کی طرح بہہ رہی تھیں۔

اس خاموشی میں، جب سارا ہوسٹل گہری نیند کی وادیوں میں اتر جاتا، میں ان ستاروں کو دیکھتی اور اپنے وجود کے حقیر پن پر غور کرتی۔ کیا

اتنی وسیع کائنات، اتنے بے انتہا کہکشانی نظاموں کو اپنی انگلی کے ایک اشارے سے تھامنے والا میرا رب، ملتان کی اس چھت پر بیٹھی ایک بے سہارا لڑکی کے اندر کے طوفانوں سے بے خبر ہو سکتا ہے؟

نہیں !ہرگز نہیں۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اگر اس نے مجھے اس تپتی ہوئی مٹی پر کھڑا کیا ہے، تو وہ مجھے اس آگ میں جلنے کے لیے نہیں بلکہ کندن بننے کے لیے تراش رہا ہے۔

سارہ میرے پاس آ کر منڈیر پر بیٹھ جاتی اور دھیمی آواز میں کہتی :

" رجاء، جب میں ان ستاروں کو دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ انسان کے دکھ کتنے چھوٹے ہیں۔ یہ تارے کروڑوں سال سے جل رہے ہیں، لیکن پھر بھی روشنی دیتے ہیں۔ "میں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا :

" سارہ، مجھے اب کسی انسان کے انصاف کی ضرورت نہیں رہی۔ جس دن سے میں نے اس آسمان کے مالک کو اپنا وکیل بنایا ہے، میرے دل کا سارا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ ملتان کی یہ لُو میرے پاؤں نہیں جلا سکتی، یہ تو میرے حوصلے کو آگ دے رہی ہے۔"

رات کی ٹھنڈی ہوا جب ہمارے دوپٹوں کو چھوتی ہوئی گزرتی تو مجھے لگتا تھا کہ فرشتوں کے پر ہمارے سروں پر سایہ کر رہے ہیں۔ وہ راتیں دکھوں کی تھیں، مگر ان راتوں کے اندر ایک عظیم الشان فتح کا بیج بویا جا رہا تھا۔

ہیں ہے سے بھی تمہارا دل نہیں پگھلا۔ رجاء :نہیں، بس مجھے نہیں جانا۔ میں نے کہا پاگل ہے۔ مجھ سے بھی بات مت کرنا وہ وہاں ذلیل ہو ر اور تم مجھے یہاں رلا رہی ہو۔ سچ بتاؤ کون تھا وہ بندہ جو تمہارے پیچھے آیا؟ خیر رجاء نے کہا اچھا میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں مجھے مارنے نہ دینا۔ میں نے اس کے بھائی کو کال کی کہ بھائی میں لے کر آ رہی ہوں اسے ڈر ہے مارنا نہیں اسے۔ اس کے بھائی نے وعدہ کیا قسم اٹھائی۔ اسی طرح میں اسے ہاسٹل لے گئی ان سے ملوایا۔ بڑی بے رخی سے ملی۔ بیٹھی رہیں باتیں کی ۔ ہاسٹل یا قیدخانہ میں گھر کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی روتی شہزادی امی کی جان بھر دن رونے کا "شاید بھائی لے جائے ہاسٹل نہ آئے گا دس دن مجھ میں آتا یہ ہاسٹل "نہیں ن ج س ٹ ہے۔ دنوں سے گھر سے دکھی ذات تھے۔ ہاسٹل کا دروازہ میرے لیے جیل کا دروازہ تھا۔ لوہے کا گیٹ بند ہوا اور میری آزادی میر ی ہنسی میری شرارتیں سب باہر رہ گئیں۔ اندر تھی چار دیواری کچھ انجان لڑکیاں اور میں میں اکیلی تکیہ بھگو کر سوتی۔ کیونکہ ماں کی گود نہیں تھی سر رکھنے کے لیے۔ پہلی بار سمجھ آیا کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔ جب میس کا کھانا حلق سے نہ اترتا۔ پہلی بار سمجھ آیا کہ تنہائی کیا ہوتی ہے۔ جب لوگوں کے بیچ میں اکیلی تھی۔ یہاں میں نے سیکھا کپڑے دھونا اور جھاڑو برتن ہیں۔ بیمار ہوں تو خود پانی کا گلاس پکڑنا ہے۔ یہ ہاسٹل ظالم نہیں تھا۔ ہاسٹل استاد تھا۔ اس نے مجھے توڑ کر مجھے بنایا۔ اس نے سیکھا یا اکیلے جینا، اکیلے کھڑے ہونا۔ پہلے میں ڈرتی تھی ہر ایک سے میں مرد خانے میں مردوں کی طرح تان اس لڑکی سے بیوی جس نے میری زندگی کی سمت بدل دی۔ اس کا نام تھا رجاء مصطفیٰ۔ میں سمجھتی تھی دوست ملی ہے۔ لیکن پتا نہیں تھا کہ یہ میری کہانی کی 'ولن 'ہے۔ اس نے خود میری طرف دو

ستی کا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بھی ہاتھ دے دیا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ میرا ہاتھ کاٹ کھائے گی ✦ بہانہ کا جاب ہاسٹل کی دوسری لڑکی نکلی مل رہا تھا، کیمپس میں گھٹن تھی۔ رجاء میرے بیڈ کے ساتھ والے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ آنکھیں سوجی ہوئی۔ دوپٹ بار بار آنکھوں پر رکھ رہی تھی۔ بولی " :رجاء میں بہت پریشان ہوں۔ گھر والے خرچہ نہیں دے رہے۔ تم جہاں جاب کرتی ہوں میری بھی وہیں کروا دو؟ نا۔ تنخواہ کم بھی ہو گی تو چلے گا۔ بس

ٹیکو کہیں میں نظر عزت سے دو وقت کی روٹی کھا لوں گا "مجھے ترس آ پتہ کیا مجھے "آئی تو vacancy گیا۔ میں نے کہا "اچھا رجاء !اگر میری تمہیں ضرور بتاؤں گی۔ تھا کہ وہ نوکری نہیں میری زندگی مانگ رہی تھی۔ - :سایہ بن گئی :- روز میرے کمرے میں آنے لگی۔ دروازہ کھٹکھٹا کر کہتی رجاء میرے ساتھ باہر چلو گی یا تم باہر جاؤ تو مجھے لیتی جانا۔ مجھے بہت شوق ہے گھومنے پھرنے کا، میری کوئی دوست بھی نہیں ہے۔ اس ہاسٹل میں جس میں کمرے میں پڑی رہتی ہوں۔ کمرے سے نکلی نہیں ہوں کئی دنوں۔ میں اس کا درد سن کر اسے دیکھنے لگی تو نقاب نہ کرپاتی میں اسے ہر جگہ ساتھ لے جاتی۔ یونیورسٹی میں کبھی یونیورسٹی کی دوستوں کے ساتھ اسے بھی ساتھ لے جاتی۔ ہر جگہ میں اسے ساتھ لے جاتی۔ اسے میں نے اوڑھنے کا ڈھنگ نہیں تھا۔ میں نے اپنے نئے سوٹ دیےک اپنے جوتے جیولری پہنے لئے کہ اس کے ہنڈے کپڑے تھے۔ ے اور نہ ہی میں نے اسے کبھی چھٹا محسوس کروایا اُس کہتی کے پاس جو ہے پہن لو پھر یہ جو اٹھا لا لو استعمال کروا میں نہ پہننے دیے لو۔ میں کھانا بناتی تو اس کو ہاتھ سے کھلاتی۔ کیمپس سے روم آیا۔ اسے ڈریسنگ ٹیبل دیا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ میں بہن (انسان)بنا رہی ہو وہ مجھے ہی کاٹنے والا سانپ بن رہا ہے اعتبار کا زہر اس نے میری روم میٹ سے لڑائی کر لی اور چیخ کر بولی " :رجاء میری دوست ہے۔ میں اس کے ساتھ شفٹ ہوں گی میں رجاء کے ساتھ رہوں گی۔ تم کہیں اور شفٹ ہو جاؤ بیچاری عائشہ رو پڑی، میں نے دونوں کو سمجھایا پر رجاء بضد تھی۔ آخر اس نے مجھے اپنا روم چھڑ دیا۔ پھر رجاء مستقل میرے کمرے میں، میری زندگی میں مستقل شفٹ ہو دن کے لیے گھر جا رہی ہوں۔ "وہ لپٹ گئی۔ آنکھوں میں4 - 3 گئی۔ کچھ دن بعد میں گھر جانے لگی۔ میں نے کہا کہ رجاء میں آنسو بھر کر بولی " :رجاء میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟ " میرا دل نہیں لگنا پلیز مجھے ساتھ لے جاؤ۔ تم اتنی اچھی ہو تو تمہارے ماں باپ کتنے اچھے ہوں گے؟ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ چلو میں تمہاری سہیلی بن جاتی ہوں۔ نہ ماں باپ سے ملنے نہیں دے گی۔ تمہارے ماں باپ کے ساتھ بیٹھو گی تو دل بہل جائے گا۔ "میں اندھی اندھی ہو گئی۔ شرم آئی سوچا میرا گھر روالے کیا کہیں گے؟ اتنی فالتو لڑکی ہے۔ سیدھا گھر تک آگئی؟ اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں؟ رجاء اگلی بار لے جاؤں گی۔ ابھی شادی ہے فیملی میں تو روٹھنا نہیں ہے۔ ہمیں "پروہ باز نہ آئی ضد پکڑ لی نہیں پلیز مجھے لے جاؤ۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 9 :دوستوں کے نقاب اور مخلص چہرے

منافقت کی پرکھ اور چند سچی پناہ گاہیں

خلاصہ :یونیورسٹی کی کشمکش میں خود غرض سہیلیوں کے اصلی چہروں کا بے نقاب ہونا، اور صبا، سارہ، انزہ اور مومنہ کی غیر مشروط وفاداری کا ثبوت۔

◆ ◆ ◆

انسان کے کردار اور اس کے رشتوں کی اصلیت کبھی بھی اچھے دنوں میں سامنے نہیں آتی۔ جب آپ کے پاس وسائل ہوں، پوزیشن ہو اور ہر طرف سے تعریفوں کے پھول برس رہے ہوں، تو دوستوں کا ایک جم غفیر آپ کے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتا ہے۔ لیکن جیسے ہی آپ کے گرد آزمائش کا گھیرا تنگ ہوتا ہے اور زمانے کی انگلیاں آپ پر اٹھنے لگتی ہیں، وہ سارا ہجوم ایسے غائب ہوتا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

یونیورسٹی کے چوتھے سمسٹر تک پہنچتے پہنچتے میرے گرد کلاس فیلوز کا سارا منافق غول چھٹ چکا تھا۔ وہ لڑکیاں جو کبھی امتحانات سے پہلے میرے نوٹس کی فوٹو کاپیاں کروانے کے لیے کمرہ نمبر بیالیس کے باہر گھنٹوں خوشامدیں کرتی تھیں، اب ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین میں مجھے دیکھ کر اپنے چہرے دوسری طرف موڑ لیتی تھیں۔

ایک دن ریسرچ میتھوڈولوجی کی کلاس کے بعد جب میں ڈیپارٹمنٹ کے لان میں اپنی اسائنمنٹس سمیٹ رہی تھی، میری کلاس فیلو نادیہ اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ پاس سے گزری۔ میں نے بے ساختہ آگے بڑھ کر کہا : "نادیہ !سنو، کیا تمہارے پاس ڈاکٹر طاہر کے گزشتہ لیکچر کے نوٹس ہیں؟ "نادیہ نے مجھے ایسے گھورا جیسے میں کوئی اچھوت ہوں۔ اس نے تیزی سے اپنے بیگ کا زپ بند کیا اور سرد لہجے میں کہا " :دیکھو رجاء !تم سے اب زیادہ بات چیت رکھنا ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔ ہوسٹل میں جو باتیں تمہارے بارے میں چل رہی ہیں، اگر ہمارے گھر والوں کو پتہ چل گیا کہ ہم تمہارے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہیں تو وہ ہماری یونیورسٹی بند "کروا دیں گے۔ پلیز، تم اپنے کام سے کام رکھا کرو۔

وہ چلی گئی اور میں کوریڈور کے ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی رہ گئی۔ اس کے الفاظ کسی خنجر کی طرح میرے دل کے پار اترے تھے۔ جن لڑکیوں کے ساتھ میں نے لائبریری میں کینٹین کے سموسے بانٹ کر کھائے تھے، ان کا مان اور محبت ریت کی دیوار سے بھی زیادہ کمزور نکلی۔

جب بعد دن2 تھی ہیکیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے ابھی تک؟ "اعتبار" کا وہ لفظ وہ میرے دل میں خنجر کی طرح اترا۔ میں ہار گئی۔ تیاری کی کر ر تو وہ سر پر کھڑی تھی۔ بولی راستہ نہ تھا۔ میں نے سیاہ کو گلے لگایا۔ چلو"۔ لیکن وہ خیال سے ڈرنا تم تو کوئی بات نہ کرنا پہلے سے رہنا۔ بولی" رجاء میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔ "یوں میں اسے گھر لے " : آئی۔ حالانکہ میرا دل نہیں مان رہا تھا۔ گھر والوں سے مجھے شرم آ رہی تھی مجھے خود عجیب لگ رہا تھا۔ لیکن میں نے امی کو بتایا کہ میری دوست ساتھ آ رہی ہے تو امی نے کہا اچھا بیٹا کوئی بات نہیں، آجاؤ تم لوگ۔ بار بار فورس کر رہی تھی اور میں اعتبار کے نام پر بلیک سال کا علم اور خنجر :- کچھ دن بعد ہاسٹل میں اس کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ میں روتے9 - :2 میل ہو گئی۔- :باب لڑتے اسے روز قریبی نزدیک کسی ہسپتال میں لے گئی۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ اور چیک اپ کے بعد

بولا " :آپ شادی شدہ ہیں؟ "وہ گھبرا گئی میں نے کہا " :نہیں ڈاکٹر صاحب اس کی شادی نہیں ہوئی۔ "ڈاکٹر نے مجھے کہا باہر جاؤ میں نہیں گئی رجاء نے کہا یہ میری بہن ہے۔ آپ بتائیں کیا مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر کاش دور بھی ساتھ تھیں۔ ڈاکٹر بولا " :رجاء تم اکیلی آنا کل کسی کو ساتھ مت لانا مجھے ضروری بات کرنی ہے۔ کل آپ کا دوبارہ چیک اپ ہو گا ضرور آنا رجاء اپنا چیک اپ کے لیے۔ "اگلے دن طبیعت بہتر تھی ڈاکٹر کے پاس نہ گئی۔ ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک مہینے بعد بولی " :رجاء میرے منہ کا ذائقہ بدل گیا ہے طبیعت عجیب ہے۔ "میں نے پوچھا "کیا مطلب؟ " سر جھکا کر سال سے اس کے ساتھ ریلیشن شپ میں ہوں۔ میں تم سے9 لیبو "میں رات کو گھر نہیں آئی۔ ایک لڑکے کے پاس جاتی ہوں۔ میں : سال؟ اور9 جھوٹ کہا یہ یہاں میرا بھائی ہے روز میں گھر جاتی ہوں۔ وہ گھر اُسی کا ہے۔ میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ تم مجھے رات بتا رہی ہو؟ "میں نے کانپتی آواز میں کہا۔ "یہ کلینک ٹیسٹ کرواؤ۔ جو علامات تم مجھے بتا رہی ہو نا۔ وہ سب پریگ نینسی کی ہیں۔ "رجاء نے کہا "نہیں پتہ "!میں نے بتایا "یہ جب میری چھٹی محل ٹیوٹنا دن ان کے ساتھ یہ سب ہی ہوتا ہے جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ "کہا " :ڈپ ے یو لے گی حاملہ ہو "ماہ ہو2 بعد دن دوسرے ڈاکٹر کے پاس گئی اس ڈاکٹر نے ٹیسٹ کر کے بتایا کہ آپ حمل ہوئے گئے ہیں۔ وہ روتے ہوئے میرے پاس آئی۔ میں نے کہا " :رجاء یہ تم نے کیا کر دیا ہے کس نے ڈانٹا اسے تھوڑا احسان جتایا کہ تم نے غلط کیا ہے رجاء میں اس چیز میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔ "میں نے پھر بھی نرمی سے سمجھایا کیونکہ وہ مجھ سے بڑی

لیکن کائنات کا یہ اصول ہے کہ جب جھوٹے چہرے آپ کی زندگی سے دور ہوتے ہیں، تو قدرت سچے اور کھرے موتیوں کو آپ کی جھولی میں ڈال دیتی ہے۔ اسی شام، جب میں کمرے میں اکیلی بیٹھی تکیے میں چہرہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی، مومنہ اندر آئی۔

مومنہ کا تعلق ڈی جی خان کے ایک غریب مگر انتہائی شریف گھرانے سے تھا، اور وہ ہوسٹل کی سب سے خاموش اور باکردار طالبہ سمجھی جاتی تھی۔ اس نے ایک گرم دودھ کا گلاس میرے سامنے رکھا اور میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ "رجاء !تم ان بزدلوں کے طعنوں پر کیوں آنسو بہا رہی ہو؟ "اس کی آواز میں ایک ایسی شفقت تھی جس نے میرے دل کے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ "مومنہ !تم کیوں میرے پاس آئی ہو؟ کیا تمہیں خوف نہیں کہ لوگ تمہارے بارے میں بھی باتیں بنائیں گے؟ " میں نے روتے ہوئے پوچھا۔

مومنہ نے میری آنکھوں سے آنسو پونچھے " :سنو رجاء !خوف ان کو ہوتا ہے جن کے اپنے دامن داغدار ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم کیسی ہو۔ جو لڑکی رات کے تین بجے اٹھ کر رو رو کر اپنے رب کے حضور سجدے کرتی ہو، ملتان کی کوئی گھٹیا زبان اس کے کردار پر داغ نہیں لگا سکتی۔ "آج سے تم اکیلی نہیں ہو، ہم سب تمہاری ڈھال ہیں۔

پھر سارہ اور انزہ بھی آ گئیں۔ سارہ نے ہاتھ میں چائے کی پتی کا ڈبہ لہراتے ہوئے کہا " :لو بھئی !دنیا جائے بھاڑ میں، ہم تو اپنی چائے پیئیں گے اور کل کے سیمینار میں امِ رباب کے گروہ کو ریسرچ کے سوالات سے لاجواب کریں گے"!

اس رات مجھے سمجھ آیا کہ زندگی میں سینکڑوں منافق دوستوں کے ہجوم سے وہ تین سچے دوست ہزار گنا بہتر ہیں جو اس وقت آپ کا ہاتھ تھامیں جب باقی دنیا آپ پر انگلیاں اٹھا رہی ہو۔ سچی دوستی وہ پناہ گاہ ہے جو پردیس کے ہر طوفان کا رخ موڑ دیتی ہے۔

تھی، میں نے کہا " :اس لڑکے کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ تم سے نکاح کرے۔ "وہ اس لڑکے کے پاس گئی۔ اس نے نکاح کا ٹال مٹول کر دیا۔ کہ ابھی ابارشن کرواؤ بعد کرتے ہیں نکاح۔ اس نے اس کو گندی دوائیاں کھلا کھلا کر قے کر دی بچہ گرانے ہزار منہ پر20 – 30 طبیعت کی دن گزر گئے دوائیاں کھاتے کھاتے پر رجاء زیادہ خراب ہونے لگی۔ وہ20 کشمکی۔ کچھ ان کے مار کر بولا " :ابارشن کرواؤ۔ میں جا رہا ہوں " اور چلا گیا۔ پھر یہ پاس میں آئی۔ اور روتی رہی۔ اس رات وہ خود کرنے لگی تھی۔ چھری اٹھا کر اپنی نبض کاٹ رہی تھی۔ میں آئی دیکھا چھین کر اس سے چھری چھینی اسے گلے لگا کر بولی "پاگل جان مت دو۔ میں ہوں نا "!میں نے اپنی ایک دوست ڈاکٹر عمارہ سے مشورہ لیا۔ اور کہا تم خود بات کرو اور اپنا مسئلہ بتاؤ پینی کا بچ جھوٹ جھوٹ ہے میرے سامنے ثبوت دیے ک ہیں۔ اس کا جھوٹ بھی سچ ہے کیونکہ وہ اگر دن کا چھڑ ڈاکٹر نے3 – 2 مان گئی تو پھر دیکھتی ہوں۔ اس نے ڈاکٹر سے بات کی اور وہ مان گئی دن وہ بھی بہت مشکل عالی کر کے بولا جا کہ فلاں دن آ جانا۔ پھر میں اسے ہاسٹل سے شہر لے گئی دن ٹائم اپنا وقت اپنی عزت داؤ پر لگا کر اس کا ابارشن کروایا اگلے دن سڑک پر ہسپتال کے فرش پر بٹھا کر گزارے۔ اس کی جان کی قسم !خدمت کی۔ اور انہی دنوں میں وہ میرے گھر فون کر کے میرے خلاف زہر گھول رہی تھی، جس میں بچا رہی تھی وہ مجھے برباد کر رہی تھی ✦ چاند رات کا فون عید سے چار دن پہلے اس کا ابارشن ہوا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ ہونٹ سفید بولی " :رجاء گھر والے بلا رہے ہیں۔ کہی ہمہ رہے ہیں گھر آجاؤ ہم نے آئیں گے اس بار میں نے ابارشن کروایا ہے، عید سے پہلے اب گھر پر میری طبیعت خراب ہو جائے اور مجھے گھر والے کچھ تا تو ان دنوں کو بچانے چل جانا، ٹینشن نہ لیا جان جھوٹ گئی "20 ✦ اپنوں سے رسوا یہ چہرہ ہے یہ بھی نظر آنے لگتا ہے جو اس کے چہرے کی کھلی رونق یہی اس کو کھا جاتا ہے اور پھر اس میں بھی ہمیں فورس کیا جا رہا ہو تا ہے کہ ہر ٹائم تمہارا رونا بنا رہتا ہے- چہرے پر مسکراہٹ رکھو۔ جب والدین بیٹیوں کے اندر سب دفن کر دیتے ہیں نہ وہ کہتے ہیں کہ اس پر کیسے خوش ہو جائیں۔ آپ نے تو من ہی مار دیا اب کیسے؟ عورت کے پاس، نہ مجھ پر میں نے زندگی سے ایک اپنا روز بات سیکھی کہ عورت کے پاس بہت کچھ نہ بھی ہو لیکن جو بھی اس کے اپنے ہاتھ میں ہو- اور اتنا ہو

کہ اسے کسی کا منہ نہ دیکھنا پڑے کسی کا طنز یا طعنہ نہ سننا پڑے- جہاں وہ اپنی مرضی سے خود میں خرچ کر سکے- اتنا ہو کہ خود کو خوش رکھ گرہونا چاہئے۔ independent سکے۔ لڑکیوں کو مردوں سے زیادہ

عورت کو کسی بھی رشتے پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کرے گی تو وہ ہر لڑکی ذلیل ہوگی میں نے دیکھا ہے جانا ہے کہ ا آپ بدکردار بھی ہیں گا ہیں کسی پر انحصار نہیں independent تو آپ کے پاس پیسہ ہے کرتی تو وہ پیسہ آپ کو ڈھک دے- جہاں آپ کی نمازیں نہیں ہیں آپ کو پیسہ ڈھک سکتی پیسہ ڈھک سکتا ہے ہمارے معاشرے کی ایک تلخ سوچ ہے یہ اور اگر آپ بدکردار نہیں بھی ہیں تو معمولی سی غلطی بھی آپ کی بدکرداری گنے گی آپ کے اپنوں کو کیونکہ آپ اپنے گھر والو پر ہے ئیسچا کی کرتی ہیں۔ یہی ہمارے معاشرے اور لوگوں - depend ہے ہونا سب سے independent آج کے معاشرے میں عورت کا زیادہ اہم اور ضروری- زندگی میں اگر آپ مجھ پر نہ جائیں میں تو مجھ کو چھڑ دیں- اور اگر خدانخواستہ کو خود کرنے والے ہیں تو پہلا فرض ہے جو آپ کو کرنی چاہئے۔ کیوں کہ عورت کی کامیابی ہی بتاتی ہے گواہی دیتی ہے۔ اس کے کردار کی۔ کامیابی ہی بتاتی ہے کہ عورت کیسی ہے- آپ جتنا مرضی کہہ لیں کے کہ آپ ویسے نہیں ہیں - آپ یہ ہیں کوئی اعتبار نہیں کرے گا آپ کے اپنے جب نہیں کرتے تو کوئی اور کیا کرے گا آپ کی کامیابی ہمیشہ بتاتی ہے کہ آپ کیا ہیں۔ اور کیسے ہیں - (دوسری بات جس گھر میں ماں بہنیں بہن بھائی ایک گھر میں اس کی بیٹیاں بھی عزتیں نہیں کرتی)✦ تیسری بات مایوسی کا اظہار نہیں تھا میں تھی رشتے میں آپ اڑنا سب کچھ دیں گے- مایوسی آپ کو وہیں ملے گی۔ آپ جس رشتے میں جتنا انویسٹ کریں گے۔ آپ اتنے ہی خالی ہوئے جائیں گے۔ آپ کے حصے میں کچھ نہیں آئے گا۔ لوگ یہ بھی ہیں دیکھتے ہیں کہ آپ نے ان کے لئے کیا کیا ہے- جن کے لئے آپ سب کچھ کرتے ہیں زندگی میں وہی آپ کو آپ کی خود کی نظر میں سوالیہ نشان بنا گا ئے جا effort کے چھڑ جائیں گے - اس دنیا میں کوئی بھی آپ کی ہااور آپ کی انویسٹ منٹ کو نہیں سرا چاہے وہ کوئی بھی رشتہ ہو۔ میں نے خود کو خوش رکھیں۔ اپنے لئے کریں جو بھی کریں۔ اپنے خو ابوں پر کام کریں اپنے لئے جئیں۔ اپنے لئے نہیں سوچیں خود کو خوش رکھیں یہ بہت ضروری ہیں۔ اور دنیا کو پیچھے چھڑ دیں جب آپ درد میں ہوتے ہیں۔ اکیلے پن کے آخری مقام میں پہنچے ہوتے ہیں - آپ نے اپنی زندگی کے

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 10 :اقصی کا سچ اور خاموش آنسو

ایک بہن جیسی سہیلی کی داستان اور آنسوؤں کا پیمان

خلاصہ :عائشہ ہال کی سب سے معصوم اور باصلاحیت دوست اقصی کے خاندانی المیے کا پردہ چاک ہونا، زبردستی طے کی گئی شادی کا عذاب اور دو مظلوم بیٹیوں کا درد کی سانجھ پر رونا۔

◆ ◆ ◆

عائشہ ہال کے بلاک سی میں رہنے والی اقصی میری ہوسٹل لائف کا وہ روشن ستارہ تھی جس کے چہرے کی معصومیت دیکھ کر انسان کے سارے دکھ کافور ہو جاتے تھے۔ اقصی بہاولپور کے ایک انتہائی کٹر، روایتی زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ شعبہ انگریزی ادب میں وہ گولڈ

میڈلسٹ تھی اور اس کی انگریزی شاعری پڑھ کر بڑے بڑے اساتذہ دنگ رہ جاتے تھے۔

مگر اس کی بڑی بڑی کٹوری جیسی آنکھوں میں ہمیشہ ایک گہرا، نامعلوم درد چھپا رہتا تھا، وہ درد جو ان پرندوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے جو پنجرے کی سلاخوں سے باہر اڑتے ہوئے بادلوں کو دیکھتے ہیں۔

ایک جمعہ کی شام، جب زیادہ تر طالبات ویک اینڈ منانے اپنے گھروں کو جا چکی تھیں اور پورا ہوسٹل ایک ویران قبرستان کا منظر پیش کر رہا تھا، اقصی میرے کمرے میں آئی۔ اس کے چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا اور اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں ایک خط تھا جو بہاولپور سے اس کے بڑے بھائی نے بھیجا تھا۔

وہ فرش پر بیٹھ گئی اور اس کا سر میرے گھٹنوں پر جا گرا۔ اس کے جسم میں اس قدر شدید کپکپی تھی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ "رجاء... میرا سودا ہو گیا ہے، "اس نے ایک ایسی آواز میں کہا جو انسان کے حلق سے تب نکلتی ہے جب اس کی روح پر آخری ضرب لگائی جائے۔ "کیا کہہ رہی ہو اقصی؟ کس کا سودا؟ "میں نے ہڑبڑا کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔

اس کے گالوں پر گرم آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا " :میرے تایا کے بیٹے رشید کے ساتھ میرا نکاح طے کر دیا گیا ہے۔ اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ کو وہ مجھے بیاہ کر لے جائیں گے۔" "لیکن اقصی !تمہارا تو ابھی ایم فل کا تھیسس باقی ہے !تم تو آکسفورڈ کی اسکالرشپ کے لیے اپلائی کر رہی تھیں !اور وہ رشید ...وہ تو میٹرک فیل ہے، زمینوں پر کلاشنکوف لے کر گھومتا ہے اور شراب پیتا ہے !تمہارے ابا نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا؟ "میرا غصے سے برا حال ہو گیا۔

کیا کچھ لئے کے سارے خسارے خود برداشت کئے ہیں۔ اکیلے میں سہا ہے تب سوچیں کسی نے آپ کو گلے لگا کسی نے اس کا درد بانٹا کسی نے آپ "نہیں نا "!آپ نے زندگی کے برے حالات خود دیکھیں ہیں۔ خود مقابلہ کیا ہے۔ اکیلے روئیں ہیں زندگی کی جنگوں سے تو پھر ڈریں کہ کون کیا کہے گا- خود کے لئے جئیں۔ اپنے خوابوں کے لئے جئیں۔ آپ کو کسی مقام میں لے جانے کے لئے یہ دنیا ہے۔ یہاں آپ ہر قسم کی امید رکھیں ہر طرح کی باتوں کی ظلم کی لوگ ایسے ہی ہیں۔ کبھی خوش نہیں ہو سکتے اس لئے اپنے آپ پر کام کریں۔ اپنے خوابوں کو حقیقت بنائیں۔ اپنے خوابوں کے سچ کی گونج آنے دیں۔ آپ نے آپ کو دباؤ کی زندگی سے آزاد کریں۔ ایک زندہ انسان ہیں۔ اپنی خوشیات کو خود وار ہیں کیونکہ جو آپ کے برے میں آج رکاوٹیں بن رہے ہیں۔ کل کو وہی کا کر رہے ہوں گے۔ جن کے لئے آپ قربانی appriciate آپ کو دیں گی وہ جب گزر جائیں گے تو کہیں آپ کوئی سہارا نہیں ہو گا کوئی آپ کو نہیں پوچھے گا۔ کوئی نہیں ہو مجھے گا بھائی بھی نہیں کہ تمہیں کچھ چاہئے تمہیں کسی چیز کی ضرورت میں ہے یا نہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ خالی ہاتھ رہنے سے بہتر ہے کہ آپ کی اپنی ریل ورتھ ہو- عورت کا کی ہونا ہی معاشرے اور لوگوں کے ہر سوال کا جواب independent ہوتا ہے۔ آپ کامیابی ہر سوال کا پختہ جواب ہے۔ اللہ پر یقین ہر کسی

کی کامیابی کا راستہ الگ ہوتا ہے۔ اگر اللہ نے آپ پر آپ کی برداشت سے زیادہ بھاری آزمائشیں ڈالی ہیں تو یقین رکھیں اس نے آپ کی کامیابی کے راستے بھی بہت روشن رکھے ہوں گے۔ جب اللہ آپ کو ہر درد سے گزار دے تو گمان ہے کہ اس نے آپ کے لئے کچھ بہت بڑا تیار کر رکھا ہے۔ کوئی بہت بڑا انعام دینے والا ہے۔ آپ کی ناکامیاں جتنی بڑی ہوتیں آپ کی کامیابیاں اس سے بھی بڑی ہوں گی۔ جب آپ بولے کہ ہر دروازہ آپ پر بند ہو گیا ہے۔ سب نے آپ کو چھڑ دیا ہے۔ کچھ نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ تب اللہ کی ذات آپ کو تھام لیتی ہے تب وہ آپ کے لئے ایسا دروازہ کھولتا ہے سوچیں جو دروازہ اللہ آپ کے لئے کھول رہا ہے۔ وہ کیسا ہو گا۔ اللہ کے دروازے سے بڑھ کر کوئی دروازہ نہیں ہے۔ پھر وہ اسی دنیا کو لوگوں کو آپ کے پیروں تلے لے آتا ہے۔ یہ ہے اللہ کے اللہ کی ذات بس آپ کو ہر اس کی ہر آزمائش پہ صبر کرنا ہے۔ اور اس کے ساتھ جڑے رہنا ہے۔ صرف اسی سے کہنا ہے اسی کو بتانا ہے، کہیں وہ آپ کے لئے اعلیٰ درجے کے معجزے کرتا ہے۔ وہ وہاں سے آپ کے لئے راستے بناتا ہے۔ جہاں سے آپ

اقصی نے ایک ایسی زہر خند ہنسی ہنسی جس نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیے۔ "ابا؟ رجاء، ہمارے قبائلی اور جاگیردارانہ نظام میں بیٹی کوئی انسان نہیں ہوتی، وہ زمین کے تنازعوں کو سلجھانے کی ایک کرنسی ہوتی ہے۔ تایا نے زمین کے پانچ ایکڑ کے حصے پر دعویٰ کر رکھا تھا، میرے بھائیوں نے وہ زمین بچانے کے لیے اپنی گولڈ میڈلسٹ بہن کا نذرانہ پیش کر دیا۔ رشید نے کہا ہے کہ شادی کے دوسرے دن میری تمام کتابوں اور ڈگریوں کو تندور میں جلا دے گا، کیونکہ اس کے نزدیک "پڑھی لکھی عورت بے حیا ہوتی ہے۔

اقصی کی اس داستان نے میرے اندر کی روح کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ صرف اقصی کا المیہ نہیں تھا، یہ پاکستان کے طول و عرض میں بسنے والی ان لاکھوں بیٹیوں کا المیہ تھا جن کی ذہانت، جن کے خواب اور جن کی روحیں جاہل رسم و رواج اور خاندانی نام نہاد عزت کی بھینٹ چڑھا دی جاتی تھیں۔

اقصی، تم انکار کیوں نہیں کرتیں؟ کورٹ میرج کا نہیں کہہ رہی، مگر تم" اپنے ابا کے سامنے کھڑی ہو کر چیخ کیوں نہیں سکتیں کہ مجھے اس جہنم میں مت دھکیلو؟ "میں نے تڑپ کر کہا۔ اقصی نے بے بسی سے سر ہلایا چیخنے کا حق صرف زندوں کے لیے ہوتا ہے رجاء، جو لڑکیاں پیدا " : ہوتے ہی کفن میں لپیٹ دی جائیں، وہ بول نہیں سکتیں۔ اگر میں نے ذرا سا بھی انکار کیا تو میرا بھائی مجھے غیرت کے نام پر گولی مار دے گا اور پنچایت اسے ہار پہنائے گی۔ میں اپنے باپ کی جان بچانے کے لیے اپنی "لاش اس کے حوالے کر رہی ہوں۔

اس رات ہم دونوں ہوسٹل کی تاریک کھڑکی کے پاس بیٹھ کر رات گئے تک روتی رہیں۔ اقصی کے آنسو میرے دامن پر گرتے رہے اور میرے آنسو اس کے سر پر۔ اس رات مجھے احساس ہوا کہ میرا اپنا دکھ، میری کردار کشی کی جنگ اقصی کے دکھ کے سامنے کتنی چھوٹی تھی۔ مجھے کم از کم لڑنے کی اجازت تو تھی، مگر اقصی سے تو سانس لینے کا حق بھی چھین

لیا گیا تھا۔ اس رات میرے اندر ظالم پدر شاہی کے خلاف بغاوت کی وہ آگ بھڑکی جو کبھی بجھنے والی نہیں تھی۔

ہے تابنا ستے کو ہر چیز ناممکن نظر آ رہی ہوتی ہے۔ جہاں سے آپ کو لگ رہا ہوتا ہے کہ یہاں آپ ہار ہیں۔ اس کے بعد وہی سے وہ آپ کے را۔ کیوں کہ اللہ سے بہتر نہ کوئی ہمدرد ہے اور نہ کوئی آپ کو بہتر طریقے سے سمجھنے والا - اللہ کی ذات کے علاوہ 72 192 16 گے آپ کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ جتنے سخت اللہ کے امتحان ہوں اتنی بڑی آپ کی کامیابیاں ہوں گی عورت کا زخم ناسور ہے آج لیکن ان سب کے باوجود لڑکیوں کے زخم نہیں بھرتے- اور لڑکوں کو اپنے زخموں کو کبھی بھرنے دینا بھی نہیں چاہئے۔ میں نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ جب بندہ کامیاب ہو جاتا ہے تو انسان کے سارے زخم بھر جاتے ہیں۔ بالکل غلط کہتے ہیں ۔ عورت کے زخم کبھی نہیں بھرتے عمر کے کسی حصے میں نہیں۔ بس ان زخموں پر ایک جھلی آ جاتی ہے۔ لیکن اندر سے وہ ویسے ہی ہرے ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کو اپنے زخموں کو ناسور بنانا چاہئے تاکہ وہ یاد رکھیں اور ان لوگوں پر دوبارہ بھروسہ نہ کر سکیں۔ اور ان کے بلا دوبارہ مجھ سے غار نہ سوچیں بیٹیاں مہمان ہیں بیٹیوں نے تو والدین کا گھر سے چلے جانا ہوتا ہے۔ ایک نہ ایک دن۔ کتنا ہی وہ آپ کے ساتھ رہ لیں گی۔ آخر بیٹیوں نے چلے ہی جانا ہوتا ہے۔ لیکن کوشش کریں جب تک اپنے پاس رکھیں عزت سے اور لاڈ سے رکھیں۔ انہیں بھلے دو جوڑے میں چاہے کم دے دیں۔ انہیں بھلے چاہے کم دیں۔ لیکن عزت اور محبت پوری دیں جس تک اپنے پاس رکھیں احترام سے رکھیں۔ کردار پر صفائی نہیں لڑکیوں اگر ہمیں کوئی کہے کہ تم بدکردار ہو تو تم مان جایا کرو کہ ٹھیک ہے جیسے آپ نے کہا ویسا ٹھیک ہے۔ مت دیا کریں اپنے کردار کی صفائیاں۔ آپ کو آپ کے کردار کی صفائی دینے بیٹھی ہیں کیا بس آپ ان کی جان مان جایا کریں شاپور سے لے ان کے دونوں نونوں مل جائے۔ عورت کو ہر چیز میں صفائی دینی چاہئے۔ لیکن نہیں دینی چاہئے تو کردار کی ہے۔ کوئی بات نہیں کوئی نسلی نہ سہی کوئی بدکردار آن جیسا آپ کو اپنا لے گا۔ لیکن کردار میں کسی کو کوئی گواہی کبھی مت دینا۔ کسی چیز کی شو طلب جب ہمیں زندگی میں بہت کچھ چاہئے ہوتا ہے۔ تب زندگی ہم سے مج ن ئےں چھین لیتی ہے۔ کوئی بھی پسندیدہ چیز تب آپ کو نہیں ملتی جب ہمیں اس کی اشد طلب اور ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی سب سے پہلا مہر ایک وقت پر زند آتا ہے جب زندگی ہمیں ہر اس چیز سے نواز دیتی ہے جو حسرت ہوا کرتی تھی۔ جب دل اور دماغ ایک ساتھ یہ اٹھتا تھا کہ کاش یہ چیز مجھے مل جائے حسرت میں گیند اور ایک وقت ہماری ز Return شدید ہوتی تھیں نا نہیں ملتی۔ آتا ہے۔

کو گیند جب وہ ہر چیز ہم حاصل کر سکتے ہیں ہمیں ملنا مانگے مل رہی ہوتی تب نکہکیو Returnہیں۔ تب ہمیں نہیں چاہئے ہوتی۔ تب ہم ہر وہ چیز ز کر دیتے ہیں۔ ہمیں نہ خواہش ہوتی ہے۔ نہ چاہت نہ حسرت ان چیزوں کی۔ پھر وہ چیزیں ہماری زندگی میں ویسا مقام نہیں رکھتی۔ اور نہ ہمارا دل ان چیزوں کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر زندگی ہمیں کچھ دے یا نہ دے ہمیں فرق نہیں پڑتا۔ زندگی کے سفر میں ناکامی میں جتنی زندگی کے ہر

سفر میں ناکام ہوئی ہوں۔ ہر چیز میں ناکام ہوئی ہوں۔ میں جس بھی چیز کو ہاتھ لگاتی وہی ناکامی میں بدل جاتی۔ میں جس بھی چیز کو کرنے کی کوشش کرتی وہ ناکام ہو جاتی۔ کوئی کام نوکری کا اس میں بھی ناکام ہو جاتی پڑھائی میں جتنی مرضی نہیں مانی۔ میں کام میں پیسے لگاتی وہ بھی ڈوب جاتے۔ بار بار بار ناکامی کے شاید مجھ میں جاتے سن کچھ نہیں بنا۔ میں نے کہیں بھی ہار نہیں مانی آج بھی اسی طرح سے کوشش کرتی ہوں ہر دن ہر روز کہ کبھی تو اللہ رنگ لگائے گا۔ غلطیاں میں نے اپنی زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں لیکن ہمیشہ ان غلطیوں سے سیکھا ہے۔ ان کی ہے۔ ان غلطیوں میں سوچا ہے میں deep search غلطیوں پر ہمیشہ نے ان غلطیوں کو سدھارا ہے میں نے۔ میں نے اپنی زندگی میں خود یہ تو بنے نہیں دیا ہے۔ میں نے ٪ Best سے جوڑے ہر رشتے کو اپنا کبھی وہ رشتے میرے100 پنے دیا ہے میرا قصور نہیں ہے۔ ان کا ہے۔ باب قاتل باپ میں نے اوائل میں ا والد کا رشتہ جیسا بھی ہو جیسا بھی رہا ہو لیکن حقیقت ہے کہ باپ کے بغیر زندگی آسان نہیں ہے۔ میں کیسے بھول جاؤں کہ انہوں نے اپنی جوانی مجھ پر خرچ کی ہے۔ میں کیسے بھول جاؤں ان کا راتوں کو اٹھ کر کام میں جانا۔ پیسے بھول جاؤں ان کی ہر بات میں یہ بات ان کی بیماری لوگوں سے عشق ہے۔ جس میں پہلے اللہ ہے۔ اور اللہ کے بعد کا جو میں میرا عشق ہے۔ وہ میرا3 ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں باپ ہے۔ میرے دل میں ان کے لیے کوئی زہر کوئی نفرت نہیں ڈال سکتا۔ میری والدہ محترمہ میری بہن اور میرا عشق اگلی کتاب میں بیان کروں گی۔ میرا جنون ہے کہ میں اتنا کماؤ کہ میں اپنے ماں باپ کو بوڑھا نہ ہونے دو، اتنا کماؤ پتہ نہیں لیکن میں یہی کہتی ہوں کہ وہ میرے والدین ہمیشہ جوان رہیں ۔ وہ بوڑھے نہ ہوں۔ میں ان کا ہر درد خود میں سمیٹ لوں۔ میرے والدین میرا جنون ہیں۔ اور مجھے تب تک سکون نہیں آئے گا جب تک میں ان کو ایک پرسکون عیش کی لیے کے اور والدین کے بعد orphan home زندگی نہ دے دوں۔ مجھے اپنے غریب اور بے سہارا لوگوں کام کرنا ہے۔ میرا خواب ہے ہوم کے لوگوں کے لیے کام کرنے old age کا نے بنا orphan home کا، یتیم بچوں کے لیے کام کرنے کا خواب ہے میرا اور میرا

❖ ❖ ❖

سیزن 2 :طوفان، تہمت اور آزمائش)خاندانی ❖

❖ (پنچایت اور بندوق

قسط نمبر 11 :پہلی دہلیز کا اختتام

کمرہ نمبر بیالیس کو الوداع اور طوفان کا پیش خیمہ

خلاصہ :ہوسٹل کے سمسٹر کا اختتام، کمرہ نمبر بیالیس کی یادگار در و دیوار کو الوداع کہنا، اور گھر واپسی کے سفر کے ساتھ خاندانی طوفانوں کی ہولناک آہٹ۔

◆ ◆ ◆

سال کا اختتام ہوا تو عائشہ ہال کا ماحول الوداعی گلے ملنے، روتی ہوئی سہیلیوں اور ٹرنکوں پر لگتے تالوں کے شور سے گونج اٹھا۔ دو سال کا یہ

ہوسٹل کا سفر اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا، لیکن ان دو سالوں نے میری روح کے اندر جو خراشیں اور جو قوت چھوڑی تھی، وہ کسی بھی ڈگری سے بڑی تھی۔

میں نے اپنا پرانا لوہے کا ٹرنک باندھ کر فرش کے کونے میں رکھا اور آخری بار کمرہ نمبر بیالیس کی خالی دیواروں پر نظر دوڑائی۔ وہ زرد رنگ کی پپڑیاں جو اب مزید اکھڑ چکی تھیں، وہ کھڑکی جہاں بیٹھ کر میں نے ملتان کی جلتی دوپہروں اور سردیوں کی دھند میں کائنات کے مالک سے دعائیں مانگی تھیں، وہ چھت جہاں راتوں کو ہم نے ستاروں تلے اپنے خواب بنے تھے۔

صبا، سارہ اور انزہ کا سامان پہلے ہی جا چکا تھا۔ وہ کمرہ اب بالکل ویران اور خالی تھا، مگر اس کی خاموشی میں ہمارے کہے ہوئے فقرے، ہماری خفیہ چائے کی خوشبو، اور ہماری سسکیاں ہمیشہ کے لیے دفن ہو چکی تھیں۔

سارہ نے مجھے بس اسٹینڈ پر چھوڑتے وقت آخری بار گلے لگایا۔ اس کی آنکھوں میں پہلی بار آنسو تھے جو اس نے بڑی مشکل سے چھپائے : رجاء، تم چلی جاؤ گی تو یہ ہوسٹل بالکل بے جان ہو جائے گا۔ مگر یاد " رکھنا، اصل جنگ ہوسٹل میں نہیں تھی، اصل جنگ تو اب تمہارے اپنے گھر کی چاردیواری میں شروع ہونے والی ہے۔ وہاں اپنے پر مت کٹنے "دینا۔

میں نے مسکرا کر اس کا ہاتھ دبایا " :سارہ، پر تو تب کٹتے ہیں جب انسان زمین پر رینگنے کی عادت ڈال لے۔ میں نے ملتان کی دھوپ میں اڑنا "سیکھ لیا ہے، اب کوئی آندھی میرا راستہ نہیں روک سکتی۔

جب میں ویگن کی سیٹ پر بیٹھی اور ملتان شہر کے قدیم مینار، بوسن روڈ کے پیڑ اور بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کی عمارتیں پیچھے چھوٹنے لگیں، تو میرے ہاتھ میں میرا ریسرچ سرٹیفکیٹ تھا جس پر یونیورسٹی کی سنہری مہر چمک رہی تھی۔

لیکن اس کامیابی کے پیچھے ایک ہولناک سیاہ بادل منڈلا رہا تھا۔ ویگن جب میرے آبائی قصبے کی کچی سڑکوں کی طرف مڑ رہی تھی، تو میرے موبائل کی اسکرین پر بھائی حمزہ کا ایک میسج چمکا " :گھر سیدھی آنا، تایا جی اور پھوپھی شبانہ ابا کے پاس بیٹھے ہیں اور تمہاری شادی کے بارے میں "کچھ حتمی فیصلے ہو چکے ہیں۔ اب کوئی بہانا نہیں چلے گا۔

اس میسج نے میرے جسم میں برف کی سی سردی دوڑا دی۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا جہاں سرسوں کے زرد کھیت تپتی ہوئی دوپہر میں سوکھ رہے تھے۔ ہوسٹل کی پہلی دہلیز تو میں نے پار کر لی تھی، مگر اب اپنوں کی بچھائی ہوئی خندقیں، کردار کے زہریلے تیر، اور خاندانی فیصلوں کی وہ خونخوار چکی میرا انتظار کر رہی تھی جس نے میری روح کی ہر ہڈی کو توڑنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ سیزن ون کا پردہ گر رہا تھا، اور سیزن ٹو کے عذابوں کا طوفان میرے سامنے سینہ تان کر کھڑا تھا۔



قسط نمبر 12 :گھر واپسی اور سرد نگاہیں

آبائی آنگن، باپ کی خاموشی اور نگرانی کے کڑے پہرے

خلاصہ :ملتان کی آزادی اور یونیورسٹی کے سنہری دنوں کے بعد واپس اپنے آبائی گاؤں کے تنگ آنگن میں قدم رکھنا، جہاں باپ کی خاموشی اور بھائیوں کے سرد تیور نئے طوفانوں کی پیشین گوئی کر رہے تھے۔

◆ ◆ ◆

جب مسافر ویگن نے گاؤں کے کچے اڈے پر اتارا، تو شام کے سائے گاؤں کی اینٹوں والی گلیوں پر لمبی تاریک لکیروں کی طرح رینگ رہے تھے۔ میرے ہاتھ میں وہی پرانا لوہے کا ٹرنک تھا اور سینے پر یونیورسٹی کا ریسرچ سرٹیفکیٹ ایک قیمتی امانت کی طرح دبا ہوا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں نے اپنے گھر کی پرانی لکڑی کی ڈیوڑھی میں قدم رکھا، تو ایک نامعلوم گھٹن نے میرا استقبال کیا۔ وہ گھٹن جو صرف ان گھروں میں ہوتی ہے جہاں بیٹی کی ڈگری فخر نہیں بلکہ ایک خطرے کا گھنٹہ سمجھی جاتی ہے۔

امی دالان کے کونے میں بیٹھی ساگ کاٹ رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر ایک ادھوری مسکراہٹ لہرائی، مگر انہوں نے فورا چور نظروں سے بیٹھک کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور آہستہ سے اٹھ کر مجھے گلے لگا لیا۔ ان کے سینے سے وہی جانی پہچانی الائچی اور گھی کی بو آ رہی تھی، مگر ان کی دھڑکنیں غیر معمولی تیز تھیں۔

رجاء، آ گئی پتر؟ "انہوں نے سرگوشی میں پوچھا۔ "تھک گئی ہو گی۔ " ہاتھ منہ دھو لے، میں روٹی ڈالتی ہوں۔" "ابا کہاں ہیں امی؟ "میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ امی کی آنکھیں جھک گئیں۔ "بیٹھک میں ہیں۔ تیرے تایا جی اور شبانہ پھوپھی صبح سے وہیں بیٹھے ہیں۔ جب سے انہیں پتہ چلا ہے کہ تیری ڈگری مکمل ہو گئی ہے اور تو گھر آ رہی ہے، بیٹھک "کے دروازے بند ہیں اور اندر گرم بحث چل رہی ہے۔

میرے جسم میں ایک خوف کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنی بی اے آنرز کی ڈگری، جس کے لیے میں نے ملتان کے عائشہ ہال میں خون کے آنسو پیے تھے، اپنے بستر کے نیچے چھپا دی جیسے میں کوئی مجرم ہوں جو اپنا چوری کا مال چھپا رہا ہو۔

اجنبیوں کی دشمنی انسان ہنس کر جھیل لیتا ہے، پر جب اپنے ہی آپ کے راستے میں کانٹے بچھانے لگیں تو پاؤں سے نہیں، دل سے لہو رستا ہے۔ ہوسٹل کے گیٹ پر چاند رات کا وہ فون کال، وہ بھائی کی آواز، وہ طعنے جو عید کی خوشیوں کو پل بھر میں ماتم میں بدل دیتے تھے ...یہ وہ زخم ہیں جو کبھی نہیں بھرتے۔ پر انہی زخموں نے مجھے تنہا جینا اور اللہ کے سہارے سنبھلنا سکھایا۔

رات کے کھانے پر دسترخوان کی خاموشی کسی قبرستان جیسی وحشت ناک تھی۔ ابا نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالا مگر ان کی انگلیاں بار بار کانپ رہی تھیں۔ بھائی حمزہ دیوار سے ٹیک لگائے مسلسل مجھے گھور رہا تھا، اس کی نگاہوں میں وہی روایتی قبائلی رعونت تھی جو مشرقی بھائیوں کے چہروں

پر تب آتی ہے جب وہ اپنی بہن کی آزادی کو اپنی غیرت کا امتحان سمجھنے لگتے ہیں۔

ہوسٹل کا سارا حساب کتاب کلیئر کر آئی ہو؟ "ابا نے بغیر میری طرف " دیکھے روٹی توڑتے ہوئے پوچھا۔ ان کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔ "جی ابا، تمام چالان جمع ہو چکے ہیں اور کلیئرنس سرٹیفکیٹ میرے پاس ہے، " میں نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ "سرٹیفکیٹ کو چولہے میں ڈالو، "حمزہ کی کرخت آواز دالان میں گونجی۔ "یہ کاغذ کے ٹکڑے عورت کے ماتھے پر تب اچھے لگتے ہیں جب اس کے گھر میں کوئی مرد نہ ہو۔ اب گھر آ گئی ہو تو چاردیواری کے اندر رہو۔ گاؤں کے لوگ پہلے ہی باتیں بنا رہے ہیں کہ سجاد کی بیٹی دو سال ملتان میں اکیلی رہی ہے۔ اب اگر پاؤں باہر "نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

میرے حلق میں لقمہ اٹک گیا۔ میرا دل چاہا کہ میں چیخ کر کہوں کہ میں ملتان میں گناہ کرنے نہیں گئی تھی، میں وہاں کائنات کے علم کی تلاش میں گئی تھی، مگر ماں نے دسترخوان کے نیچے سے میرا ہاتھ دبا دیا۔ ان کی کانپتی انگلیوں نے مجھ سے التجا کی کہ میں خاموش رہوں۔

اس رات گاؤں کی کچی چھت کے نیچے، جب مچھروں کی بھنبھناہٹ اور ہوا کا سسکنا جاری تھا، مجھے احساس ہوا کہ یونیورسٹی کی مشکلات تو صرف ایک مشق تھیں، اصل میدانِ جنگ تو اب اس گھر کے آنگن میں سجا تھا۔

اپنوں کی کمزور دیوار رجاء نے کہا :مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کسی تیسرے ✦ نے آ کر بات کی ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس تیسرے نے میرے اپنوں کے سامنے مجھے بُرا کیسے بنایا ؟ اور اسے یہ کرنا اتنا آسان کیوں لگا ؟ غلطی تیسرے کی نہیں تھی ۔ غلطی اپنوں کی تھی ۔ کیونکہ جس گھر کے دل کی دیواریں پہلے سے کمزور ہوں ، وہاں تیسرا شخص وار آسانی سے کر سکتا ہے جہاں اپنوں کی محبت کمزور ہو ، وہاں عورت کے کردار پر داغ لگانا سب سے آسان ہو جاتا ہے اور سب سے بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ جب اپنے ہی ہمارے مقابلے میں اترتے ہیں ، تو میں وہ میدان خود ہی چھڑ دیتی ہوں ۔ ✦ جب اپنے ہی توڑ د رجاء نے کہا :میں نے ہر مشکل مرحلہ صبر سے گزارا ، پر میں ہاری تب جب میرے اپنے ہی مجھے مارنے لگے !جب بھائی اور باپ نے غلیظ ، گندے ناموں سے پکارا تو رجاء کی آدھی موت وہیں ہو گئی ۔ جب اپنے ہی گھر والے ، رشتے دار ذلیل کرنے لگے ، جب اسے بدنام کیا گیا ، ہر جگہ رسوا کیا گیا ، تو رجاء سمجھ گئی کہ باہر کا دشمن کچھ نہیں بگاڑ سکتا ، جب اندر والے ہی گھر گرا رہے ہوں ۔ یہی سب سے بڑی موت ہے ۔ جسم زندہ ہو ، پر روح مر چکی ہو ۔ اور یہ موت اپنے ہی دیتے ہیں ۔ وہ آخری تشدد رجاء نے کہا :میں ہر وہ چیز بھول سکتی ہوں ۔ بس اپنے باپ اور بھائی کے وہ لفظ نہیں بھول سکتی ۔ وہ لفظ ساری زندگی مجھے چبھیں گے ، کھائیں گے ، کھوکھلا کریں گے ۔ یہ میرا آخری تشدد تھا ۔ اور آخری تشدد میں کبھی نہیں بھولوں گی !مجھ سے سال چھٹے بھائی کو مجھ پر تشدد کا حق دیا گیا ۔ غیرت کے نام پر کیونکہ اسے ہمارے گھر میں سب سے سمجھ دار مرد سمجھا جاتا ہے

اس کے ہاتھوں وہ تشدد ہوا جو روح پر لگا۔ اس تشدد نے مجھے جسمانی زخمی نہیں میری حقیقی روح کو بھی زخمی کیا۔ نفرت ہے مجھے اس نظام سے ، میری ان چیخوں نے آسمان کے سات پردے ہلا دیئے ہوں گے ، وہ چیخیں ، وہ گالیاں ، وہ ذلت رجاء آج بھی سنتی ہے رات کے سناٹے میں ۔ جسم کے زخم بھر جاتے ہیں ؟ پر روح پر لگے زخم ساری زندگی سانس بند کرتے ہیں ۔ ✦ کھوکھلی غیرت

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 13 :رشتے کا بازار اور تایا جی کا فرمان

خاندانی پنچایت، غیرت کے ٹھیکیدار اور بیٹی کی نیلامی

خلاصہ :خاندانی پنچایت کا ہنگامی اجلاس، تایا جی کا بیٹی کے مستقبل کے بارے میں قطعی فیصلہ، اور میٹرک فیل کزن کے ساتھ رشتے کا یکطرفہ اعلان۔

◆ ◆ ◆

اگلی دوپہر تایا جی حاکم خان اپنے تین بیٹوں اور سفید پگڑی کے ساتھ ہمارے دالان میں براجمان تھے۔ ان کے ہاتھ میں چاندی کی نال والا حقہ تھا جس کے گڑگڑانے کی آواز پورے آنگن میں ایک منحوس راگ کی طرح گونج رہی تھی۔ گاؤں کی روایت کے مطابق جب بڑے بیٹھک میں بیٹھتے تھے، تو عورتوں کو پردے کے پیچھے کچن میں قید کر دیا جاتا تھا جہاں سے وہ صرف چائے کے کپ بھجوا سکتی تھیں، اپنے وجود کے فیصلے نہیں سن سکتی تھیں۔ میں کچن کی چلمن کے پیچھے کھڑی کان لگائے سن رہی تھی۔ اندر ابا، تایا جی اور پھوپھی شبانہ بیٹھے تھے۔

"دیکھو سجاد، "تایا جی نے حقے کا ایک لمبا کش کھینچ کر دھواں چھت کی طرف اچھالا۔ "ہم نے تمہاری بہت سن لی۔ تم نے بیٹی کو ملتان بھیجا، ہم خاندان والے خون کے گھونٹ پی کر چپ رہے۔ اب لڑکی جوان ہے اور اس کی عمر کے بیس سال نکل رہے ہیں۔ زیادہ پڑھائی لکھائی لڑکیوں کے دماغ خراب کر دیتی ہے۔ میرا بیٹا ارسلان دبئی جانے کی تیاری کر رہا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ جمعہ کے جمعہ دونوں کا نکاح پڑھا دیا جائے۔"

میرے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ ارسلان، تایا جی کا وہ چھوٹا بیٹا تھا جو میٹرک میں تین بار فیل ہو چکا تھا، دن بھر گاؤں کے چوک پر ویلے دوستوں کے ساتھ تاش کھیلتا تھا، اور شام کو نشے کی حالت میں گلیوں میں گھومتا تھا۔ ایک بی اے پاس، ریسرچ بیٹی کا سودا اس ان پڑھ اور اخلاق باختہ لڑکے سے کیا جا رہا تھا، اور اسے خاندانی عزت کا نام دیا جا رہا تھا۔

بھائی صاحب، "ابا نے دھیمی آواز میں عذر پیش کیا، "رجاء ابھی ایم فل کرنا چاہتی ہے، اس کے نمبر بہت اچھے آئے ہیں۔"

ایم فل؟ "تایا جی نے حقے کی نے غصے سے چارپائی کے پاوے پر ماری۔ "کیا وہ کسی کالج کی پرنسپل بنے گی؟ ارے سجاد !عورت کی اصل عزت اس کے خاوند کے پاؤں میں ہوتی ہے، کتابوں کے پنوں میں نہیں۔ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو پورا خاندان تم سے بائیکاٹ کرے گا،

تمہارے بیٹوں کو کوئی اپنی بیٹی نہیں دے گا، اور تمہاری اس پڑھی لکھی لڑکی کا جنازہ اسی گھر میں نکلے گا!"

پھوپھی شبانہ نے فورا آگ پر تیل چھڑکا " :ہاں بھائی سجاد !تایا جی سچ کہہ رہے ہیں۔ ملتان کے ہوسٹلوں کی ہوائیں لگ چکی ہیں اسے، ابھی نکاح کر دو گے تو قابو میں رہے گی، ورنہ کل کو کسی غیر کے ساتھ بھاگ گئی تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

چلمن کے پیچھے کھڑے ہو کر میرے آنسو میرے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ ایک پڑھی لکھی بیٹی کو کس طرح بے حیا، سرکش اور بازار کی شے بنا کر پیش کیا جا رہا تھا۔ میں اندر جا کر تایا جی کی پگڑی اچھال دینا چاہتی تھی، مگر ہمارے معاشرے میں بیٹی کا بولنا سب سے بڑا گناہ قرار پاتا ہے۔

کہا تب رجاء نے کہا :یہ کھوکھلی غیرت ہم بیٹیوں کے لیے ہی کیوں ہے ؟ وہ غیرت مردوں کے گلے پڑا (...یہ سطر کاٹی گئی ہے)یہ غیرت ،ں چلی جاتی ہے ۔ جب وہی بھائی ماں پر اونچی آواز میں بھونکتا ہے ؟ یہ غیرت تب کہاں چلی جاتی ہے جب وہی بیٹا ماں کو گالیاں دے ماں کا کا کرے ۔ مرد کی یہ Treat سانس بند کرے ۔ ماں کو نوکرانی کی طرح غیرت ہے ۔ یہ کیسی غیرت ہے مرد کی ۔ یہ غیرت نہیں کمزور پر ہاتھ اٹھانا ہے ۔ کمزور پر ہی زور کیوں چلتا ہے غیرت ؟ یا اللہ ۔ اگر غیرت کا مطلب بیٹی کو توڑنا ہے ، تو ہر بیٹی کو ایسی غیرت سے آزاد کر دے !گھر Share کا ماحول ، بچے کا دماغ لوگ کہتے ہیں ہمارے بچے ہم سے کچھ گھر نہیں کرتے ، جھوٹ بولتے ہیں ۔ پر پہلے وہ یہ دیکھیں کہ اس کے گھر کا ماحول کیسا ہے۔ میں والدین نے بچوں کو رکھا کیسے ہے ۔ باتیں وہیں شیئر ہوتی ہیں جہاں دوستانہ ماحول ہو ۔ جہاں باپ کا رشتہ کم ، دوست کا رشتہ زیادہ ہو ۔ وہیں بچے دل کھول کر بات کرتے ہیں پر جہاں بچے باپ کو دیکھتے ہی ڈر جائیں ، وہاں وہ کیا امید رکھیں کہ ان کی بات سنی جائے گی ؟ گھر کی دیواریں اور رشتے محبت اور اعتماد سے مضبوط ہوتے ہیں ۔ ڈر سے نہیں ۔ اپنوں سے سیکھا ہوا سبق اللہ نے مجھے ہر آزمائش سے گزارا ۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں ۔ بلکہ میں شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ہر چہرہ صاف دکھایا ۔ اس سفر میں میرے اندر ایک نئی رجاء پیدا ہوئی ۔ اپنوں نے جب توڑا ، تب سمجھ آئی کہ سہارا صرف اللہ تعالیٰ ۔ اپنوں نے جب رسوا کیا ، تب پتہ چلا کہ عزت صرف اللہ دیتا ہے ۔ اپنوں نے جب چھڑا ، تب یقین ہوا کہ ایک رشتہ جو کبھی کسی حال میں نہیں چھڑتا ۔ رجاء نے مسکرا کر کہا :شاید اسی لیے اللہ نے اپنوں سے رسوا کروایا ، تاکہ میں صرف اس کی ہو جاؤں ۔ اور جب میں صرف اس کی ہو گئی ، تو مجھے سب کچھ مل گیا ۔ اپنوں نے توڑا اللہ نے جوڑا اپنوں نے رسوا کیا اللہ نے عزت دی ۔ لوگ کیا کہیں گے ۔ ایک جنازہ عید :- رجاء کو یاد نہیں کہ کبھی عید پر اس نے دل سے تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھا ہو گا ۔ کبھی اپنی مرضی کے کپڑے پہنے ہوں ۔ کبھی بے فکری سے جی بھر کر مہندی لگائی ہو ۔ مجھے کبھی یاد نہیں پڑتا کہ میں کبھی عید پر تیار ہوئی ہوں گی ۔ یا میں نے عید منائی ہو گی ۔ ، جب بھی میں تیار ہونے لگتی ، امی کی آواز آ جاتی :تیار مت ہو

کے گیند تمہارے ابو کیا کہیں گے ؟ تمہارا بھائی گھر میں ہے ۔ تمہارے ماموں کو پسند نہیں ہیں ایسے کپڑے ۔ محلے والے کیا کہیں گے ؟ ز بائیس سال یہی سن کر گزار دیے ک ۔ عید کا دن بھی رجاء کے لیے وہی قید تھا ، بس زنجیریں تھوڑی چمکدار ہو جاتی تھی ۔ رجاء نے سمجھا :یہاں خوشی بھی اجازت سے ملتی ہے اور اجازت صرف ان کو ملتی ہے جو خود مختار ہیں لوگ کیا کہیں گے "جو خدا بھی نہیں ہوتا : "رجاء نے دیکھا کہ لوگ کیا کہیں گے "ایک ایسا خدا بن گیا ہے جسے کسی نے دیکھا نہیں ۔ " پر سب اس سے ڈرتے ہیں ۔ نہ وہ کبھی سامنے آتا ہے ، نہ کبھی فیصلہ سناتا ہے ، پر ہر فیصلہ اسی کے نام میں ہوتا ہے ۔ بیٹی کی شادی کر دو، روک دو ۔ لوگ کیا کہیں گے ۔ بیٹی کو نہ پڑھاؤ ۔ لوگ کیا کہیں گے ۔ بیٹی مرضی کے کپڑے نہ پہنے ..لوگ کیا کہیں گے ۔ رجاء نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں ؟ کیا یہ میرے ساتھ جئیں گے ؟ کیا یہ میر ی قبر میں بھی اتریں گے ؟ نہیں ۔ تو پھر میری زندگی پر ان کا حق کیسا ؟ مردوں کی غیرت ، عورت کی قید رجاء نے سمجھا کہ مرد کی غیرت کا مطلب عورت کی قید بن گیا ہے ۔ جس دن عورت نے اپنی مرضی کے کپڑے پہن لیے ، اس دن مرد کی غیرت زخمی ہو جاتی ہے ۔ پر سوال یہ ہے : غیرت کا تعلق کپڑے سے ہے یا کردار سے ؟ اگر کپڑے سے ہے ، تو غیرت کپڑے جتنی کمزور ہے ۔ رجاء نے سجدے میں کہا :یا اللہ مجھے ایسی غیرت سے بچا جو بیٹی کو قید کر دے مجھے تیری عزت دے، جہاں عزت صرف تیرے ہاتھ میں ہو "!گھر کا خوف ، باہر کی دنیا :رجاء کو ڈر باہر کی دنیا کا نہیں تھا ۔ ڈر تھا گھر کے اندر سے "لوگ کیا کہیں گے " کا ۔ باہر کی دنیا تو بس بہانہ تھی ۔ اصل قیدی تو گھر والے تھے ۔ وہ جنہیں بیٹی کی خوشی سے زیادہ ، محلے کی عزت پیاری تھی ۔ رجاء نے کہا : جس گھر میں بیٹی کو اپنی خوشی کے لیے اجازت لینی پڑے ، وہ گھر نہیں" عدالت ہے اور میں ہر روز مجرم بن کر کھڑی ہوتی ہوں "۔ جب رجاء ، نے جنازہ اٹھایا :ایک دن رجاء نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کہا : بس "آج میں اپنے لیے تیار ہوں گی ۔ آج میں وہ پہنوں گی جو میرا " دل چاہتا ہے ۔ آج میں جیوں گی ۔ لوگ کیا کہیں گے ؟

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 14 :تپتی دوپہر اور حمزہ کی دھمکی

سیڑھیوں کا اندھیرا، بھائی کی بندوق اور انا کی جنگ

خلاصہ :جب رجاء نے ارسلان سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا، تو بھائی حمزہ کا پاگل پن، سیڑھیوں کے کونے میں جان لیوا دھمکی اور مردانہ انا کا خوفناک مظاہرہ۔

◆ ◆ ◆

تایا جی کی پنچایت کے بعد جب میں نے امی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر صاف کہہ دیا کہ میں ارسلان جیسے بدقماش اور ان پڑھ انسان سے کبھی نکاح نہیں کروں گی، چاہے مجھے زہر پینا پڑے، تو گھر کے اندر قیامت ٹوٹ پڑی۔ امی نے اپنے ماتھے پر دونوں ہاتھ مار لیے اور روتے ہوئے کہا " :رجاء، تو اپنے باپ کو مار دے گی !خاندانی پنچایت کے فیصلے کے خلاف بولنا ہمارے ہاں کفر سمجھا جاتا ہے۔"

تیسرے پہر جب گھر میں سناٹا تھا اور امی ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں، میں چھت سے سوکھے ہوئے کپڑے اتارنے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ سیڑھیوں کے اندھیرے موڑ پر اچانک حمزہ سامنے آ گیا۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح لال تھیں اور اس کے ہاتھ میں اس کے شکار والی ڈبل بیرل بندوق کا کٹا ہوا پٹہ تھا۔

اس نے ایک جھٹکے سے میرا بازو پکڑا اور دیوار کے ساتھ زور سے دھکیل دیا۔ اینٹ کا کونا میری کہنی پر لگا اور درد کی ایک تیز لہر میرے کندھے تک دوڑ گئی۔

بہت زبان چلنے لگی ہے تیری؟ "وہ دانت پیس کر غرایا۔ "تو تایا جی کے " بیٹے کو ٹھکرائے گی؟ تو اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے؟ ملتان جا کر تو نے "کون سے پر لگا لیے ہیں جو ہم تیرے نخرے اٹھائیں؟

حمزہ، میرا بازو چھوڑو "!میں نے درد سے کراہتے ہوئے مگر نگاہیں " جھکائے بغیر کہا۔ "شادی میرا شرعی اور قانونی حق ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے مجھے یہ حق دیا ہے کہ میں اپنی رضامندی دوں۔ تم مجھ پر "!زبردستی نہیں کر سکتے

شریعت کی بچی "!اس نے بندوق کی نال میرے چہرے کے سامنے تان " دی۔ "ہمارے گاؤں میں شریعت وہ ہوتی ہے جو تایا جی اور ہم مرد طے کرتے ہیں۔ اگر تو نے دوبارہ انکار کی جرات کی تو میں اسی سیڑھی پر تیرا ماتھا گولی سے اڑا دوں گا اور کہوں گا کہ غیرت کے نام پر قتل کیا ہے۔ پولیس بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ سن لیا تو نے؟ چپ چاپ ہاں کر، "!ورنہ تیرا جنازہ نکلے گا

بندوق کی ٹھنڈی نال نے جب میری پیشانی کو چھوا، تو چند سیکنڈ کے لیے کائنات ساکت ہو گئی۔ لیکن اس خوف کے بالکل نیچے، میری روح کے اندر ایک چنگاری سلگ اٹھی۔ مجھے لگا کہ اگر میں آج ڈر گئی، تو میں نہ صرف اپنی جان ہاروں گی بلکہ دنیا کی ہر اس بیٹی کا حق ہار جاؤں گی جو تعلیم حاصل کر کے زندہ رہنے کا خواب دیکھتی ہے۔

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا " :مار دو گولی حمزہ !مگر یاد رکھنا، تمہاری گولی میری جان تو لے سکتی ہے، لیکن میرے ضمیر سے "تمہارے اس جاہلانہ فیصلے پر دستخط نہیں کروا سکتی۔

وہ میرے اس ردعمل پر بوکھلا گیا۔ اس نے ایک گندی گالی دی اور بندوق کو جھٹک کر نیچے اتر گیا۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر پھسلتی چلی گئی اور فرش پر بیٹھ کر اپنی کہنی کے نیلے نشان کو سہلانے لگی۔

سے کہنے دو ۔ وہ کل بھی کہتے تھے ۔ آج بھی کہتے ہیں ۔ کل بھی کہیں گے ۔ رجاء نے اسی دن "لوگ کیا کہیں گے "کا جنازہ اٹھایا ۔ اور ادل کے کونے میں دفن کر دیا ۔ کیونکہ رجاء نے جان لیا :جو لوگوں کے لیے جیتا ہے ، وہ کبھی خود کے لیے نہیں جیتا ۔ اب رجاء کی عید :- اب رجاء کی عید بدل گئی ۔ اب وہ اپنی مرضی کے کپڑے پہنتی ہے ۔ اور نہیں بھی کیونکہ اب دل نہیں کرتا ۔ اب وہ بغیر ڈرے ہنستی ہے ۔ لیکن اس ہنسی میں وہ کشش نہیں ۔ لیکن میں نے سیکھ لیا ہے :اللہ کی رضا

سے بڑی کوئی عید "عزت اللہ کے لیے ہے ، اس کے 8 نہیں ۔ اور جب اللہ راضی ہو ، تو دنیا کی ناراضگی کی کیا اوقات ؟ آیت :سورہ منافقون رسول کے لیے ہے اور مومنوں کے لیے ہے ۔ "لڑکیوں لڑکیوں تم سب جیو ۔ کہ زندگی بہت چھٹی ہے ۔ ہم سب نے مر جانا ہے ۔ مت کرو غم کوئی بات دل پر نہ لگاؤ ۔ کسی بھی دکھ کو اپنے دل کا ماس نہ کھانے دو ۔ لڑو کہ تم آج کے مرد سے زیادہ بہادر ہو ۔ سچی ہو ۔ جیو کیونکہ آج کی عورت مرد سے کہیں بڑا جگر رکھتی ہے ۔ کماؤ اتنا کماؤ کہ ایک گھر خرید سکو ۔ جہاں تم اپنی مرضی سے سو جاگ سکو ۔ اللہ مہربان باپ کی بیٹیوں کے نصیب شہزادیوں جیسے کرے ۔ کسی لڑکی کو کبھی کوئی غم نہ ملے ۔ 1 نداچھی بیٹی "جو بیٹی اپنے باپ کی دستار بچائے ، وہ اچھی بیٹی ہے "لیکن دستار بچتی کیسے ہے ؟ چیخ دبا کر ؟ خواب مار کر ؟ خود کو زہ درگور کر کے ؟ جو بیٹی اپنے باپ کی دستار بچاتی ہے ، وہ صرف دستار نہیں بچاتی ، وہ ایک نسلوں سے چلتی ہوئی غلط فہمی بچاتی ہے ۔ کہ عزت عورت کی قربانی پر کھڑی ہوتی ہے ۔ وہ بیٹی ہر بار اپنے دل پر پتھر رکھتی ہے ۔ کیونکہ اسے سکھایا گیا ہے کہ باپ کی عزت اس کے گلے کی ہڈی ہے ۔ اگر وہ ٹوٹ گئی ، تو گھر گر جائے گا ۔ اگر وہ جھک گئی تو خاندان مٹ جائے گا ۔ اور وہ جھکتی ہے ۔ ہر بار ۔ ہر فیصلے پر ۔ ہر اس لمحے پر جب اس کا دل چیخ کر کہتا ہے ۔ "نہیں "۔ اور زبان کہتی ہے ۔ "جی ابو "۔ لوگ اسے "فرمانبردار "کہتے ہیں ۔ گھر والے اسے فخر "کہتے ہیں ۔ پر رات کے اندھیرے میں وہ خود کو جب آئینے میں " دیکھتی ہے ۔ اور ایک اجنبی نظر آتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے ۔ ایسی بیٹی نہ صرف باپ کی دستار بچاتی ہے ۔ بلکہ اس دستار کے نیچے دفن ہو جاتی ہے ۔ اور سب سے کڑوی بات یہ ہے کہ جس دن وہ نہ رہے ، لوگ کہیں گے "بہت اچھی بیٹی تھی ، مر گئی بیچاری "۔ نہ باپ کی دستار کو فرق پڑے گا ۔

نسساپنینہ دنیا کو ۔ ☆ "اچھی بیٹی حقیقت کا وہ زخم جو کوئی نہیں دیکھتا "۔ ہم نے "اچھی بیٹی "کی تعریف اس عورت پر رکھ دی جس نے اتک اپنے باپ کی دستار کے نیچے دبا دی ۔ جو اپنی ہنسی کو نگل گئی ۔ اپنے خوابوں کو کفن پہنا دیا ۔ اور ہر رات چپ چاپ یہ سوچ کر سو گئی کہ اگر میں بولوں گی تو ابو کی عزت مٹی میں مل جائے گی ۔ یہ عزت نہیں" یہ بلیک میلنگ ہے ۔ یہ دستار نہیں ، یہ پھندا ہے ۔ اور ہم نے اس ، پھندے کا نام عزت رکھ دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ باپ جو اپنی بیٹی کی قربانی پر کھڑا ہوتا ہے ۔ وہ کمزور ہے ۔ کیونکہ مضبوط باپ وہ ہوتا ہے جس کی عزت اس کی بیٹی کی آزادی سے بڑھتی ہے ۔ نہ کہ اس کی خاموشی سے ۔ جو باپ بیٹی کی خوشی پر کھڑا ہو کر کہے "لوگ کیا کہیں گے "وہ دراصل خود اپنی بے عزتی کا اعلان کر رہا ہوتا ہے ۔ سب سے بڑا جھوٹ :بیٹی کی قربانی سے گھر بچتے ہیں ۔ نہیں جس گھر کی بنیاد بیٹی کی ٹوٹی ہوئی خواہش پر رکھی جائے ، وہ گھر نہیں ، قبرستان ہوتا ہے ۔ وہاں ہر ہر دیوار میں "کاش "لکھا ہوتا ہے ہر کونے میں ایک دبی ہوئی چیخ دفن ہوتی ہے ۔ اور اس سے کڑوی حقیقت یہ ہے :جب وہ بیٹی مر جاتی ہے ۔ اندر سے ۔ تو وہ باپ بھی مر جاتا ہے ۔ جو اس کی قربانی پر فخر کرتا تھا ۔ کیونکہ دستار سنبھالنے کے لیے ہاتھ کٹے ہی ہیں ۔ اچھی بیٹی

وہ ہے جو ڈٹے ۔ جو باپ کے سامنے کھڑی ہو کر کہے " :ابو ، اگر میری خوشی آپ کی بے عزتی ہے ، تو ایسی عزت سے بہتر ہے میں بے نام مر جاؤں ۔ کیونکہ میں آپ کی انا رکھنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی ۔ میں خود اپنی انا کے لیے پیدا ہوئی ہوں ۔ "اور جس دن باپ یہ بات سمجھ جائے اسی دن دستار کی اصل عزت شروع ہوتی ہے ۔ ورنہ باقی سب تماشا ، ہے ، اور بیٹی اس تماشے کی سب سے خاموش قربانی ۔ سوال یہ نہیں ہے کہ جو بیٹی باپ کی دستار بچائے وہ اچھی ہے یا نہیں ۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ دستار اتنی کمزور ہے کہ ایک لڑکی کی زندگی پر کھڑی ہو ؟ تو ایسی دستار کا گر جانا ہی بہتر ہے ۔ کیونکہ جو عزت بیٹی کی موت پر کھڑی ہو ، وہ عزت نہیں ، بوجھ ہے ۔ اور جو بیٹی یہ بوجھ اٹھا کر مسکرا دے ، وہ واقعی اچھی بیٹی ہے ۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وہ ایک شہید ہے ۔ بغیر کفن ، بغیر جنازے کے ۔ اچھی بیٹی کون ہے ؟ اچھی بیٹی وہ نہیں جو اپنے باپ کی دستار بچانے کے لیے اپنی خوشیاں خوشیوں کا گلا کاٹ کر قربانی دے ۔ اچھی بیٹی وہ نہیں جو ہر بار اپنی خواہش کو دفن کر کے کہے ، "ابو کی عزت کا سوال ہے "۔ اچھی بیٹی وہ ہے جس کے ہونے سے باپ کا سر فخر سے بلند ہو ، نہ اس کی خاموشی سے بلند ہو ۔ ہم نے بیٹی کو دستار"

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 15 :چاند رات کا زہر

مہندی کی خوشبو، ٹوٹتے ہوئے خواب اور آدھی رات کی فون کال

خلاصہ :عید الفطر کی چاند رات، جب تمام لڑکیاں خوشیاں منا رہی تھیں، عین اس رات ایک امیر گھرانے سے آئے متوقع رشتے کی طرف سے طعنوں، مطالبات اور کردار کشی کی زہریلی فون کال جس نے گھر کے آنگن کو ماتم کدہ بنا دیا۔

◆ ◆ ◆

وہ عید الفطر کی چاند رات تھی۔ آسمان پر عید کا باریک ہلال چمک رہا تھا اور گاؤں کی فضائیں خوشیوں، مہندی کی خوشبو اور بچوں کی چہچہاہٹ سے بھری ہوئی تھیں۔ محلے کی لڑکیاں ہاتھوں پر مہندی سجائے ایک دوسرے کے گھروں میں آ جا رہی تھیں، مگر ہمارے گھر کے دالان پر ایک عجیب سا سوگ طاری تھا۔

تایا جی کے دباؤ کے متوازی، ابا نے شہر کے ایک دور پار کے تعلق دار خاندان میں میری بات چلائی تھی، جن کا بیٹا بینک میں نوکری کرتا تھا اور ان کے گھر والے مجھے ایک پڑھی لکھی لڑکی کے طور پر دیکھنے آئے تھے۔ ابا کو امید تھی کہ شاید اس رشتے کے ذریعے وہ تایا جی کے خونی چنگل سے بچ نکلیں گے۔

امی نے بڑی حسرت کے ساتھ ایک پرانی کٹوری میں گھلی ہوئی مہندی نکالی تھی اور میرے ہاتھوں پر ہلکا سا ٹیکا لگایا تھا۔ "رجاء، اللہ کرے کل کا سورج ہمارے گھر کے لیے کوئی اچھی خبر لائے۔ تیرے نصیب اچھے ہوں میری بچی۔"

رات ساڑھے گیارہ بجے، جب عید کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور ابا اپنے استری شدہ سفید کرتے کو دیکھ رہے تھے، بیٹھک میں رکھا لینڈ لائن فون اچانک ایک منحوس چیخ کی طرح بج اٹھا۔

ابا نے فون اٹھایا۔ سپیکر کا ریسیور اتنا پرانا تھا کہ اس کی جھنجھناہٹ دالان تک آ رہی تھی۔ فون پر اس بینک والے لڑکے کی ماں بول رہی تھی، مگر اس کے لہجے میں وہ حلاوت نہیں تھی جو رشتہ دیکھنے کے وقت تھی، بلکہ ایک زہریلا تکبر تھا۔

"ہم نے سوچا تھا کہ آپ کے ساتھ رشتہ کریں گے، لیکن کل جب ہمارے خاندان کے کچھ لوگوں نے ملتان یونیورسٹی میں تحقیق کروائی تو پتہ چلا کہ آپ کی بیٹی ہوسٹل میں بہت آزاد خیال رہی ہے۔ اس کا نام کسی ریسرچ پروجیکٹ کے تنازعے میں بھی آیا تھا اور ہوسٹل میں اس پر طرح طرح کی باتیں بنتی رہی ہیں۔"

ابا کا ہاتھ کانپنے لگا۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ "بہن جی !یہ سب جھوٹ ہے۔ میری بیٹی نے باحجاب رہ کر پڑھائی کی ہے، وہ تو کبھی ہوسٹل کے کمرے سے باہر نہیں نکلی!"

"بس بس سجاد صاحب، ہم نے دنیا دیکھی ہے، "اس عورت نے بے دردی سے قہقہہ لگایا۔ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم اس داغدار بات کو نظر انداز کریں، تو پھر نکاح میں ہمیں ایک نئی کلٹس کار اور دو لاکھ روپے نقد چاہیے ہوں گے تاکہ ہمارے خاندان کی ناک نہ کٹے۔ اگر منظور ہے تو کل صبح بارات لائیں گے، ورنہ اپنی آزاد خیال بیٹی کو اپنے ہی گھر بٹھا کر رکھیے "!اور اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

پر بچانے والی مشین "بنا دیا ہے ۔ اس کی ہنسی ، اس کے خواب ، اس کی مرضی سب کچھ داؤ پر لگا دیا ۔ صرف محلے اور رشتے داروں کے لیے ۔ سوچیں :کیا وہ باپ واقعی ہی عزت دار کہلائے گا جس کی عزت اس کی بیٹی کی قربانی پر کھڑی ہو ؟ عزت ایسی نہیں ہوتی جو کسی کی قید پر کھڑی ہو ۔ عزت وہ ہے جو بیٹی کی مسکراہٹ دیکھ کر خود بخود بلند ہو جائے اچھی بیٹی وہ ہے ۔ جو ڈٹے ، جو اپنی خوشیوں کا گلا نہ گھونٹے ، جو باپ کے سامنے کھڑی ہو کر کہے " :ابو ، میری خوشی آپ کی عزت ہے اگر میں مرگئی تو اس کی دستار کس کے سر پر سجے گی ؟ "جس گھر میں بیٹی کی قربانی عزت کہلائے دراصل وہ گھر اپنے نہیں ہوتے اور جس گھر میں بیٹی ہنستی ہے ، وہی گھر دراصل آباد ہوتا ہے ۔ باپ کا سایہ اور بیٹی کا جنون یہ ہار اس بیٹی کے لیے جو ٹوٹی ، گری ، اور پھر خود کو اٹھا کر کھڑی ہو گئی ۔ جب دنیا نے کہا "تم کچھ نہیں کر سکتی "تو میں نے کہا دیکھنا میں کر کے دکھاؤں گی "یہ کتاب کسی کہانی کی نہیں ، یہ ہر اس " بیٹی کی ہے ، جو خاموشی سے ٹوٹتی ہے ، اور شور مچا کر کامیاب ہوتی ہے ۔ میں نے دیکھا ہے لوگوں کو .....جو بیٹی کو بوجھ سمجھتے ہیں ، جو کہتے ہیں لڑکی ہے ، اتنا پڑھ کر کیا کرے گی؟ "جو کردار پر انگلی اٹھا کر عزت چھین لیتے ہیں "اور پھر کہتے ہیں "ہم تو تمہارا بھلا چاہتے ہیں "پر میں یہ بھی جانتی ہوں .....بیٹی جب ٹوٹتی ہے تو خود کو جوڑنا سیکھتی ہے ۔ جب گرتی ہے تو اٹھنا سیکھتی ہے ۔ اور جب دنیا کہتی ہے "بس کرو "تو وہ کہتی

ہے "ابھی تو شروعات ہے : "یہ کتاب تمہارے لیے ہے ۔ اس بیٹی کے لیے جو راتوں کو روتی ہے ۔ پر صبح اٹھ کر پھر سے لڑتی ہے ۔ اس بیٹی کے لیے جو ماں باپ کے لیے جنون رکھتی ہے ۔ اس بیٹی کے لیے جو خود مختار بننا چاہتی ہے ، تاکہ کل کوئی اسے طعنہ نہ دے سکے ۔ یہاں تمہیں نصیحت نہیں ملے گی ۔ اور اس دنیا کو پیچھے چھڑ دو ۔ جب تم درد میں ہو گی ، جب گھٹن کے آخری مقام پر پہنچو گی ، جب زندگی کے سارے نقصان تم اکیلے سہو گے ، تب سوچنا .... تمہیں اس ٹائم پہ کس نے گلے لگایا ؟ کسی نے درد بانٹا ؟ کسی نے سنبھالنے کے لیے ہاتھ آگے کیا ؟ نہیں نا ۔ تم خود لڑی ، تم خود جیتی ۔ تو اب چھڑ دو یہ کہ لوگ کیا کہیں گے کیونکہ تم سے سوال کرنے کا حق صرف ان لوگوں کا جنہوں نے تمہیں ٹوٹے ٹائم پہ سنبھالا ہو ۔ بکھری ہوئی کو سمیٹا ہو ۔ اور تم جواب کی حقدار بھی انہی کو ہو ۔

ابا نے ریسیور ہاتھ میں لیے ہوئے دالان کے ستون کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا، مگر وہ غصے کا نہیں بلکہ بے انتہا ذلت کا خون تھا۔ انہوں نے ریسیور کو وہیں پٹخا اور تیزی سے دالان میں آئے۔

رجاء "!ان کی گرجدار آواز نے کچے مکان کی بنیادیں ہلا دیں۔ امی اور " میں دونوں کانپتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ابا نے میرے سامنے آ کر میرا دایاں ہاتھ پکڑا، وہ ہاتھ جس پر ابھی مہندی سوکھی بھی نہیں تھی۔ انہوں نے وہ ریسرچ سرٹیفکیٹ جو میز پر رکھا تھا، اٹھا کر دو ٹکڑے کر دیا اور فرش پر پھینک دیا۔

یہ صلہ دیا تم نے میری پگڑی کا؟ "ان کی آواز میں وہ درد تھا جو انسان " کی ہڈیوں کو پگھلا دیتا ہے۔ "شہر جا کر تم نے کیا گل کھلائے تھے کہ آج چاند رات کو میرے گھر کی دہلیز پر غیر لوگ مجھے طعنے دے رہے ہیں؟ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ تمہاری بیٹی کے کردار پر انگلیاں اٹھتی ہیں ! ارے کاش تم پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتیں، تو آج مجھے یہ ذلت کا پیالہ نہ "!پینا پڑتا

ابا !خدا کے لیے میری بات سنیں "!میں زمین پر گر پڑی اور ان کے " پاؤں پکڑ لیے۔ "یہ سب جھوٹ ہے ابا !یہ امِ رباب اور ان حاسدوں کی سازش ہے جو میری کامیابی برداشت نہیں کر سکتے تھے !میں نے کبھی آپ کے سر کو جھکنے نہیں دیا ابا، ایک بار مجھ پر یقین تو کریں "!لیکن ابا نے ایک جھٹکے سے اپنا پاؤں چھڑایا اور اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

امی دالان کے فرش پر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے فرش پر بکھرے ہوئے اپنے سرٹیفکیٹ کے ٹکڑوں کو اٹھایا۔ میرے ہاتھوں کی مہندی کے اوپر میرے اپنے گرم آنسو گر رہے تھے، اور مہندی کا رنگ سیاہ ہو رہا تھا۔ وہ چاند رات میرے لیے زندگی کی سب سے تاریک رات بن چکی تھی، جہاں مجھے احساس ہوا کہ اس سماج میں بیٹی کی صفائی کو کوئی عدالت قبول نہیں کرتی۔

گا سیکھے جو میں بچپن بچہ کمرے میں آ کے سو تو ان کی تربیت آپ لوگ خود اندازہ کر لیں گے کہ کیسے ان بچوں کی تربیت اور ذہن ہوں گے۔ بڑا ہو کر بھی وہی کرے گا۔ والدین کو چاہیے کہ جیسے ہی بچہ تھوڑا سا

سوچ فہم پانے لگے تو وہ انہیں الگ کر دیں۔ دن باقی تھے۔ اس کا چہرہ زرد تھا، ہونٹ سفید ہوگئے۔4 :- ✦ چاند رات کا فون عید میں2 باب

رجاء ادھر آؤ مندیل بلا رہی ہیں۔ "میں بیڈ سے کرسی سے اٹھ کر " کمرے کے باہر آئی تو۔ امی اس کی اتنی رو رہی تھیں طبیعت بہت خراب ہے میرا بلڈ پریشر لو ہو رہا ہے۔ میں تو مر نہ جاؤں ہائے۔ میرے سر پر گنئ ی ھے ہیں۔ عید سے پہلے بلڈ پریشر نہ دن پہلے ہم نے ہسپتال کا رخ 3 کنٹرول کرو ادھر آؤ۔ "میری روح کانپ گئی یہ سن کر۔ میں اس کے آنسو نہ دیکھ سکی۔ عید سے کیا۔ ایمرجنسی وارڈ ڈاکٹر نے کہا " :خیال رکھنا ضروری بہت ہے۔ "میرا خیال کہاں؟ چاند رات کو میں نے ہوسٹل سے آئی ہاسٹل بند تھا وہ عید والے گھر گئی اور میں اکیلے باہر کھڑی سوچنے لگی اب کہاں جاؤں؟ پھر چار بجے اس کا بلڈ پریشر زیادہ ہو گیا۔ پھر اتنی شدید درد کہ فرنٹ سرخ ہو گیا۔ دعا کروں اور یہیں بیڈ پر گر بیٹھ گئیں۔ "رجاء !یہ نارمل بلڈ پریشر نہیں ہے۔ تم نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے؟ "وہ تڑپ کر بولی " :امی مجھے یہاں سے جان دو روٹی لا دو بس ورنہ اب مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو مجھے جانے دو۔ "رجاء نے کہا : نہیں !تمہارا بھائی ڈاکٹر آئے گا بعد میں۔ پہلے بتا کیا کیا ہے؟ "میں نے " ڈسک ...سے پوچھا "اتنی بلیڈنگ اور درد کیوں ہو رہا ہے؟ اور ان دنوں ہے۔ کہیں تم نے کوئی دوا یا انجکشن تو نہیں لگوایا؟ "وہ چیخ پڑی " :نہیں ! نہیں !ایسی کوئی بات نہیں "!میرے بہنوئی کو یقین ہو گیا۔ وہ دانی کا نام موبائل پر سرچ کرنے لگی۔ رجاء نے موبائل چھینا دھکا دیا اور گھر سے بھاگ گئی۔ سڑک پر تن تنہا کانپتے ہاتھوں سے مجھے کال کی۔ آواز آئی :

رجاء میں نکل آئی ہوں تمہاری طرف آ رہی ہوں۔ بچا لو مجھے۔ "عید کا" دوسرا دن تھا۔ میں اپنا سر پیٹ رہی تھی۔ اور میں ایک نگاہ گاڑی کی طرف اور ایک نگاہ اپنے کی کوشش میں تھی عیدی کا بدلہ عید کا دوسرا دن تھا اس کی کال آئی۔ آواز میں خون تھی۔ "رجاء بلیڈنگ رکی نہیں ہے۔ میں مر جاؤں گی۔ ڈاکٹر کو بولو ہسپتال کھولے۔ ابھی اسی وقت۔ " میں نے ڈاکٹر کو کال کی ڈاکٹر بولی " :عید کے دوسرے دن ہسپتال نہیں کھول سکتی۔ کل صبح یا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 16 :لوگ کیا کہیں گے

سماجی منافقت، بند گلیاں اور خاموش بیڑیاں

خلاصہ :گاؤں میں افواہوں کا طوفان، محلے کے لوگوں کی زہریلی نگاہیں، ابا کا مسجد جانے سے کترانا اور سماجی بدنامی کا وہ آسیب جو ایک جیتی جاگتی بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا ہے۔

◆ ◆ ◆

اس عید کا دن ہمارے گھر میں عید نہیں بلکہ کسی جوان موت کا سوگ بن گیا۔ عید کی نماز کے بعد گاؤں کے مرد روایتی طور پر ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے تھے، مگر اس دن ہمارے گھر کی کنڈی کسی نے نہیں کھڑکائی۔ گلی میں سے گزرنے والے لوگ جب ہمارے دروازے کے سامنے سے گزرتے، تو ان کی قدموں کی چاپ دھیمی ہو جاتی اور ان کی کھسر پھسر صاف سنائی دیتی تھی۔

ہاں بھئی، سجاد کی بیٹی کا شہر والا رشتہ ٹوٹ گیا۔ سنا ہے لڑکی کے لچھن " ٹھیک نہیں تھے۔ پڑھنے کے بہانے ملتان میں کیا کچھ ہوتا رہا ہے، اب "کون اپنے شریف لڑکے کا گلا کاٹے؟

وہ ایک جملہ نہیں تھا، وہ ہزاروں زہریلے بچھو تھے جو ہمارے دالان میں رینگ رہے تھے۔ ابا عید کے دن بھی گھر سے باہر نہیں نکلے۔ انہوں نے اپنے سر پر سفید مفلر لپیٹ رکھا تھا اور چارپائی پر منہ دیوار کی طرف کیے پڑے تھے۔ جب امی نے چائے کا کپ ان کے پاس رکھا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے دور ہٹا دیا " :لے جاؤ اسے۔ جب تک یہ لڑکی اس گھر میں موجود ہے، مجھے اس گھر کے پانی سے بھی گناہ کی بو آتی "ہے۔

میرے اندر کا انسان اس روز ہزار بار مرا۔ میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے گلی کے موڑ کو دیکھتی، جہاں وہی لوگ جنہوں نے کل تک ابا سے قرض لیے تھے، آج ان کے نام پر تھوک رہے تھے۔

لوگ کیا کہیں گے؟ 'یہ چار الفاظ دراصل وہ خونی پھندا ہیں جس نے ' برصغیر کی لاکھوں معصوم بیٹیوں کے گلے گھونٹ رکھے ہیں۔ یہ لوگ کبھی کسی بیٹی کو اس وقت کھانا دینے نہیں آتے جب وہ بھوکی ہو، یہ کبھی اس کی فیس ادا نہیں کرتے جب اس کا باپ مفلوج ہو، مگر جب اس کے کردار پر ایک جھوٹا الزام لگ جائے تو یہ سنگسار کرنے کے لیے سب سے پہلے ہاتھ میں پتھر اٹھا لیتے ہیں۔

میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ میری آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور میرے رخسار زرد ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا ' :رجاء، کیا تم وہی لڑکی ہو جس نے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے بڑے ہال میں کھڑے ہو کر پنچایتی ظلم کے خلاف مقالہ پڑھا تھا؟ آج جب پنچایت تمہارے اپنے وجود پر حملہ آور ہے تو تم اتنی بے بس 'کیوں ہو؟

لوگ کیا کہیں گے؟ 'یہ وہ جملہ ہے جس نے برصغیر پاک و ہند میں ' لاکھوں خوابوں، صلاحیتوں، اور معصوم بیٹیوں کے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔

شام کو شبانہ پھوپھی اپنی بیٹی کو لے کر تعزیت کے انداز میں ہمارے گھر آئیں۔ ان کے چہرے پر جھوٹی ہمدردی اور اندرونی شادمانی کی وہ چمک تھی جو عورت کی سب سے بڑی دشمن عورت کے چہرے پر ہوتی ہے۔ بھابھی "!انہوں نے امی کے گلے لگتے ہوئے اونچی آواز میں رونا شروع " کیا۔ "ہائے میں لٹ گئی !پورے گاؤں میں ہماری ناک کٹ گئی ہے۔ نائی کی دکان پر، درزی کے تھڑے پر، ہر جگہ لوگ رجاء کا نام اچھال رہے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں سجاد بھائی کو سمجھاؤ کہ اس لڑکی کو گھر سے نکالے بغیر یہ بدنامی ختم نہیں ہوگی۔ "امی نے کانپتے ہوئے کہا " :شبانہ، رجاء "بے قصور ہے، وہ قرآن کی قسم اٹھانے کو تیار ہے۔

قرآن کی قسمیں تو عدالتوں میں جھوٹے بھی اٹھا لیتے ہیں بھابھی "!شبانہ " نے زہر اگلا۔ "بات سچ یا جھوٹ کی نہیں ہے، بات یہ ہے کہ مارکیٹ

میں نام خراب ہو گیا ہے۔ اب کوئی شریف انسان اسے اپنے گھر کی بہو نہیں بنائے گا۔ اگر اب بھی عزت بچانی ہے تو ارسلان کے پاؤں پڑ جاؤ، وہ جیسا بھی ہے، اپنا خون ہے، پردہ رکھ لے گا۔ ورنہ یہ کنواری بیٹھی رہے گی اور اس کا سایہ تمہاری چھوٹی بیٹیوں پر بھی پڑے گا!"

وہ ہر لفظ کو چبا چبا کر کہہ رہی تھیں جیسے وہ میری روح کی ایک ایک بوٹی نوچ رہی ہوں۔ میں کمرے کے کونے میں دبکی ہوئی سنتی رہی۔ اس رات مجھے پہلی بار یہ خوفناک حقیقت سمجھ آئی کہ معاشرہ سچائی کا نہیں، صرف طاقت اور طاقتور کی حاکمیت کا غلام ہے۔

ہمارے والدین اپنی ساری زندگی اسی ایک خوف کے سائے میں گزار دیتے ہیں۔ بیٹی ہوسٹل جائے گی تو لوگ کیا کہیں گے؟ بیٹی اکیلے نوکری کا انٹرویو دینے جائے گی تو لوگ کیا کہیں گے؟ بیٹی اگر سچ کے حق میں بولے گی تو خاندان والے کیا کہیں گے؟ ہم خدا کے احکامات سے زیادہ ان نام نہاد 'لوگوں' کے تبصروں سے ڈرتے ہیں جنہیں ہماری بیماری میں دوا کا پوچھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 17 :کردار پر وار اور بند دروازے

تہمت کا کوڑا، خاندانی بائیکاٹ اور اسٹور روم کی قید

خلاصہ :جب رجاء پر ہر طرف سے جھوٹے الزامات لگائے گئے، تو اسے گھر کے پچھلے تاریک اسٹور روم میں بند کر دیا گیا، جہاں موبائل فون، کتابیں اور تمام رابطے چھین لیے گئے۔

◆ ◆ ◆

تہمت ایک ایسا خونی کوڑا ہے جس کا کوئی زخم جسم پر دکھائی نہیں دیتا، مگر روح کی کھال ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ چند ہی دنوں میں گاؤں کا ماحول اتنا زہریلا ہو چکا تھا کہ محلے کی عورتوں نے ہماری دکان سے سودا سلف لینا بند کر دیا تھا اور ابا کے دوستوں نے ان کے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔

ایک دن صبح سویرے حمزہ نے میرا فون جھپٹ لیا۔ اس نے دیوار پر مار کر اس کے پرخچے اڑا دیے۔ "اب سے تم اس کمرے سے باہر قدم نہیں نکالو گی "!اس نے حویلی کے پچھلے حصے میں موجود پرانے اسٹور روم کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ اسٹور روم پرانی چارپائیوں، گندم کی بوریوں اور جالی دار پرانی الماریوں کا مسکن تھا جہاں مٹی اور مکڑی کے جالوں کا راج تھا۔ دھوپ کی صرف ایک باریک سی لکیر چھت کی درز سے نیچے اترتی تھی۔

" حمزہ !تم مجھے یہاں کیوں بند کر رہے ہو؟ "میں نے روتے ہوئے اس کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی۔ "تاکہ تم دنیا کو مزید منہ دکھانے کے قابل نہ رہو "!اس نے مجھے اندر دھکیلا اور باہر سے موٹا زنگ آلود تالا لگا دیا۔

تالے کے بند ہونے کی وہ بھاری کڑک آواز میرے کانوں میں میری آزادی کے جنازے کی طرح گونجی۔ میں نے لکڑی کے تختوں کو پیٹا، اپنے ہاتھوں کو لہولہان کر لیا، مگر باہر سے صرف حمزہ کے بھاری قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔

اندھیرے میں بیٹھ کر جب میں نے اپنے دونوں گھٹنے سینے سے لگا لیے، تو ایک لمحے کے لیے مجھے لگا کہ میری سانس بند ہو رہی ہے۔ وہ ہوسٹل کی آزاد فضا، وہ لائبریری کے وسیع ہال، وہ دوستوں کے قہقہے، سب کچھ جیسے پچھلی صدی کا کوئی خواب تھا جو اب اس تاریک کوٹھڑی میں گھٹ کر مر چکا تھا۔

کیا سب چوتھے دن لے آؤ۔ ابھی دوائی کھلاؤ۔ آرام کرے۔ "میں نے رجاء کو کہا " :ڈاکٹر نہیں مان رہی۔ پیناڈول کھا لو اور دن بھر مت آنا۔ سوچیں گے کہ عید پر کیوں آگئی؟ اتنی فارغ ہے تو؟ "پر وہ چیخ پڑی : نہیں !میں نکل پڑی ہوں۔ لیے جا رہی ہوں۔ اس بھائی کو بھیجو مجھے " لے جائے۔ میں نہیں گئی۔ جھوٹ بولنا پڑا۔ ابو سے کہا۔ "ابو رجاء کی طبیعت بہت خراب ہے۔ عید پر گھر نہیں گئی جاب کر رہی ہے میں نے بلایا ہے۔ "میرے ابو میرا ماتھا چوم کر مسکرا کر بولے " :چلو بیٹا آجائے وہ بھی بیٹی ہے۔ "امی نے اس کی پسند کا کھانا بنایا۔ اس نے عیدی دی۔ سب گھر والوں نے اسے عید کے تحفے دیے میں نے خود اس کی ڈریسنگ کا بولا تھا۔ میری امی اسے بڑے دکھوں سے اتنی بددعائیں دیتیں۔ تیسرے دن ابو نے جیب سے پیسے نکال کر دیے ک بیٹا جا کر دوا ئی لے آؤ ہسپتال کا خرچہ میں دیتا ہوں۔ میں اسے ہسپتال لے گئی۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ میں اسے واپس گھر لے آئی۔ محبت دی۔ عزت دی۔ پناہ دی۔ کیونکہ سب کو لگا یہ مشکل میں ہے۔ پتا نہیں کیا مجبوری ہے۔ پر ہمیں کیا پتا تھا !جسے ہم بیٹی بنا کر گھر لا رہے ہیں وہ ہمارے گھر کو آگ لگانے آئی ہے۔ محبت باپ ہوتے ہیں اس نے میرا اکلوتا گھر اجاڑ دیا۔

میرے بھائی کے موبائل پر سکرین شاٹ بھیجے میری کزنز میں بھیجا۔ اسے رکھی تھی وہاں اسے اس نے دیگر طلبہ get to gether کلاس فیلو سے۔ کی آفر بھیجی۔ میں میرے گھر دعوت پر آئے اور اسے ...پلاننگ کے ساتھ۔ میرے خلاف میرے گھر والوں کا برین واش کرتی رہی۔ میں پہلے دن یہ بیچاری میرے سا تھ گھر آئی تھی۔ اگلے دن سے میرے گھر والوں کے کان بھر رہی تھی۔ جس تھالی میں کھایا اس میں چھید کیا جس ہاتھ 3 ھے سے عیدی لی اس ہاتھ کو ڈس لیا۔ رجاء مصطفیٰ اژد سے بھی اوپری چیز نکلی انتہائی تلخ اور زہریلا۔ بے باک۔ - :باب گھر والوں کا زہر :- میں ہاسٹل کے گیٹ پر قدم رکھا ہی تھا کہ فون بج اٹھا۔ بھائی کی آواز " :یہ آواز نہیں تھی انگارے تھے۔ تم بدکردار ہو !بدکار عورت ہو ! غلیظ ہو !گھٹیا ہو !لوگوں کے فلیٹ پر جاتی ہو۔ "میری سانس رک گئی۔ ابو اور بھا ئی یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ "بھائی چیخا " :بولو کن بندوں کے " ساتھ سوتی ہو؟ کتنے فلیٹ پر گئی ہو؟ "میں ششدر ہو گئی۔ یہ وہی ابو تھے جنہوں نے رجاء مصطفیٰ کو پناہ دی تھی؟ یہ وہی ابو تھے جنہوں نے رجاء کی دوائی کے پیسے دیے ک تھے۔ یہ وہی بھائی تھا جو رجاء کو ہسپتال لے گیا تھا؟ ابو نے کہا " :غلیظ گھٹیا عورت !بدکار !تمہا را اب منہ نہیں لگنا۔ ہم نے تمہاری شکل نہیں دیکھنی۔ رجاء ساتھ بیٹھی سن رہی تھی سب اور میں رو رہی تھی تکلیف درد سے فون بند ہو گیا۔ میں کمرے کے باہر والی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی اور انگلیوں کے

اسٹور روم کی تنہائی نے مجھے اپنے وجود کے سب سے نچلے پاتال میں اتار دیا۔ وہاں نہ گھڑی تھی، نہ دن اور رات کا پتہ چلتا تھا۔ صرف اذان کی دھیمی آواز دور مسجد سے آتی تھی تو مجھے وقت کا اندازہ ہوتا تھا۔

کھانے کے وقت امی دروازے کے نیچے کی درز سے چپاتی اور اچار کا ٹکڑا سرکا دیتیں، اور ان کی دھیمی سسکیاں درز کے پار سے سنائی دیتیں :

"رجاء، میری بچی، صبر کر۔ اللہ کے سوا اب ہمارا کوئی نہیں ہے۔"

میں نے اندھیرے میں بوری پر بیٹھ کر سوچا کہ آخر میرا گناہ کیا تھا؟ کیا تعلیم حاصل کرنا گناہ تھا؟ کیا اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا خواب دیکھنا جرم تھا؟ یا میرا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ میں ایک ایسے خطے میں بیٹی بن کر پیدا ہوئی تھی جہاں مرد کی ہر برائی پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، مگر عورت کی سانس لینے کی کوشش کو بھی بغاوت قرار دے دیا جاتا ہے۔

اس اندھیرے کمرے میں میرے پاس رونے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن آنسو جب حد سے زیادہ بہہ جائیں تو وہ آنکھوں کو بینائی بخشتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس قید نے مجھ سے میری ظاہری دنیا چھین لی تھی، مگر میرے اندر کی وہ طاقت جو ملتان کی لُو میں پکی تھی، ابھی زندہ تھی۔

یاپوروں میں جاز روئی میرا کی رو رہی دیا۔ اندر ملکی تھی۔ جسے میں نے گھر بٹھایا تھا اس نے میرے گھر والوں کے کانوں میں زہر ڈال د تھا پلازہ ہے اس کے اوپر Chaseup میرے لیے۔ ملتان میں ایک Chaseupنے تھے جہاں میں بھی جاب کرتی تھی۔ رجاء officesتمام جو جو کے laptopپنے ا whatsappپلازہ کو میرے گھر فلیٹ بتایا۔ میری کے بنا کر میرے گھر بھیج دیتی۔ ssکرتی اور وہ msgsکر میں لاگ ان یہ اس کی بغض کا ادنیٰ بول تھا۔ تب خدا خوفا کل زیادہ ہوتا۔ بھی اس بھی نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ اس ٹائم پر جب وہ use پاس تھا۔ میں زیادہ یہ سب کر رہی تھی۔ اس ٹائم میرا بوائے فرینڈ نہیں تھا۔ اور میرے ابا؟ جنہوں نے ایک بار نہیں پوچھا سچ کیا ہے؟ انہوں نے یقین کر لیا۔ کیونکہ میں "بیٹی "تھی اور بیٹی پر الزام لگانا سب سے آسان ہوتا ہے۔ رجاء نے دو کسوئی میں کہہ کے خود کبھی نہیں وہ میری پوری کلاس کی بعد تھی۔ میں جاتی ہی نہیں۔ تم بھی بھیجا ماہ2 جب get together get کلاس کی یہ سب زیادہ فورس کرتی۔ کیونکہ اس کلاس میں ہر کی کی کبھی کو کسی ہال میں بہت کم ماہ بعد یا سال بعد کلاس6 together ہوتی میں گئی اسے بھی ساتھ لے گئی وہاں تصویریں بنیں اس نے party کہیں میری کلک کر لیں۔ وہ وہ ناجائز میرے گھر بھیجتی رہی۔ کہ یہ یہاں عیاشیاں کر رہی ہے۔ کا زہنیاں کر رہی ہے۔ یہ یہاں لڑکے کٹ کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ میں نے چائے کافی کھائی اور غازیہ پر بھی یہ ماسک کھول جائے دکھ سمجھ لے کہ میں بیٹھ گئی غار یونس کے آگے مجھ سے نہیں کر اٹھی غار کو بھی سمجھ آگئی آرہی۔ میں نے رتیہ نکا لیا ہے۔ ایکو وانٹا میں ڈٹی کا کر آئیں کیا۔ پھر یہ میرے ساتھ کون کر رہا ہے؟ میں جائے نماز پر دھاڑی - :جائے نماز کے آنسو :- یاسٹل کا کمرہ۔ دروازہ بند۔ پنکھا بند۔ رات ہند سن میں اور میری جائے نماز۔ سارا دن ح سمسا ری رات میں روتی بین کرتی رہتی۔ سر سجدے میں رکھ کر یہی سوال :

اللہ میاں میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کون ہے جو میرے پیچھے اپنا " گھر لے دوڑ رہا ہے؟ کون ہے جو مجھ پر؟ اتنا کیچڑ اچھال رہا ہے؟ کون ہے جو میرے اتنے قریب ترین بندے کو اپنے ساتھ ملائے جو میرے ایسے ننگا کر رہا ہے؟ کون ہے جو میرے دستے شاحدہ اتنا زہر رکھ رہا ہے کون ہے وہ انسان۔ غار سے آگے کھڑی ہوتی تو بھول جاتی رو سکت کی نماز پڑھنے کی سکن بھول جاتی خود ازہوا جاتی۔ درد چھپنے۔ بار بار نماز توڑ کر جائے نماز پر گر پڑتی۔ "میری ایک ہی صداء اللہ تو سب جانتا ہے۔ میں نے غار پر دھاڑی اتنے میں رجاء اٹھ کر آئی بولی :پاگل اسے مت رو مجھے نہیں دیکھو کہ دی دیکھو رہا ہے تمہارے گھر والوں کو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 18 :جھوٹے رشتوں کا جنازہ

خون کی بے وفائی، منافقت کا پردہ چاک اور تنہا سفر

خلاصہ :جب اپنے ہی خونی رشتے دار دشمنوں سے بدتر ثابت ہوئے، تو رجاء نے اپنے دل کے اندر ان تمام روایتی رشتوں کا علامتی جنازہ پڑھ دیا اور خالص توکل کی بنیاد پر تنہا کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔

◆ ◆ ◆

انسان کو جب باہر کے دشمن مارتے ہیں تو جسم زخمی ہوتا ہے، مگر جب اپنے خونی رشتے پیٹھ میں خنجر اتارتے ہیں تو روح کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ اسٹور روم کی قید کے دسویں دن جب تایا جی دوبارہ ہمارے گھر آئے، تو ان کی گفتگو اس بار کسی رحم پر مبنی نہیں تھی بلکہ کھلم کھلا بلیک میلنگ تھی۔

دیکھو سجاد، "تایا جی کی آواز درز سے اندر آ رہی تھی۔ "اب بات " تھانے تک پہنچنے والی ہے۔ گاؤں کے کچھ اوباش لڑکے گلیوں میں رجاء کی تصویریں اور ہوسٹل کے قصے اچھال رہے ہیں۔ اگر کل تک تم نے ارسلان کے ساتھ اس کا نکاح نہ پڑھایا تو ہم پنچایت میں کہہ دیں گے کہ اس خاندان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی لڑکا تمہاری "!حویلی میں گھس آئے تو ہمیں مت کہنا

وہ اپنے ہی بھائی کو دھمکی دے رہے تھے، وہ اپنی ہی بھتیجی کی عزت کو بازار میں نیلام کر رہے تھے۔ اور سب سے زیادہ ہولناک بات یہ تھی کہ !میرا بھائی حمزہ تایا جی کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا

اس لمحے میرے دل کے اندر ایک زور دار دھماکہ ہوا، جیسے کوئی شیشے کا محل چکنا چور ہو گیا ہو۔ وہ محبت، وہ خونی تقدس، وہ رشتوں کا احترام جو بچپن سے میری گھٹی میں ڈالا گیا تھا، ایک ہی لمحے میں راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

میں نے اس اندھیرے کمرے کے اندر اپنے وجود میں کھڑے ہو کر ان تمام جھوٹے رشتوں کا جنازہ پڑھ دیا۔ وہ باپ جو بیٹی کی سچائی پر اعتبار نہ کر سکا، وہ بھائی جو بہن کا محافظ بننے کے بجائے اس کا جلاد بن گیا، وہ تایا اور پھوپھیاں جو اپنی انا کی تسکین کے لیے معصومیت کو بھینٹ چڑھا رہے تھے :وہ سب میرے لیے مر گئے۔

گاؤں کے آبائی گھر میں تایا حاکم خان اور پھوپھی شبانہ کی زہر اگلتی پنچایت کے بعد، مجھے اپنے وجود کے اندر ایک گہرے سکون کا احساس ہوا۔ یہ سکون ان کھوکھلے خاندانی رشتوں کی موت کا تھا جو سالہا سال سے محبت کے لبادے میں حسد اور بغض کی پرورش کر رہے تھے۔ جب قریبی خون کے رشتے دار محض اس لیے آپ کی بربادی پر تالیاں بجانے لگیں کہ آپ نے ان کی جہالت اور فرسودہ روایات کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا ہے، تو پھر ان سے تعلق توڑ لینا ہی انسان کی روحانی حیات کی ضمانت بن جاتا ہے۔

میں نے اس شام دالان میں کھڑے ہو کر اپنے دل میں ان تمام منافق چہروں کا ہمیشہ کے لیے جنازہ پڑھ دیا۔ وہ رشتے جو انسان کی عزت، وقار اور حریت کو نگلنے کے درپے ہوں، ان کا بوجھ ڈھونا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ میرے والد سجاد اگرچہ خاندان کے اس اجتماعی بائیکاٹ سے اندر سے ٹوٹ چکے تھے، لیکن میری آنکھوں کی غیر متزلزل چمک نے انہیں یہ باور کرا دیا کہ ان کی بیٹی کسی غلط راستے پر نہیں بلکہ حق اور علم کی منزل کی جانب گامزن ہے۔ سچے تعلقات کی پہچان مصیبت کے طوفانوں میں ہوتی ہے، اور ان جعلی ناتوں کی رخصتی نے میرے راستے کے تمام کانٹے صاف کر دیے تھے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 19 :روح کی موت اور خاموش ولادت

تاریک رات کا سجدہ، آنسوؤں کی بارش اور نئی رجاء کا جنم

خلاصہ :اسٹور روم کے اندھیرے میں گزارے گئے وہ لمحے جہاں پرانی خوفزدہ رجاء کی موت واقع ہوئی اور ایک نڈر، باحوصلہ اور روحانی بصیرت سے لیس نئی رجاء نے جنم لیا۔

◆ ◆ ◆

تین ہفتے بعد جب شدید گرمی اور حبس کی وجہ سے میری طبیعت بگڑ گئی اور مجھے تیز بخار نے آن گھیرا، تو امی کی مسلسل منت سماجت پر ابا نے اسٹور روم کا تالا کھولنے کی اجازت دے دی۔ جب میں لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلی تو تیز دھوپ نے میری آنکھوں کو چندھیا دیا۔ میرا وزن کئی کلو کم ہو چکا تھا، ہونٹ سوکھے ہوئے تھے اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی، مگر میری آنکھوں میں وہ پرانا خوف مفقود تھا۔

حمزہ نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا، ابا بغیر کچھ کہے گلی کی طرف نکل گئے۔ صرف امی تھیں جو تڑپ کر مجھے اپنے سینے سے لگا کر رونے لگیں۔ "میری بچی !تیرے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہو گیا "!امی کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ "امی، روئیں مت، "میری آواز میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا جو خود مجھے بھی حیران کر رہا تھا۔ "جو مر گیا سو مر گیا، اب اس کی لاش پر رونے سے کیا فائدہ؟"

"کیا مطلب رجاء؟ تو کیسی باتیں کر رہی ہے؟ "امی نے گھبرا کر میرا چہرہ دیکھا۔ "امی، وہ پرانی رجاء مر چکی ہے جو ہر کسی کے سامنے ہاتھ جوڑتی تھی اور سب کی خوشنودی کی بھیک مانگتی تھی۔ اب جو آپ کے سامنے کھڑی ہے، وہ صرف اپنے اللہ کی بندی ہے۔"

اس شام میں نے غسل کیا، اپنے صاف کپڑے پہنے اور دالان کے پرسکون کونے میں جائے نماز بچھا دی۔ جب مغرب کی اذان کے بعد میں نے نیت باندھی، تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے وجود سے بوجھ کا ایک بہت بڑا پہاڑ اتر چکا ہے۔

سجدے میں گر کر جب میری پیشانی نے زمین کو چھوا، تو آنسوؤں کا ایک دریا بہہ نکلا۔ مگر وہ بے بسی کے آنسو نہیں تھے، وہ شکرانے کے آنسو تھے۔ میں نے اپنے رب سے کہا: 'اے میرے پروردگار! اگر تو نے مجھے اس جھوٹے معاشرے کی نظروں میں گرا کر اپنی بارگاہ میں اٹھا لیا ہے، تو مجھے اس سودے پر فخر ہے۔ مجھے اتنی ہمت دے کہ میں تیرے دین اور اپنے وقار کے ساتھ اس دنیا کی ہر باطل طاقت کا مقابلہ کر سکوں'۔

سجدے سے جب میں نے سر اٹھایا تو مجھے لگا کہ ایک نئی رجاء نے جنم لے لیا ہے، وہ رجاء جسے نہ تایا کی پنچایت کا ڈر تھا، نہ بھائی کی بندوق کا، اور نہ ہی 'لوگ کیا کہیں گے' کا خوف۔

میں نے جب پہلی بار یونیورسٹی کے ہوسٹل کی دہلیز پار کی تھی، تو ملتان کی جھلسا دینے والی دھوپ سے زیادہ اس جملے کی تپش میرے پیچھے تھی۔ لیکن وقت نے مجھے سکھایا کہ یہ 'لوگ' کبھی خوش نہیں ہوتے۔ اگر تم خاموش بیٹھ جاؤ تو کہیں گے 'بے بس ہے'، اگر تم اپنے حق کے لیے کھڑی ہو جاؤ تو کہیں گے 'بدتمیز اور باغی ہے'، اگر تم ناکام ہو جاؤ تو تالیاں بجائیں گے، اور اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو حسد کی آگ میں جلیں گے۔

اس لیے میں نے اس زنجیر کو اپنے ذہن سے توڑ ڈالا۔ میرا رب جانتا ہے کہ میری نیت کیا ہے، میرا دامن کتنا صاف ہے، اور میری جدوجہد کس راستے پر ہے۔ جس دن ایک لڑکی 'لوگ کیا کہیں گے' کے بت کو اپنے دل سے توڑ دیتی ہے، اس دن وہ ایک نئی آزادی، ایک سچے وقار کے ساتھ زندگی جینا شروع کرتی ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 20 :شبانہ پھوپھی کی سازش اور بھائی کا ہاتھ

خاندانی کینہ، زبردستی کے رشتے کا آخری وار اور ماں کی للکار

خلاصہ :پھوپھی شبانہ کا نکاح خواں کو چپکے سے گھر لانے کا خطرناک منصوبہ، بھائی کا زبردستی دستخط کروانے کے لیے ہاتھ اٹھانا اور ماں کا شیرنی کی طرح سامنے آ جانا۔

◆ ◆ ◆

جمعرات کی شام جب ابا منڈی گئے ہوئے تھے، پھوپھی شبانہ اپنے شوہر اور گاؤں کے مولوی صاحب کو لے کر اچانک ہمارے گھر میں داخل ہو گئیں۔ ان کے پیچھے ارسلان بھی نئے چمکدار کرتے میں ملبوس کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر وہی مکروہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"!شبانہ نے بغیر سلام کیے کچن میں آ کر امی سے کہا۔ "سجاد بھائی بھابھی سے ہماری بات ہو چکی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ خاموشی سے نکاح پڑھوا دو ورنہ بدنامی کے چرچے اخباروں تک جائیں گے۔ مولوی صاحب

بیٹھے ہیں، بس رجاء کے انگوٹھے کا نشان چاہیے، باقی سب ہم سنبھال لیں گے۔"

امی کا رنگ فق ہو گیا۔ "شبانہ !سجاد نے مجھے تو کچھ نہیں کہا !تم اس کی غیر موجودگی میں یہ کیا کر رہی ہو؟"

اسی لمحے حمزہ نکاح کا فارم ہاتھ میں لیے میرے کمرے میں داخل ہوا۔ "اٹھو رجاء !چپ چاپ اس پر انگوٹھا لگاؤ، ورنہ میں تمہاری انگلیاں توڑ دوں گا!"

میں بستر سے اٹھی اور سیدھی تن کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "حمزہ، تم میری انگلیاں تو کیا، میری جان بھی لے لو، تب بھی میں اس فارم پر انگوٹھا نہیں لگاؤں گی۔ زبردستی کا نکاح اسلام میں حرام اور باطل ہے!"

حمزہ کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ اس نے پوری طاقت سے میرے چہرے پر تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ گھمایا، مگر اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ میرے گال کو چھوتا، ایک ہاتھ نے بجلی کی سی تیزی سے اس کی کلائی کو ہوا میں ہی جکڑ لیا !وہ ہاتھ میری ماں کا تھا!

امی، وہ عورت جو پچھلے پچیس سال سے شوہر اور سسرال کے ہر ظلم پر بھیگی بلی بن کر سر جھکائے بیٹھی رہتی تھی، اس وقت ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح حمزہ کے سامنے کھڑی تھی۔ ان کی آنکھوں میں وہ جلال تھا جو صرف ایک سچی ماں کی ممتا میں تب پیدا ہوتا ہے جب اس کے بچے کے وجود پر کلہاڑی چلنے لگتی ہے۔

خبردار حمزہ "!امی کی آواز میں ایسی گھن گرج تھی کہ دالان میں کھڑے مولوی صاحب اور ارسلان کے قدم پیچھے ہٹ گئے۔ "اگر تو نے اپنی بہن پر ہاتھ اٹھایا تو میں اس چوکھٹ پر اپنا سر پھوڑ دوں گی اور تیرا نام تھانے میں لکھواؤں گی !نکل جاؤ میرے گھر سے سب کے سب ! جب تک سجاد خود آ کر فیصلہ نہیں کرے گا، یہاں کسی کا باپ بھی نکاح نہیں پڑھا سکتا!"

شبانہ پھوپھی اور ارسلان اس غیر متوقع مزاحمت پر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ بڑبڑاتے اور دھمکیاں دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔ حمزہ نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور غصے سے پیر پٹختا ہوا گلی کی طرف بھاگ گیا۔

جب دروازہ بند ہوا تو امی گھٹنوں کے بل فرش پر گر پڑیں اور انہوں نے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا۔ وہ لمحہ اس سیزن کا سب سے بڑا موڑ تھا، جہاں میری ماں نے ثابت کیا کہ دنیا چاہے کتنی ہی ظالم ہو جائے، اگر ماں کا ہاتھ بیٹی کی پشت پر ہو تو کوئی طوفان اسے گرا نہیں سکتا۔

❖ ❖ ❖

سیزن 3 :شعور، خود انحصاری اور نور کا سفر ❖

❖ (ٹاٹ کی اکیڈمی اور ایم فل)

قسط نمبر 21 :ماں کی سسکی اور پرانی مخمل کی خوشبو

پرانا صندوق، نانی کا قلمی قرآن اور سورۃ النور کا نور

خلاصہ :صحن کے عظیم معرکے کے بعد کی خاموش رات ماں نے اپنے جہیز کا زنگ آلود صندوق کھول کر نانی کا قلمی نسخہ : نکالا اور سورۃ النور کی آیات سے رجاء کے وجود پر الہی وقار کی چادر تان دی۔

◆ ◆ ◆

صحن کے اس لرزہ خیز تصادم کے بعد والی رات ہمارے آبائی گھر میں گزری کسی بھی رات سے یکسر مختلف تھی۔

جب ابا رات دس بجے غلہ منڈی سے لوٹے اور انہیں دالان کے تماشے کی خبر ملی :کہ کس طرح شبانہ پھوپھی نکاح خواں کو لے کر دہلیز پر چڑھ آئی تھی، کس طرح حمزہ نے بندوق اٹھانے کی دھمکی دی تھی اور کس طرح امی نے پورے محلے کے سامنے چیخ کر بدنامی کا طوفان کھڑا کرنے کا اعلان کیا تھا :تو ان کے لبوں سے غصے کا ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ وہ رات گئے تک برآمدے کی منڈیر پر تنہا بیٹھے سگریٹ پر سگریٹ سلگاتے رہے، یہاں تک کہ راکھ اور جلے ہوئے فلٹروں کا ڈھیر ان کے پیروں کے پاس لگ گیا۔ ان کے جھکے ہوئے کندھے اس کڑوے سچ کا اعتراف کر رہے تھے کہ ان کے اپنے سگے بھائی اور بہن نے ان کی عزت کا سودا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

رات کے بارہ بجے جب پورے گاؤں پر قبرستان جیسا سناٹا چھا گیا اور ابا اپنے بستر پر بے دم ہو کر اونگھنے لگے، تو امی نے آہستہ سے دالان کا لکڑی کا پٹ اندر سے بند کیا۔ انہوں نے پیتل کی موٹی کنڈی چڑھائی، کمرے کے کونے میں جلتی ہوئی لالٹین کی لو مدہم کی، اور مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے پرانے آہنی صندوق کے پاس لے گئیں۔

وہ صندوق ان کے جہیز کا واحد یادگار اثاثہ تھا جو ملتان کے ایک پرانے لوہار نے چالیس سال پہلے کچی چادروں کو کوٹ کر بنایا تھا۔ صندوق کا پیندا زنگ سے بھرا ہوا تھا اور اس کے بھاری پیتل کے تالے پر سرسوں کے تیل کی سیاہی جمی ہوئی تھی۔ امی نے اپنی قمیص کے دامن میں بندھی تانبے کی چھوٹی چابی نکالی، کانپتے ہاتھوں سے تالے کو گھمایا اور آہستگی سے ڈھکن اوپر اٹھایا۔

ڈھکن کھلتے ہی پرانی مخمل، سوکھے ہوئے گلاب کی پتیوں اور مشک و کافور کی ایک مدہوش کن، مانوس خوشبو نے اس گھٹن زدہ کمرے کی فضا کو مہکا دیا۔

امی نے صندوق کی سب سے نچلی تہہ سے سرخ مخمل کے غلاف میں لپٹی ہوئی ایک بھاری، مستطیل چیز نکالی۔ وہ نانی جان کا ہاتھ سے لکھا ہوا قلمی قرآنِ مجید تھا، جس کے ہر ورق کے حاشیے پر سونے کے پانی سے نازک بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

انہوں نے وہ مقدس کتاب میرے کانپتے ہوئے ہاتھوں پر رکھ دی، اور پھر میری پیشانی پر اپنے جھریوں زدہ، پسینے سے تر ہونٹ ثبت کر دیے۔ "!رجاء، میری جان "ماں کی دھیمی سرگوشی میں صدیوں کی پیاس اور ضبط سمٹ آیا تھا۔ "جب بیٹی کے اپنے خونی رشتے اس کے خلاف پنچایتیں سجاتے ہیں، تو اس دھرتی پر اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں بچتی۔

لیکن سن !جس بیٹی کے سر پر قرآن کا سایہ اور جس کے سینے میں پاکیزگی کا نور ہو، اسے زمانے کی کوئی عدالت مجرم نہیں ٹھہرا سکتی۔ صفحہ "کھولو اور سورۃ النور کی گیارہویں آیت پڑھو۔

میں نے لرزتی انگلیوں سے وہ ورق الٹا۔ لالٹین کی زرد روشنی میں وہ سنہری حروف میری آنکھوں کے سامنے جگمگانے لگے ' :بے شک جن لوگوں نے یہ بہتان گھڑا ہے، وہ تمہارے ہی اندر کا ایک چھوٹا سا گروہ ہیں۔ تم اس معاملے کو اپنے حق میں برا مت سمجھو، بلکہ یہ تمہارے حق میں سراسر بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا، اور جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا، اس کے لیے 'دردناک عذاب ہے۔

ماں کی آواز ایک بار پھر گونجی " :دیکھ رجاء !یہ رب کا وعدہ ہے۔ جو تہمت انہوں نے تجھ پر باندھی ہے، وہ تجھے راکھ نہیں کرے گی بلکہ تجھے کندن بنا کر چمکائے گی۔ بس تو اپنے رب کے آگے جھک جا اور "زمانے کے بتوں سے ڈرنا چھوڑ دے۔

اس رات، اس زنگ آلود صندوق کے پاس بیٹھ کر، میں نے پہلی بار یہ جانا کہ حقیقی وقار باپ کی جاگیر یا بھائی کی بندوق میں نہیں ہوتا، حقیقی وقار اس سجدے میں ہوتا ہے جہاں روح اپنے خالق کے سامنے ننگی ہو کر سرخرو ہو جاتی ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 22 :راکھ سے اٹھنے والی بیٹی اور خودداری کا اعلان

صبح کی دھوپ، باپ کے سامنے اعلان اور ایم فل کا اٹل ارادہ

خلاصہ :سورج طلوع ہوتے ہی رجاء نے صحن میں بیٹھے ابا کے سامنے ایم فل کے داخلہ فارم رکھ دیے اور تاریخ ساز اعلان کیا کہ وہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے لیے خاندان کے کسی مرد کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے گی۔

◆ ◆ ◆

اگلی صبح جب جنوبی پنجاب کے افق سے سورج کی پہلی کرنیں پھوٹیں، تو مٹی کے کچے صحن میں رات کی وحشت کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ ہوا میں نیم کے پتوں کی خنک خوشبو تھی، مگر فضا میں ایک عجیب، پرسکون تناؤ لہرا رہا تھا۔

ابا برآمدے کے کنارے اینٹوں کے چبوترے پر بیٹھے اپنی صبح کی کالی چائے کی پیالی سے گھونٹ بھر رہے تھے۔ ان کے سفید بال بکھرے ہوئے تھے اور ان کی آنکھوں کے نیچے پڑنے والے سیاہ حلقے رات بھر کی بے خوابی کا پتہ دے رہے تھے۔ دالان کے دوسرے کونے میں حمزہ اپنی موٹرسائیکل کی صفائی میں مصروف تھا، اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اب بھی کل کے ہنگامے کی ذلت کو بھلا نہیں پایا تھا۔

میں نے اپنے آنسو پونچھے، بال باندھے، اور اپنے ماتھے پر دوپٹہ اچھی طرح کس لیا۔ میرے ہاتھ میں وہ سفید لفافہ تھا جس میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات کے ایم فل پروگرام کے داخلہ فارم

اور نصاب کی تفصیلات درج تھیں۔ میں پختہ، بے خوف قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی سیدھی ابا کے چبوترے کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

ہمارے سماج میں 'اچھی بیٹی' کا مطلب ہے وہ لڑکی جو گونگی، بہری اور اندھی بن کر ہر زیادتی کو سر جھکا کر قبول کرے۔ جو کبھی اپنے خوابوں کا ذکر نہ کرے، جو ہر فیصلے پر ہاں میں ہاں ملائے۔ لیکن کیا واقعی اسلام اور فطرت ایسی بیٹی مانگتے ہیں؟ نہیں !اچھی بیٹی وہ ہے جو شعور رکھتی ہو، جو والدین کے لیے عزت کا باعث بنے لیکن اپنے وجود کو زندہ درگور نہ کرے۔

میں اس حال سے اندازہ کر لیتی ہوں کہ وہ انسان کیسا ہے ۔ فیس دیکھ کے سمجھ جاتی ہوں انسان کو کہ اس کے ایک چہرے کے پیچھے مزید اور کتنے چہرے ہیں ۔ میں یہی کہتی تھی کہ عورت کو معصوم ہونا چاہیے ۔ لیکن نہیں عورت کو شاطر کبھی معصوم نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی اتنا چھا کہ وہ رشتوں پر اندھا اعتبار کرے ۔ کوئی بھی رشتہ آپ کے اندھے اعتبار کے قابل نہیں ہے ۔ ہر رشتے میں چاہے وہ خونی کا ہو یا کوئی اور ایک حد بناؤ ۔ یونیورسٹی اور ہوسٹل کی لڑکیوں کو دوست بنانی چاہئے لیکن یہ دیکھ کر کے اس کا پچھلا بیک گراؤنڈ کیسا ہے ۔ ایک لڑکی جو جھونپڑی سے اٹھ کے آئی ہو ۔ وہ نہ آپ کا اچھا پہننا برداشت کر پائے گی ۔ نہ دوسروں سے آپ کی تعریف نہ ہی آپ کے گھر والوں سے آپ کی محبت اور نہ ہی آپ وہ عزت کے رشتے آپ سے جڑے برداشت کرنے گی ۔ وہ حاسد حسد کرے گی ۔ اور حاسد کی دوستی سلو پوئیزن ہے ۔ اس لیے دوستی ایسے لوگوں /لیول والی لڑکی سے کریں ۔ تاکہ اگر وہ آپ سے وار بھی کرے تو ایک حد ہو ۔ رجاء مصطفیٰ کی طرح نہ ہو ۔ بے باک ۔ کہ جو دوست آپ کی دل سے عزت کرتا ہو وہاں بھی آپ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ان سے فزیکل ہو جائے آپ کو دور کر سکے ۔ یا آپ کی وہاں عزت کا جنازہ کر سکے ۔ معصوم دکھنے والی لڑکیوں پر کبھی اعتبار نہ کریں ۔ وہی تو بچ ی قاتل ہیں ۔ مجھے آج تک کسی چیز نے اتنے برے طریقے سے نہیں توڑا جتنا میرے اپنوں نے۔ مرد ہر رشتے اپنوں سے رسوا میں کانٹوں کا جال ہے۔ مردوں میں حیا مادہ باپ ✦ کے روپ میں بھتیجے ، بھائی کے روپ میں ہو یا شوہر کے روپ میں مرد کانوں کا کچا ہے۔ مردوں کو کانوں کا کچا نہیں ہونا چاہئے ان عورتوں کی بلائے زندگیاں تباہ ہوجاتی ہیں ۔ جن کے اس کانوں کے کچے ہوں۔ وہ وجہ سرزنش بناتی ہیں۔ جن گھروں کے مرد کانوں کے کچے ہوتے ہیں ۔ اس گھر میں بیوی بیٹی کے لئے سکون کی جنت نہیں لگ سکتی۔ عورت وہاں ہار جاتی ہے۔ جہاں اس کے اپنے اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ ورنہ عورت کو توڑتی مات دے دے ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ عورت وہاں ہار جاتی ہے جہاں اس کے اپنے کسی تیسرے انسان کو اس میں زیادہ فوقیت دیں۔ تب عورت کا مان غرور

ابا نے پیالی سمیٹ کر اپنی گود میں رکھی اور سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ان "کے ماتھے پر الجھن کی لکیریں ابھر آئیں " :یہ کیا ہے، رجاء؟

یہ یونیورسٹی کے ایم فل پروگرام کے داخلے کے کاغذات ہیں، ابا، "" میری آواز اتنی ٹھوس اور کھنکتی ہوئی تھی کہ پرے کھڑے حمزہ کے ہاتھ سے کپڑا چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ "اگلے ماہ آل پاکستان داخلہ ٹیسٹ

ہے۔ میں اس امتحان میں بیٹھوں گی، اور میں میرٹ پر یہ نشست حاصل کروں گی۔"

ابا کا چہرہ لمحہ بھر میں سفید پڑ گیا۔ انہوں نے غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ کہا " :کیا تجھے عقل نہیں آئی لڑکی؟ پورا گاؤں پہلے ہی ہماری ناک کاٹنے پر تلا ہوا ہے، تایا کے گھر والے ماتم منا رہے ہیں، اور تو پھر اسی شہر جانے کی بات کر رہی ہے؟ میرے پاس تجھے ہوسٹل میں بٹھانے کے لیے یا یونیورسٹی کو لٹانے کے لیے کوئی لاکھوں کے خزانے نہیں ہیں۔"

مجھے آپ کے خزانوں میں سے ایک پائی بھی نہیں چاہیے، ابا، "میں نے" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "میں قسم کھاتی ہوں کہ اپنی فیس، اپنی کتابوں اور اپنے سفر کا ایک ایک روپیہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کماؤں گی۔ میں اس گھر کے کسی مرد پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ لیکن میں اس چاردیواری میں قید ہو کر اپنے خوابوں کو مرنے بھی نہیں دوں گی۔ اگر آپ نے مجھے روکنے کی کوشش کی، تو آپ صرف ایک بیٹی کو نہیں روکیں گے، آپ اس سچ کو دفن کریں گے جس کا گواہ میرا رب ہے۔"

ابا نے حیرت سے میرا چہرہ دیکھا۔ چالیس برس کی پدرشاہی میں انہوں نے کسی عورت کو اتنے وقار اور جلال کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ان کے خشک لب کچھ بولنے کے لیے ہلے، مگر الفاظ ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔

میں مڑی، اپنے کمرے کی طرف چلی آئی، اور دروازہ بند کر لیا۔ اس راکھ کے ڈھیر سے، جس پر کل تک سسرال اور تایا کے رشتوں کا جنازہ پڑا تھا، ایک خوددار اور خود مختار بیٹی نے جنم لے لیا تھا۔

صر سب خاک ہو جاتا ہے۔ قابل ترس ہوتی ہیں وہ بیٹیاں وہ مائیں وہ بیویاں جہاں ان کے اپنے ہی گھروں میں ان کی وقعت کمزور ہو۔ جہاں وھف نام کی بیٹیاں بیویاں اور مائیں ہوں۔ کتنی اذیت ناک ہے یہ ایسی زندگی جہاں کوئی بھی تیسرا آکر ہمارا معیار گرا دے۔ بے کسے اپنے ہوشے ہیں !یہ کیسا وار۔ مخلص رشتے ہوتے ہیں۔ جہاں جس گھر میں بیٹی کو گرانا آسان ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے گھروں میں سرے سے کبھی ان کی عزت ان کے لئے مقدم تھی ہی نہیں ان کے دلوں میں۔ بس وہ رشتے ناتے کے آنے سے نقاب ہو جاتے ہیں۔ میں ایک بات جانتی ہوں جس گھر میں جس گھر کے لوگوں میں آپ کے لئے دل سے محبت اور عزت ہوگی۔ وہ کبھی کسی تیسرے کو بات کرنے کی access نہیں شک shutup callدیں گے۔ نہ سنیں گے۔ تیسرے کو بات کرتے ہی ا بے دیں گے۔ وہ بھی برداشت ہی نہیں نقطہ یہ نہیں بلکہ کسی تیسرےاپنوں کے دل کی کمزور دوریاں :کریں گے۔ کہ کوئی تیسرا آپ کے بارے میں ان سے بات کرے۔ شخص نے بات کی۔ بلکہ نقطہ یہ ہے کہ یہ اس تیسرے شخص نے آپ کے اپنوں کے سامنے آپ کو گرا کیسے لیا۔ اور اس کو گرانا آسان کیوں لگا۔ یہاں غلطی تیسرے کی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے اپنوں کی ہے۔ اپنوں کی محبت اور اعتماد جب کمزور پڑے تو تیسرا شخص وار کرتا ہے۔ ورنہ تیسرے شخص کی کیا جرات کے

آپ کو آپ کے اپنوں کے سامنے گرا سکے۔ ہمارے اپنے ان اپنوں کی کمزوریوں کی دیوار میں پہلا دن سے ہی کمزور ہوتی ہیں۔ بس ہم غلط گمان میں رہ رہی ہوتی ہیں۔ تیسرا ہمیشہ وہاں قدم رکھتا ہے جہاں اپنوں کی محبت آپ کے لئے کمزور ہوگی۔ جہاں اپنوں کی محبت کمزور ہو وہاں کبھی عورت کے کردار کو نہیں کوسنی چاہئے۔ اپنوں کی عزور محبتیں ش رکھیں کے لئے اپنے دماغ کی ایک دروزے ہمیشہ کھلے رکھنے ہیں۔ کوئی بھی ہمارے خلاف کھیل کے جا سکتا ہے۔ اپنوں کے لگائے گئے دکھ عورت کو اپاہج کر دیتے ہیں۔ عورت کو پیروں سے لا کر اسے اس کے اپنے میدان میں آ جائیں۔ تو عورت کوہ مکرن خود میں چھڑ دیتی ہے وہاں عورت کو مجھ ثابت ہی نہیں کرنا ہوتا۔ وہ خود کو غلط ثابت کرنے نکل جانا چاہتی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ میدان عورت کو امیر کو زیبا نہیں دیتا۔ اگر آپ اپنی ہی نظر میں غلط ہیں تو خود کو غلط ہی رہنے دیا کریں۔ کیونکہ میں نے اپنی زندگی کا ہر مس کلمئں ہاری :۔اس مقام پر خود کو نہیں پر زور پر phase صحیح ثابت کرنے کا بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اطمینان خوشی اور اطمینان سے عبور کیا۔ میں نے کبھی مشکلوں سے ہار ہا تب میں مانی۔ ہاری میں تب جب میرے اپنوں نے مجھے مار دی۔ جب میرے والد اور بھائی نے مجھے غلیظ ، گندے اور گھٹیاں ناموں سے پکاراری۔ میری آدھی موت تب ہوئی۔ جب میرے اپنے گہری خونی رشتوں نے مجھ ذلیل کیا۔ مجھ بدنام کیا۔ مجھ پر کلمہ رسوا کیا۔ میں جہاں رہتی مجھ وہیں ذلیل کیا ۔ کبھی فلانے لڑکی سے بات کراؤ کبھی فلانے لڑکی کا نمبر چاہیے منڈ دو بھی کیا ، کو بھی کیا۔ پتہ نہیں کونسے حدوں ہوئے میں جو لڑکی کو کھو رت پہنے ہیں۔ جو جینا طعنے ہیں۔ میں نے تو ایک بھی لمحہ زندگی کا چین طرح نہیں جیا۔ نہ بھی مجھ یاد آیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجھ ہر آزمائش سے گزارا مجھ کوئی شکوہ نہیں کہ اس نے مجھے آزمابکس ہموں گی یا کبھی دل سے ہنسی ہوں گی۔ ہر درد ہر آزمائش سے گزارا۔ بلکہ میں تو شکر گزار ہوں کے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر دھند صاف دکھایا۔ اور میرے اندر اربا نئی تحریریں پیدا کی۔ اس سفر میں میں نے بہت کچھ سیکھا رشتوں سے ، گھر سے خونی رشتوں سے دوستوں سے ہر رشتے میں میں سیکھا اور ایک بہت اچھا Lesson learn گیند کیا۔ میں نے مجھے بتایا کہ ز اصل میں کیا ہے اور اس زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔ ہم دنیا سے لو لگانے پس آئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے مجھ تھا اور ہیں۔ میں پورا ایک ہمیں جانا ہے۔ بس۔ اک بد بختی پر تیسرا شخص بھاری جو سوچتے کتنے ہیں نکالے لوگ اپنے پاس ہوں۔ یہ پٹے ہیں تو سین ہوں مجھ نہیں کتے ہیں۔ آپ کو جو کچھ بھی سہا جاتا ہے وہ آپ کے اندر کہتے ہیں وہ آپ۔ پھر باہر نکلتا ہے۔ آپ کے گھر پہلا کسرہ فوع ہوتا ہے۔ لوگوں کو کیا پتہ کہ آپ کی زندگی میں کیا چل رہا ہے۔ لوگوں کو اتنا پتہ کے آپ کا کردار کیا ہے۔ لوگوں کو کیا پتہ کے تڑپ کیا کہ کیا ہے۔ زور کیا ہیں ؟ جو بھی ہیں جلتی ہے وہ آپ کے گھر سے جلتی ہے۔ آپ کے کپڑوں کی اونچی آوا زوں کا میٹوز جاتا ہے لوگوں کو کے آپ کیسی ہیں۔ آپ کی تذلیل سب سے پہلے آپ کے گھر والے کرتے ہیں۔ لوگ بات تب ہی کرتے ہیں جب آپ کے والد اور بھائی کی دل کی دیواریں آپ سے پہلے کمزور ہوں۔ پر سزا بیٹی کے دور میں

کیوں۔ اندرونی تیسرا آپ کو آگے کوئی بات کہہ رہا ہے تو کیوں سن کا ہے۔ کہ کسی تیسرے کی بات سن کر آپ fault رہے ہیں۔ یہ آپ کا اپنی بہن بیٹی کو بد کار یا بدکرداری سرٹیفکیٹ تھا رہے ہیں۔ اگر تیسرے نے بات کی ہے تو اس کا مقصد کیا ہے۔ آپ کے گھر کا سکون تباہ کرنا غلط فہمیاں پیدا کرنا ، نفرتیں ڈالنا۔ تیسرا شخص تب ہی

خوش ہوتا ہے۔ اس کا ما آپ کا۔ کتنی بے وقوف تیسرے شخص کی بات غور اور تسلی سے سنتے ہیں۔ اتنے غور اور اطمینان سے کبھی اپنی بیٹیوں اور بہنوں میں ہر چیز بھول سکتی ہوں لیکن اپنے باپ اور بھائی کے یہ بھی نہیں بھولوں گی :-کو بھی سنا ہے اپنے اپنوں نے۔ کبھی نہیں۔ وہ غلیظ لفظ کبھی نہیں بھول سکتی۔ مجھے وہ لفظ ساری زندگی چبھن ہے کھائیں گے کھوکھلا کریں گے میں کچھ بھی بھول سال چھٹی بھائی نے جس کو ہمارے گھر میں8 ،7 سکتی ہو وہ آخری تشدد ہے۔ آخری تشدد کبھی نہیں بھول سکتی۔ مجھ سے بڑا سمجھدار سمجھا جاتا ہے اس کا تشدد میں بھول سکتی اس کے تشدد نے مجھے جسمانی زخمی نہیں کیا۔ میری حقیقی روح کو بھی زخمی کیا ہے۔ وہ تشدد وہ چیخیں کبھی بھول نہیں سکتی میری ان چیخوں نے آسمان کے سات پردے ہٹا دیئے ہوں گے اس یہ کھوکھلی عورت ہم بیٹیوں کے لیے ہی کیوں۔ وہ عورت جس سے اتنے بار لٹے- کھوکھلی عورت بیٹی کے لئے ہوں دن۔ مل کر بلانے کے بعد بھی گھر بیٹھی بھاگی نہیں ہیں۔ اے زندگی پہلا تو نے مجھے مارا !پھر مجھے ہر روز اپنوں نے بہت تھوڑا تھوڑ کر کے مارا۔ یہ عورت تن کیا ملی جاتی ہے۔ سال کا بیٹا تشدد کر کے اپنی مردت کا دکھا رہا ہوتا ہے۔ یہ عورت تب کہاں18 /جب ماں کی جگہ والی بہن پر چوتھی جگہ والا چلی جاتی ہے جب کان کو گالی گلوچ تانے۔ یہ عورت تب کہاں چلی جاتی ہے جب ماں پیر اونچی آوازوں کا شعور کرنا ہے۔ یہ کیسی عورت ہے۔ اس عورت میں اس کو کمزور پر غلبہ حاصل کرنا کہتے ہیں۔ مردور پر ہی زور کیوں چلتا ہے عورت کا۔ یہ بیٹی کے نصیب کی بات ہے۔ کچھ بیٹیاں بھاگ کر بھی ماں باپ کے جگر کا ٹکڑا رہتی ہیں۔ اور کچھ بدبیٹی کا نصیب :۔ نصیب گھر بیٹھ کر بھی بدکردار کہلاتی ہیں۔ کچھ بیٹیاں نصیبوں کی سراہ ہوتی ہیں۔ ان کے حصے صرف خ رے ہی خسارے آتے ہیں کچھ والدین ہمارا مائنڈ پہلو کو نہیں دیکھتے وہ ہمیشہ منفی پہلو نہیں دیکھتے ہیں میرے والد کے ٹمپرامنٹ میرے عصی و ل پلو بھی ہے لیکن ان ہر ایک بار بھی غور نہیں نہ ان کا ذکر۔ ذرا اور غور ہو تو منفی پہلوؤں پر صبر میں نے ایک میری خامیوں کا نشان تو ہزم عام رہا مگر میری کوششوں کا ذکر کسی داستان میں نہ تھا !میں نے ایک بات سیکھی ہے کہ ہم چاہے جتنے مرضی اچھے بن جائیں ہم چاہے کسی کو جتنا ہی خوش رکھ لیں کتنی ہی اچھا ئیاں کر لیں۔ لوگ وہی دیکھیں گے جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہی کریں گے جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہی بولیں گے جو وہ بولنا چاہتے ہیں۔ آپ کیا ہیں وہ

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 23 :کچے آنگن میں ٹاٹ کی اکیڈمی

پھٹا ہوا ٹاٹ، محلے کے بچے اور خود انحصاری کی پہلی اینٹ

خلاصہ :ایم فل کی چوبیس ہزار فیس جمع کرنے کے لیے رجاء نے اپنے کچے آنگن میں ٹاٹ بچھا کر غریب محلے کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا اور خود انحصاری کے ذریعے گاؤں کی فکری فضا بدل ڈالی۔

◆ ◆ ◆

کسی مادی وسائل کے بغیر علمی بلندیوں کے خواب دیکھنا انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے، جب تک کہ وہ اپنے قدموں تلے بکھری مٹی کو سونے میں بدلنے کا ہنر نہ جان لے۔

ایم فل کے پہلے سمسٹر کی داخلہ فیس چوبیس ہزار روپے تھی :ایک ایسی رقم جو اس کچے دیہات کے غریب گھرانے کے لیے آسمان سے تارے توڑ لانے کے برابر تھی۔ ابا نے صاف انکار کر دیا تھا اور حمزہ کی جیب میں اپنے سگریٹوں کے خرچ کے سوا کچھ نہ تھا۔ میرے پاس بچنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا :علم کا سودا کیے بغیر علم کی طاقت سے رزق کمانا۔

میں نے برآمدے کے پچھلے حصے سے پٹ سن کا ایک پرانا، پھٹا ہوا ٹاٹ نکالا، اسے کنویں کے تازہ پانی سے دھو کر صاف کیا اور اپنے گھر کے کچے آنگن میں نیم کے درخت کے تلے بچھا دیا۔

عصر کے وقت میں محلے کے ان گھروں میں گئی جہاں کے بچے سرکاری اسکولوں کی ناکارہ تعلیم اور غربت کے بوجھ تلے پس رہے تھے۔ میں نے ان کی ماؤں سے کہا " :مجھے آپ کے بچوں کو انگریزی، حساب اور معاشرتی علوم پڑھانے ہیں، اور فیس صرف اتنی ہوگی جتنی آپ باآسانی دے سکیں :کسی سے پچاس روپے مہینہ اور کسی سے سو روپے۔"

پہلے دن صرف چار بچے ٹاٹ پر بیٹھے۔ ان کے پاس پھٹی ہوئی سلیٹیں اور آدھی پنسلیں تھیں۔ لیکن جب میں نے پڑھانا شروع کیا، تو اس ٹاٹ کے اوپر ایک جادوئی بستی آباد ہو گئی۔

پر ئیچھابھول جائیں گے۔ نہ آپ کی محبت نہ اخلاق نہ خلوص کچھ نہیں دیکھیں گے۔ دیکھیں گے تو آپ کی وہ معمولی سے غلطی جو آپ کی ہر ابھاری پڑ جائے گی۔ یہ بے لدنیا ہے ہیں لوگ اور یہ ہیں ہمارے اپنے خونی جو والدین کہتے ہیں کہ ہمارے بچے ہمیں کچھ بتاتے نہیں ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ والد ینوالدین اور بچوں کا تعلق :-رشتے غور کریں ان کے گھر میں بچوں کے کیا کھو ان کا۔ ماحول کیسا ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو گھر میں کیسا ماحول دیا ہوا ہے والدین کا اپنے بچوں کے ساتھ تعلق کیسا ہے۔ باتیں وہاں شیئر ہوتی ہیں۔ جہاں دوستانہ ماحول ہو۔ جہاں والدین کا اپنے بچوں کے ساتھ باپ والا کم رشتہ کم اور دوستی والا زیادہ ہو گا۔ وہاں باتیں سفر ہوتی ہیں۔ وہاں مسائل نہیں ہوتے وہاں گلے شکوے نہیں ہوتے۔ ان رشتوں میں خود اعتمادی ہوتی ہے۔ ایسے رشتے میں ایک دوسرے کی بات کو سراہا جاتا ہے۔ گھر والدین کہتے ہیں کہ ہمارے بچے ایسے ہیں۔ دوسری کی اولاد ایسی ہماری اولاد ایسی۔ اس نے یہ کر دیا اب وہ کر دیا۔ جن والدین کے سامنے آتے ہی بچے ڈر جائیں سہم جائیں جو بات کرنے سے کترائیں وہ کیا امید رکھیں کہ وہ جو بات کریں گے وہ سراہی جائے گی ان کی مانی جائے گی یا ان کو اس چیز سے

نیاکرتے ہیں۔ treat سمجھا جائے گا۔ جو والدین اپنوں کو والدین کی طرح وہاں زن کے ایک دوسرے پر کا حق ہے۔ شدید بھی میرا ایک سوال ہے والدین سے !جو کہتے ہیں کہ ہماریباہر کی د اور بیٹی کا کردار :-اچھے اور مضبوط نہیں ہو سکتے بیٹیاں گھر بیٹھ جائیں کیا گھر بیٹھو جانے سے ان کے کردار ٹھیک ہو جاتے ہیں ؟ نہیں بالکل نہیں !جن بے کردار خراب ہونے ہیں وہ لڑکیاں جب باہر نکلتی ہیں تب ان کے کردار ٹھیک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کا ہر رنگ دیکھتی ہیں۔ انہیں سمجھ آجاتی ہے کہ دنیا کیسی دکھتی ہے اور کیسی ہے ہیں اور وہ ہے وہ دکھتی نہیں ہے ان ہو لیمٹا ہو جاتی ہیں جو Expose کے سامنے ہیں۔ جب چہرے اور جنیں انہیں حقیقی دنیا کا پتہ دیتی ہیں اور پھر ان کے کردار جاتے ہیں۔ عورت بوڑھی بھی بدکردار نہیں ہوتی میں عورت کو بدکردار کہتی ہی نہیں ہوں اور نہ کہنا چاہیے۔ ہر انسان ایک کہانی رکھتا ہے ہمیں کیا پتہ اس کی کہانی میں کیا ہے۔ اس کو کتنے درد اور کتنے زخم ملے ہیں۔ نہ ہم نے وہ زخم دیکھے ہم اور نہ ہم ان کے ساتھ ان کی زندگی کے سفر میں نہیں پتہ ہیں یہ انہیں دوسروں کی زبانوں سے سن کر انہیں جج کرنے ہوئے کا خطاب دے دیتے ہیں حسد کے شاہیں لوگ ایسا۔ وہ نہ جانے زندگی کے کس دور گزار کر اور اذیتوں سے گزر کر یہاں پہنچی آپ لوگوں سے نر بلیڈ شرب قنےلٹ سے لئے گا۔ جب وہ درد میں اذیت میں چیخ رہی تھی تب کون تھا اس عورت کے پاس "اب دنیا والے "بن جاتے ہیں ان عورتوں کو کیوں نہیں سنبھال لیتے۔ جب وہ ہر غم درد سے نکل کر خوشی سے اپنی زندگی جینے کی کوشش کرتی ہے تب گھر یوں گھیر آتے ہیں انہیں بتانے کے لئے کہ

لو بھی تو ئےجاوہ کیا ہیں۔ یہ ہے اصل دنیا کوئی مر رہا ہو رو گا تو لوگ پانی تک دینے کی زحمت نہیں کرتے اور کوئی شخص فرطِ غم سے آگوں کو مسئلہ ہے۔ مرنے پر بھی نقص نکالتے ہیں اور جینے پر بھی نقص نکالتے ہیں۔ کسی کے زخموں کی مرہم پٹی کے لئے لوگوں کے پاس ٹائم نہیں ہوتا اور اگر کسی پر انگلی اٹھانی ہو تو گلے سے آواز نہیں بھی نکل رہی ہوگی تو بھی ناک سے سٹی بجا کے اپنا فرض ضرور پورا کریں گے۔ حیرت والی بات یا حیرت والی بات تو خیر نہیں ہے۔ یہ دنیا ہے یہاں سے ہر قسم کی امید رکھنی چاہیے۔ اس دنیا میں کچھ بھی ممکن ہے۔ آپ ہر چیز کی توقع رکھیں اس دنیا میں کہ جس کیس کا بھلا کریں گے وہی آپ کو دھوکہ دے گا آپ کی جڑیں کاٹے گا۔ وہ آپ کے پیروں سے زمین بھی کھینچے گا اور آسمان بھی چھینے گا آپ کے سر سے۔ میرے صاف کردار پر صاف داغ نظر آئے ہیں !مجھ پر زمانے ہیں میں نے اپنوں نے لگائے ہیں !میں نے ہمیشہ کردار عورت کے کردار پر شعر سنے کہ عورت ایسی عورت ویسی ۔ عورت کا کردار ایسا عورت کا کردار ویسا۔ عورت کا کردار خراب کون کرتا ہے زمانے والے یا لوگ ۔ نہیں عورت کا کردار نہ زمانے والے اور نہ زمانے کے لوگ خراب کرتے ہیں ۔ وہ تو بس ان کا گھر میں اونچی آوازوں کا شور سن کر کرتے ہیں۔ ورنہ لوگوں کو کیا پتہ کس کی بیٹی کیسی ہے ۔ لوگ تو بس اس عورت کے گھر والوں کے منہ سے نکلے لفظوں کو تراش کر عورت پر باتیں کرتے ہیں ۔ بیٹی پر

اونچی آوازوں کا شور بتاتا ہے کہ لوگوں کو کہ اس کا کردار کیسا ہے ۔ کہ گھر والے ہی تو ہوتے ہیں کہ جو اونچی آواز میں کس کر بیٹی کے کردار کی تشہیر کرتے ہیں ۔ لوگ تو وہی سنتے ہیں جو آپ خود سے بول کر بتا رہے ہوتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں کا ۔ نصِ کی دار تو بیٹیوں کو ہر جگہ پڑتی ہے ۔ لیکن اپنوں کی مار پر جاز پر بھاری ہے ۔ کہ یہ اپنے نام کھا لی ہی تو ہوتے ہیں جو بیٹیوں کے وجود میں گرم بنیں لگا کر باتوں سے پاس کو چھتے ہیں۔ ہر عورت اپنے کردار کے پیچھے ایک کہانی رکھتی ہے۔ عورت کبھی بدکردار نہیں ہوتی۔ یہ تو بس ہم نے عورت کو نا جانے سے بدکرداری کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ آپ کے گھر والے چلے آپ کو باہر در در یا در در بنا دیں گے گھر والے جب دیکھیں گے اس لڑکی کے گھر والوں کی عزوریاں تو کیا تم بولتے ہیں۔ بولنے کے علاوہ لوگ کچھ نہیں کرتے اور کچھ دن بول کے پھر غائب ہو جاتے ہیں لوگ کردار کی اصل لڑائی تو عورت کو اپنے گھر والوں سے لڑنی پڑتی ہے۔ جہاں عورت کو ہر دن ذلیل کیا جائے آپ سچ ہو کر بھی غلط ٹھہرائے جائیں ۔ جہاں آپ کا سچ آپ کے اپنوں کو جھوٹ اور تیسرے کی جھوٹی بات سچ لگے۔ اس گھر میں عورت کا وجود تین ہفتوں کے اندر اندر، میرے کچے آنگن کی وہ 'ٹاٹ اکیڈمی 'پورے گاؤں کا سب سے بڑا چرچا بن گئی۔

میں روایتی رٹا سسٹم کی قائل نہیں تھی۔ میں ان دیہاتی بچوں کو خاکے بنا کر، کہانیاں سنا کر اور عملی مشاہدات کے ذریعے دنیا کا شعور دیتی تھی۔ شام چار سے رات آٹھ بجے تک وہ چٹائی بچوں کے معصوم قہقہوں اور پہاڑوں کی گونج سے جگمگا اٹھتی تھی۔

بچوں کی تعداد چار سے بڑھ کر ستائیس تک پہنچ گئی۔ ان میں کسانوں کی بیٹیاں بھی تھیں جنہیں اسکول بھیجنا جرم سمجھا جاتا تھا، اور ان مزدوروں کے بیٹے بھی تھے جو دن بھر اینٹوں کے بھٹے پر مزدوری کرتے تھے۔

جب ان بچوں کی مائیں شام کو چائے کی پتی، مکھن کا پیالہ یا دس دس روپے کے مڑے تڑے نوٹ لے کر آتیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دیتیں، تو مجھے محسوس ہوتا کہ یہ محض پیسے نہیں ہیں، یہ ان مظلوم ماؤں کی دعائیں ہیں جو میری کشتی کو طوفانوں کے پار لے جانے کے لیے اکٹھی ہو رہی تھیں۔

اس ٹاٹ نے مجھے سکھایا کہ انسان کو اپنی جنگ لڑنے کے لیے محلات کی ضرورت نہیں ہوتی؛ کچی مٹی پر کھڑے ہو کر بھی خودداری کا پرچم بلند کیا جا سکتا ہے۔

بے حسی ہے۔ جس گھر میں تیسرے کسی شخص کی بات کی اہمیت ہو۔ وہاں سمجھیں آپ کا وجود کبھی تھا ہی نہیں ۔ اس گھر میں نہ کبھی کسی نے آپ کو محبت کی اور نا سمجھا۔ جہاں محبتیں کمزور ہوں وہاں پر ہی تو تیسرا شخص پنجے گاڑھتا ہے ۔ اس گھر میں نہ بیٹی کا ہاتھ مضبوط ہوتا ہے اور نہ بیوی کا ۔ تیسرا شخص تب ہی کردار پر وار کرتا ہے جب باپ اور بھائی اس میں کردار ادا کرتے ہیں۔ ورنہ کسی تیسرے کی کیا جرات کہ اس کے باپ اور بھائی کو باتیں لگا جائے۔ کمزور یا ہیرے تو خود ہی رہتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے جہاں بھائی تو کسی تیسرے کی بات سنتے ملکی تو ماں اور بھائی اس کا دماغ کھائیں گے۔ اور اتنی ہول کھا کر آپ پر کیچڑ اچھالیں گے۔ کہ نہ دماغ سے باتیں نکالیں گے کریں گے۔ جو چیز آپ

کے آپ نے نہیں کی ہوگی ہر وہ بات آپ پر تھوپے گے۔ جب آپ کے اپنے آپ کو کٹہرے میں کھڑا کرنے لگے۔ آپ کا سچ بھی آپ کے اپنوں کو جھوٹ لگے۔ جہاں بار بار بار بار چیخ چیخ کر آپ کو صفائیاں دینی پڑیں اپنے کردار کی۔ تو یہاں عورت کو خود کو بدکردار ہی رہنے دینا چاہیے۔ کوئی صفائی نہیں دینی چاہیے۔ جو آپ کو بولنے کا موقع نہیں دے رہے وہ آپ کو سنیں گے سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تب عورت کو صرف خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ کیونکہ جب آپ صحیح ہو کر بھی یہاں آپ کو غلط بنایا جا رہا ہے وہاں آپ کی بات کی کبھی سنوائی نہیں ہوگی۔ اپنے کردار پر سنی ہر بات پر عورت کو صرف خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ اندر سے چاہے آپ ٹوٹ پھوٹ رہی ہوں ذرہ ذرہ بکھر رہی ہوں پھر بھی خاموشی اختیار کریں ۔ اور مان جائیں کہ آپ بدکردار ہیں ۔ بجائے اس کے کہ آپ رو رو کر چیخ چیخ کر خود کو ثابت کریں ۔ اپنے کردار کو ثابت کریں ۔ مت کریں ۔ اگر آپ کے مان اور بھائی کو یقین چیں سو تو ہیں ئیں تک آنے ہی نہ دیتے کہ stage ہوتا تو آپ کو اس لے آ اس گھر میں عورت کی وقعت کتنی عزور ہوگی ۔ چھڑ دیں ہر وہ رشتہ جہاں بار بار آپ کو اپنے کردار کو ثابت کرنا پڑے ۔ معاف کر کے دور ہو جائیں ۔ نہ شکوہ کریں نہ شکایت کریں ۔ وقت کہ چیز کو ثابت کر دیتا ہے ۔ جب آپ بدظنہ ستم پر در در پر تکلیف ہر اذیت سے نکل لیے یہ آزمائش کے ہر ہر پہلو سے نکل لئے ہیں تو کردار کی آزمائش سے بھی نکل جائیں گی۔ کردار پر وار آخری وار ہوتا ہے ۔ اس کے بعد آپ کے ساتھ مزید کچھ برا نہیں ہو سکتا ہے۔ کردار پر وار کے بعد عورت کے پاس بچتا ہی کیا ہے۔ اس کے بعد عورت کے ساتھ مزید کچھ برا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ عورت کے وجود پر اذیت کی آخری حد ہوتی ہے کہ اس کے کردار کو داغ دار کیا جائے ۔

کیو جب بات عورت کے کردار پر آجائے تو اس عورت پر یہ آخری حملے ہے، ستم کی درد کی ، اذیت کی ، ہمیشہ مضبوط عورت کے کردار پر ہی وارں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کھوٹے نہیں بکتی کسی بھی مشکل کسی بھی چیز کسی بھی انسان کے ساتھ ۔ ایک مضبوط عورت کا جب کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو کم ظرف لوگ اس کے کردار پر وار کرتے اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کے کردار کو داغ دار وہی لوگ کریں گے جو آپ کو آگے بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے ۔ جو آپ تک پہنچنے کی سکت نہیں رکھتے ہوں گے وہی آپ کے کردار پر وار کریں گے ۔ جب لوگ عورت کو گرانے میں ناکام ہو جائے ہیں تو وہ کم ظرف لوگ آپ کے زینوں کے دماغوں میں آپ کے لئے زہر ڈال دیتے ہیں ۔ نفرتیں پیدا کر دیتے ہیں "جو لوگ مقابلے میں "نہ لے وہ دوسروں کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرتیں غلط فہمیا ں اور زہر بھرنا شروع کر دیتے ہیں اور رجاء نے بھی یہی کیا ۔ جب مجھے آگے بڑھنے سے نہیں روک سکی ، میرا حوصلہ پست نہیں کر سکی تو میرے کردار پر آگئی ۔ لیکن تب مجھے ذرا فرق نہیں پڑتا کسی سے ۔ کردار پر کیچڑ عورت کی آخری آزمائش ہوتی ہے۔ اس کے بعد عورت کے صبر کی بھی انتہا ہو جاتی ہے ۔ اس حالت میں عورت کو تو رب پر دروازہ بند نظر آتا ہے خود پر ۔ پھر یہاں سے اللہ تعالیٰ کے معجزات شروع ہوتے ہیں ۔ جب ہر دروازہ بند ملے تو اس

کے لیے اللہ اپنا دروازہ کھولتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کسی کے لیے دروا زہ کھول دے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی اسے بند کر سکے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ خود اسے سنبھالتے ہیں ۔ اور جسے اللہ تعالیٰ سنبھالیں اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا ۔ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں پر صبر کیا ۔ اور دل بڑا کر لیا ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے ہر راستہ آسان کر دیتا ہے ۔ دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی ۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ ے ہیں کہ کیا یہ میں نے پایا ؟ میں نے یہ سب کر اُس کو اتنی کامیابیوں سے نوازتا ہے کہ آپ خود بھی حیران رہ جاتے ہیں نوازے جو مج ھی لیا ۔ تو کبھی کرنا آپ کے پلے تو رات تھا جو بھی آپ کو نا ممکن لگتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی کام میں آپ کو کامیابیاں عطا کرتا ہے اور آپ کو آسمان کی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کی کامیابی سے اسے بنتا ہے "جو آپ کی پوری زندگی کو ایک مثال بنا دیتا ہے ۔ ہر درد سہنے والے کی ایک تاریخ لکھی جاتی ہے۔ تاریخ ہمیشہ انہی کی لکھی جاتی ہے جنہوں

میں گیندنے اپنی زندگی میں بے پناہ تکلیفوں ، اذیتوں اور ہر طرح کے ظلم و ستم کا سامنا کیا ہوتا ہے ۔ جنہوں نے صرف اور صرف اپنی ز درد جھیلے ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں ہونے والے حادثوں سے تجربات حاصل کئے ہوں ۔ انہی کی تاریخ لکھی جاتی ہے ۔ عورت اپنی زندگی میں کتنی مضبوط لڑکی ہے ۔ لیکن کردار پر لڑی جنگ آخری ہوتی ہے اس انسان کے گرنے اور گھٹیا ہونے کا آخری درجہ ہوتا ہے ۔ جب وہ عورت کو ہرانے کی تمام کوششوں میں ناکام رہے تا اور پھر وہ اس کے کردار پر وار کرکے ہرانے کی کوشش کرے۔ یا پھر اس عورت کے اپنوں کو اس کے خلاف کھڑا کر کے اسے کمزور کرنے کی کوشش کرے۔ اس میں وہ لوگ اس کا نہیں اپنا اصل دکھاتے ہیں۔ اپنا گند دکھا دیتے ہوتے ہیں ۔ عورت کے لئے ایک بات کہنا چاہوں گی ۔ کہ ذلیل ہو جائے بدنام ہو جائیں ، خوار ہو جائیں لیکن ان لوگوں عورت کے مقابلے میں کامیاب نہ ہونے دیں ۔ کبھی گھٹنے نہ ٹیکیں ، کبھی خود کو عزور نہ کریں ۔ زمانے کے ڈر سے کبھی خود کو نہ گرائیں ۔ عورت کا ایک خمیر بھی ہوتا ہے۔ جسے اس نے مطمئن کرنا ہوتا ہے ۔ آپ کا خود سے مطمئن ہونا زیادہ ضروری ہے۔ دوسری بات عورت کو کمانا چاہئے اتنا کہ وہ اپنے لئے ایک گھر خود بنا سکے ۔ اپنے پیسوں سے ۔ عورت کے پاس اپنا ایک گھر ہونا بہت ضروری ہے ۔ کہ جب آپ کے اپنے آپ سے تنگ ہو جائیں تو آپ وہاں اپنا سر چھپا سکیں ۔ جہاں آپ پر اونچی آوازوں کا شور نہ گونجے ۔ جہاں عورت اپنی مرضی سے ہنس سکے ۔ جہاں اسے عزت کے نام پر کوئی بار بار تشدد کا نشانہ نہ بنا سکے ۔ جہاں وہ اپنی مرضی سے سو جاگ سکے ۔ جہاں وہ تھوڑے ٹائم کے لے خود کے لئے جی سکے ۔ جہاں اسے ہر کسی کے نوالے کا ڈر نہ ہو ۔ جہاں تھوڑے ٹائم کے لیے آپ اپنی مرضی سے ، اپنے من مطابق رہ سکیں ۔ رشتے چاہے کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ۔ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں عورت کا مان توڑ ہی دیتے ہیں ۔ عورت کا اپنی کمائی سے بنایا ہو ا ایک گھر ضروری ہے۔ اور اتنا کمائے کہ اپنی چھٹی چھٹی خواہشات اور ضروریات خود پوری کر سکے ۔ عورت کو ہر حال میں کمانا چاہئے ۔ عورت

کا کمانا آج کے دور میں سب سے زیادہ ضروری اور اہم نقطہ ہے۔ دو چار پیسوں کے لئے کسی کا منہ نہ دیکھیں ۔ کسی کی محتاج نہ بنیں۔ کمائے عورت بس ۔ میں اپنے خاندان کی سب سے نکمی نااہل لڑکی تھی۔ میرے آج تک کسی سبجیکٹ میں اچھے نمبر نہیں آئے

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 24 :مٹی کی گلک اور محنت کے سکے

کچی مٹی کی گلک، محنت کے دس دس روپے اور حمزہ کی تلاشی سے حفاظت

خلاصہ :حمزہ اور خاندانی جاسوسوں کی نگاہوں سے بچاتے ہوئے رجاء نے اکیڈمی کی کمائی کچی مٹی کی گلک میں جمع کی اور چولہے کی راکھ و آٹے کے ڈرم کے پیچھے چھپا کر اپنے خوابوں کا قلعہ تعمیر کیا۔

◆ ◆ ◆

ایک ایسے گھر میں اپنی محنت کی کمائی کو محفوظ رکھنا جہاں بھائی کو کسی بھی وقت بہن کے بکسوں اور درازوں کی تلاشی لینے کا پیدائشی حق حاصل ہو، ایک کڑا اور اعصاب شکن معرکہ تھا۔

گاؤں کے گدھا گاڑی والے کمہار سے میں نے کچی مٹی کی ایک سادہ گلک خریدی :ایک گول مٹول پیالہ جس کی پیشانی پر سکہ ڈالنے کے لیے استرے کے برابر باریک شگاف بنا ہوا تھا۔

میں روزانہ رات کو بچوں سے ملنے والے دس، بیس اور پچاس کے پسینے میں تر نوٹ اور بھاری سکے اس گلک کے پیٹ میں اتارتی۔ ہر سکے کے گرنے کی جھنکار میرے دل میں امید کی نئی مشعل روشن کر دیتی تھی۔

لیکن خطرہ ہر لمحہ سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ حمزہ اکثر بغیر دستک دیے میرے کمرے کا دروازہ لات مار کر کھول دیتا، اس کی نظریں میری کتابوں، کاپیوں اور بستر کی چادروں کو اس طرح ٹٹولتیں جیسے وہ کسی چور کی پناہ گاہ کا معائنہ کر رہا ہو۔

اس کی چوکسی سے بچنے کے لیے میں نے وہ مٹی کی گلک کچے باورچی خانے کے سب سے تاریک کونے میں، آٹے کے بڑے لوہے کے ڈرم اور چولہے کی راکھ والے تندور کے درمیان مٹی کی اینٹیں ہٹا کر چھپا دی تھی۔

✦ لڑکی کا لڑنا اور نہ ہی آج تک میرے کسی کلاس میں اچھے نمبرز آئے ۔ نہ میں نے کبھی ٹاپ کیا۔ میں نے ہمیشہ اپنی طرف سے پوری محنت کی ۔ لیکن کبھی کہیں اچھے نمبرز نہیں آئے ۔ میرے سارے خاندان والے یں کرتے تھے کہ یہ نکمی criticise پھپھو ، بھائی ، کزن ابو سب مجھے ، ہے ۔ اس نے پڑھنا نہیں ہے ۔ اس کی پڑھائی بند کروا د ۔ یہ نہیں پڑھ سکتی یہ نکم ٹو ہے کی۔ اتنے کم نمبرز والی لڑکیاں آگے نہیں جا سکتی ۔ ایسی لڑکیاں اپنی زندگی میں کچھ نہیں کر سکتی

۔ ان کا کوئی فیوچر نہیں ہوتا ۔ رسٹ آئے سٹوڈنٹ اپنی زندگی میں کچھ نہیں کر سکتے ۔ اس کے نمبر کم ہیں ۔ تسلی جان نہیں لگتی یہ ۔ من

پڑھے ۔ نا جانے کتنے سالوں تک گئی یہی باتیں سنی ۔ ہمیشہ سب نے ڈی کو کے سبجیکٹ میں میں Math گریڈ کیا ۔ ہمیشہ سب نے ٹونٹ کیا ۔ ہمیشہ فیل ہوتی تھی ۔ میں ریاضی کا پیپر ہمیشہ دو بار دے رہی فلٹر آتی تھی ۔ سب گھر والوں مجھ پر شدید غصہ آتا تھا ۔ جب بھی رزلٹ آتا لڑائی جھگڑا مار پیٹ شروع ہو جاتی تھی ۔ ہمیشہ میری ماں کو باتیں سننی پڑتی ۔ روپیر سے میرے ابو میرے کزن کو بلا کے لا کہ اس کے اتنے نمبر آئے ہیں ۔ وہ سب آگے اچھا خاصا ذلیل کر کے جاتے تھے فلاں نے اتنے نمبرز لے ۔ فلاں کو یہ ملا ۔ تم نے کیا کیا ۔ پیسوں کو بہا جاتا ہے اسے چھڑوا دیں ۔ اس کے آگے بھی اتنے نمبرز آنے ہیں نہ یہ پڑھ پڑھ کر یہ ضائع ہوں گے ۔ اور میں ڈر جاتی جب پھپھو اپنے کی بات ہوتی مجھے بہت بہت شوق تھا پڑھنے کا ۔ اپنی زندگی میں کچھ بننے کا ، میں گھر پر اپنی طرف سے محنت کرنے کی کوشش کرتی لیکن نہیں آتے تھے نمبرز ہمیشہ میرا مقابلہ دوسر وں سے کیا جاتا ۔ فلاں کی بیٹی تم سے اچھی ہے ۔ فلاں کی بیٹی ایسی ہے ۔ فلاں کی بیٹی نے یہ کر دیا ۔ تم نے صرف ہمارے پیسے ضائع کرنے ہیں ۔ یہی زندگی سال یہی سنتے سنتے گزرے ۔ جو والدین پڑھتے ہیں کہ فلاں کی بیٹی وہ ان کو اپنی بیٹیاں بنا کر دیکھو کیا تم میں کتنی20 کسی کے اچھی ہیں ۔ پتہ لگ جائے گا۔ جو آپ کی اولاد نے آپ کے لئے کرنا ہے وہ دوسرے کی اچھی اولاد نے آپ کے لئے نہیں کرنا کبھی نہیں سخت نفرت ہے مجھے اس کمن ئے ر یزن سے ۔ ہر انسان اپنی ایک الگ شخصیت رکھتا ہے ۔ ان کی الگ شخصیت ہے میری کیا جاتا ہے compare الگ شخصیت ہے ۔ مجھ مجھ دوسروں سے کیوں کیا جاتا مجھے ہمیشہ یہ بات بہت بری لگی ۔ اور بہت غلط ۔ سنے کس میں کچھ کر نہیں سکتی تھی ۔ سوائے ہاں ہاں سننے کے ۔ کیونکہ پورے خاندان کا پریشر تھا ۔ میں نے کیا پڑھنا ہے میرے کب ہمیشہ د وسروں سے پوچھتے تھے کہ آپ لوگ بتائیں کہ کیا پڑھنا چاہئے ۔ جو دوسرے کہتے میں سو لے لیتی لیکن وہ بھی پڑھنا ہے ۔ وہی سبجیکٹ رکھنے ہیں ۔ اور کوئی نہیں ۔ اس نے کیا پڑھنا ہے یہ آج

ہو ھناپڑ کا حصے کے تک نہیں پوچھا گیا ۔ میں یہاں والدین کو کہنا چاہوں گی کہ دوسروں کے آئے اس کی کلاس میں نہیں بیٹھنا ہوتا نہ استا ہے ۔ لہٰذا اسے بچوں کو یہ حق دیں کہ وہ فیصلہ کرے کہ انہیں کیا پڑھنا ہے ۔ انہیں اپنے مائنڈ کے مطابق ڈگری چوز کرنے دیا کریں ۔ تاکہ رزلٹ آنے پر وہ بھی مطمئن ہوں اور آپ بھی ۔ جب آپ والدین دے بچے کو اس کے انٹرسٹ کے آکارڈنگ الگ اسے زبر دستی کسی سبجیکٹ میں ڈالیں گے تو وہ کیا خاک نمبرز لائے گا ۔ پھر رزلٹ آنے پر والدین کا ڈنڈا سر پر ہوتا ہے ۔ بچوں کو ان کے انٹرسٹ کے حساب سے پڑھائیں ۔ وہ کچھ بہت کچھ حاصل کرلے گا ۔ چاہے سٹوڈنٹ نارمل بھی ہوں ۔ وہ ان میں بھی بہت کچھ حاصل کر لے گا ۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان سے بہت مختلف پیدا کیا ہے ۔ دماغ الگ ہے ۔ سوچ الگ ہے ۔ پھر دوسروں سے کمن ئے ر یزن کیوں کرنا ۔ قرآن مجید میں اس پر احکامات بھی ہیں ۔ اور جو لوگ اپنی بیٹیوں کو کسی دوسرے کی بیٹی سے نواز نہ کریں تو وہ انہیں اللہ کے نزدیک سزا ملے گی ۔ سورہ نور ۔ اور جو لوگ اپنی بیٹیوں کو کسی دوسرے کی بیٹیوں سے موازنہ کریں تو

وہ اللہ کے نزدیک فاسق ہیں ۔ سورۃ 12 صل لگآیت نمبر ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایک احیت ، دماغ ، سوچ ، ذہانت سب 11 سے حجررات آیت نمبر الگ الگ رکھا ہے ۔ ہر انسان اپنی صلحیتوں کے مطابق نکھرے گا ۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان مختلف بنایا ہے ۔ پھر والدین کا ایک بچے کا دوسروں کے بچوں کے ساتھ موازنہ کرنا بنتا ہی نہیں ہے ۔ موازنہ بہت خطرناک چیز ہے ۔ جو آپ کے بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرتا ہے ۔ وہ بچہ اپنی صلحیتوں کو کھونے لگتا ہے ۔ ڈرنے لگتا ہے ۔ آگے بڑھنے سے کہ وہ پتہ نہیں یہ کر پائے گا یا نہیں ۔ اس سے ہوگا یا نہیں ، اعتماد کی کمی پیدا ہوتی ہے بچوں میں بے اعتمادی جب کسی بچے میں پیدا ہو جائے تو اس کی صلحیتیں دب جاتی ہیں ۔ کھو دیتا ہے وہ بچہ اپنی صلحیتوں کو ۔ یہ موازنہ بعض اوقات بچوں کو موت کی کاگار پر لے جاتا ہے ۔ میں اپنی بات کرتی ہوں یہاں کہ مجھ میں ہر کرنے کا ، ڈاکٹر بننے کا کہ ڈاکٹر بن جائی ۔ ان ج ن نکر CSL قسم کے میں ، بنیں سکتی ہے ۔ اس بات پر روز میری عدالتی پیشی سے AC، Dc کھڑے اس بات پر ۔ ڈی سی سب کو پروٹوکول نظر آتا ہے ۔ آگے پیچھے گاڑیاں نظر آتی ہیں ۔ لوگوں کے سورت بھائی کی سوچ ہے حالانکہ میں نکمی ہوں مجھے آج تک یہی بتایا گیا ۔ وہ ذہن فین ہے ہمارے مجھ سے یہ ڈنڈا ccs خاندان کا وہ2 میر ہیں تے نظر آے بنیں ، بتاؤ ٹھیک کرو ۔ میں نہیں کر سکتی ۔ ایک چیز میرے لئے بنی نہیں ہے میں ccs اسے کیوں مجھ جو لوگ اتنے بچوں کی پریشر ڈالتے ہیں وہ ایک بار گیندکے csc گنتا ہے ccs کی سمجھ نظر ڈالیں ۔ ساری میں جان نکال کر اسے باتوں سے نہیں ہوتا تھا ۔ ذہنی سکون جاتا ۔ مجھ اس ، میڈیا کروس پہلے اپنے کے بعد اس انسان کی اپنی کوئی ز

ایک جمعرات کی شام، جب میں کمرے میں لائبریری کی پرانی کتاب کی تلخیص لکھ رہی تھی، حمزہ اچانک دندناتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر وحشت اور بدگمانی کا زہر رقص کر رہا تھا۔

"!وہ غصے سے غرایا۔ "محلے میں افواہیں ہیں کہ تو نے گھر میں مدرسہ کھول رکھا ہے اور لوگوں سے نذرانے بٹور رہی ہے۔ کہاں ہیں وہ پیسے؟ تو کہیں ملتان فرار ہونے کی تیاری تو نہیں کر رہی؟"

میرے دل کی دھڑکن ایک سیکنڈ کے لیے تھم گئی، مگر میں نے اپنے چہرے کے تاثرات پر خوف کی ایک لہر بھی نمایاں نہ ہونے دی۔ میں نے قلم کو آرام سے میز پر رکھا اور اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"یہ میری تمہیں تلاشی لینی ہے تو لو، حمزہ، "میں نے سرد لہجے میں کہا۔ دراز ہے، یہ میری کتابیں ہیں اور یہ میرا بستر ہے۔ دیکھو اگر تمہیں میری حلال محنت کے چند سکوں کے سوا یہاں کوئی خرد برد نظر آئے۔ اور سن لو، جو بچیاں یہاں پڑھنے آتی ہیں وہ تمہارے دوستوں کی بہنیں ہیں۔ ان کی تعلیم کو نذرانہ کہہ کر تم اپنی ہی غیرت کا جنازہ نکال رہے ہو۔"

حمزہ نے میرے بستر کی تلاشی لی، الماری کے پٹ پٹخے، مگر راکھ کے پیچھے چھپی وہ مٹی کی گلک اس کی حریص آنکھوں کی پہنچ سے دور تھی۔

جب وہ غصے میں پیر پٹختا ہوا باہر نکلا، تو میں نے دیوار سے ٹیک لگا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ مٹی کی گلک محض سکے سمیٹنے کا برتن نہیں تھی، وہ ایک بیٹی کے خون پسینے، اس کی عزت اور اس کی خود مختاری کا ناقابلِ تسخیر قلعہ بن چکی تھی۔

سکتے چلا نہیں ضمیر پنیںنہیں رہتی ۔ نہ کوئی پر سنل لائف ۔ نہ آپ اپنی مرضی سے کہیں آ جا سکتے ہیں نہ کسی سے ملان کر سکتے ہیں آپ اجنہوں نے اتنا پروٹوکول دیا ہے انہوں نے کام کسی حد تک لینا ہے کبھی یہ ٹیکو سے ضمیر پنیکر کے اپنی اصلی ملاؤ ccs سوچنا ۔ لوگ رگڑ لئے ہیں دی کے آپ کی مرضی ختم ہو جاتی ہے ۔ آپ ا فیصلہ نہیں کر سکتے ۔ جو مجھے سے حکم آئے گا وہی کرنا ہو گا ۔ چاہے سچ یا غلط کرنا وہی ہے جو پچھلی کار ہوئے گی اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری ۔ جابز ہیں ۔ بس اس میں جو یوں نہیں جاتے سوچ پر ٹوٹول ہے ۔ جو لوگ اس چیز کو یا کسی دوسرے کو پریشر ائز کرتے ہیں ۔ وہ خود کریں ۔ آپ کو یہ چیزیں اتنی پسند ہیں تو خود لے لو دوسروں کے سر پر تلوار کیوں لٹکانی ۔ میرے بھائی نے مجھے کہا کہ ہم نے تمہیں پڑھایا ہے تم پر پیسہ لگایا ہے تم پر کو پروٹوکول ہو ۔ تمہاری گاڑی چار روز گارڈ گھومیں ccs خرچ کیا ہے تم ۔ تو میں دل میں ہنس دی ۔ بس سوچ پر کہ لوگوں کے لئے کچھ نہیں کرنا مفاد دیکھنا ہے اوروں کو خوش کرنا ہے ۔ اس لئے کرنا ہے تو پھر میں ، نا اگر اتنا پڑھ لکھ کر میں یہ سوچ رکھتی ہوں کہ میرا دروازہ گارڈ کھولیں تو میں سے صرف نقطہ نظر میں جاہل دیکھ نہیں کیا ۔ ان کتابوں سے ۔ میں سمجھتی ہوں اس مقام تک پہنچ کر اگر میری سوچ یہ بنتی ہے کہ میں اپنی گاڑی کا دروازہ نہیں کھول سکتی تو مطلب میں انسانیت کے دائرے سے نکل گئی ۔ یہ غرور ہے تکبر ہے حقارت کہ انسان کو انسان نہ سمجھنا کسی کی عزت نفس کو روندنا کہ وہ یہ بتانا کہ میں کوئی بہت بڑی چیز بن گئی ہوں ۔ میں سے کیا ہو گا لوگ میری عزت کریں گے میری واہ واہ ہو گی میرے خاندان کا نام روشن ہو گا ۔ لوگوں کو خوش کرنے کیا کرو تو یہ میری خود کے ساتھ اور achive کے لئے میں یہ چیزیں عوام کے ساتھ نا انصافی ہے میری ۔ کرنا ہے ایسا پروٹوکول کو لیکر جو مجھے انسانیت کے درجے سے گراد جب کوئی غریب مڈل کلاس کا کوئی قنطا کرنا ہے جو نا نا حقدار دویت ، پیسہ ، مل یہ achive بھی اس کو چیزیں نئی نئی ملتی ہیں تو انسان اس کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتا کم ہی لوگ صحیح معنوں میں اس کا استعمال کرتے ہیں پھر ان لوگوں کو زمین پر چلنے والے انسان کیڑے مکوڑے لگتے ہیں ۔ جسے مرضی روندتے جائیں ۔ انسان کی آنکھوں کے آگے پٹی آجاتی ہے ۔ صحیح غلط کچھ نظر نہیں آتا ۔ اقتدار بہت خطرناک چیز ہے ۔ اسے صحیح طریقے سے سنبھالنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے ۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے ۔ جو کوئی بھی منصفانہ طریقے سے پوری نہیں کر لاکھ کا کرنا15 سکتا میناور جو کرے گا وہ مارا جائے گا ۔ پاکستان میں تو یہ بالکل نہ ممکن ہے لاکھو کا میں سے بس ایک مجھے ہے ۔ کوئی ونڈرا کئی غریب کی ز کے کاغذات ہے آیا ہے جو مجھے ہر حال میں سائن کرنے ہیں کسی بھی طرح یہ ہڑپ کرواتی ہے

-

کر نہیں تو پشنکر یہ کہیں کہ والے کی کروڑ کی گاڑی میں بیٹھ protocol کے میں ایک ، ہیکر والی اور ریز والی والے کو چیک کرنے پہنچی ڈوڑی ہوں رہے کہیں یہ سوٹ مار تو نہیں کر رہے ۔ اصل کرپشن کون ہوا میں یا وہ ۔ اصل کرپشن میں ہوں جس کے پاس کروڑ کی گاڑی ہے ۔ غریب ہیں اندھا دھند کرپشن کرنے کا حق سرکاری افسران کو ہی نہیں ہے ۔ گورنمنٹ کر سکتی ہے سرکاری اہلکار افسران کر سکتے ہیں آرمی کر سکتی ہے ۔ جہاں اتنی کرپشن برداشت کرتے ہیں ہم وہاں ایک سو ، دو دو سو کی100 سو کی کرپشن کوئی مزدور کر لے تو اتنی تاریخ پڑتال کیوں ۔ اربوں کی کرپشن پر پردہ ڈھک سکتی ہے تو کیوں تکلیف ہو جاتی ہے ۔ غریب نے بھی تو کسی طرح پیٹ پالنا ہے نہ ۔ میں نے کئی ماہ پہلے ہسپتال میں کچھ دن گزارا دیکھا وہاں زیادہ تر عملہ ڈاکٹرز کا چھٹی پر اور کو بندے اپنی جگہ ڈیوٹی پر رکھتے unexperianed ٹرائینز اپنی جگہ کسی غائب ہوتے ہیں ۔ کسی دیکھ بھال کوئی مریضوں کی ۔ زیادہ تر عملہ وہاں پہو بچا پیسے دے دھو والے ہوتا ۔ میں مجھ انٹرن کچھ ہاؤس جوبین جو مریضوں کی دیکھ بھال کر رہے ہوتے ہیں جو مریض بچنا بھی ہو گا وہ بھی ۔ پس بچے گا وہاں ۔ کسی نے غلط رن سے کوئی فرق نہیں پڑتا کسی کو وہاں ۔ کسی نے غلط انجکشن لگا دیا کسی نے غلط ڈرپ لگادی کسی نے غلط میڈیسن دے دی کسی نے کچھ کر دیا مریض بیچارا اللہ کو پیارا ہو گیا ۔ غریبوں کو یاد یتیم کیا ہوا بلڈ ان کے ساتھ ۔ انہیں تو کچھ سمجھ نہیں ہوتی وہ نہ پڑھے لکھے ہوتے ہیں نہ ان بچاروں کو غلط دوائیوں کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ سب دیکھ کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ جب میں نے قتل کو کیا ۔ انسان کی observe ہسپتال جائے ان چیزوں کو خود سے جان کی رتی جتنی قیمت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے کسی انسان کو قتل کیا اُس نے گویا تمام انسانوں کیا ۔ اتنے سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں قرآن پاک میں ۔ لیکن انسان بہت بے حس ہے۔ نہ جانے ڈاکٹرز کی لا پرواہی سے کتنے انسان اپنی جان گوا بیٹھتے ہیں ۔ اور ان کو احساس تک نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا سوال ہے۔ کالا کوٹ کا بھی سفید کوٹ کا بھی اور سفید کندھوں پر لگے سٹارز کا بھی ان سب کو لے ، کر اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے ان کی ذمہ داریوں کا سوال کرنا ہے ۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ انسان جس بھی شعبہ میں قدم رکھے ۔ وہاں منصفانہ طرح سے کام کرے ۔ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح معنوں میں انجام دے ۔ لیکن آج کل کے معاشرے میں یہ بہت مشکل ہے ۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کے کچھ اور بھی بہت سارے حقائق ہیں جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتے ۔ ہم نے ہر چیز کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور کے نے پا غلبہ پر لوگ کیوں بننا AC اصل مقصد بھول جاتے ہیں ۔ چاہتے ہیں لوگوں

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 25 :دادی کی چاندی کی پازیب اور داخلہ فیس

گلک کا ٹوٹنا، صراف کی ترازو اور حبیب بینک کا چالان

خلاصہ :ایم فل داخلہ فیس کی آخری تاریخ سے دو روز قبل گلک توڑی گئی تو رقم کم نکلی، ماں نے دادی کی خاندانی چاندی کی

پازیب اتار کر دی جسے بیچ کر رجاء نے بینک میں داخلہ فیس کا حتمی چالان بھرا۔

◆ ◆ ◆

یونیورسٹی میں داخلہ فیس اور تصدیق شدہ چالان جمع کروانے کی آخری تاریخ جمعہ کی سہ پہر چار بجے مقرر تھی۔

بدھ کی شام، جب امی نے دروازے پر کھڑے ہو کر چوکیداری کی، میں نے راکھ کے کونے سے وہ بھاری مٹی کی گلک نکالی اور فرش پر بچھائی گئی چادر کے بیچوں بیچ رکھ دی۔ لوہے کے دستے سے جب میں نے اس کی پیشانی پر ضرب لگائی، تو کچی مٹی کے ٹکڑے بکھر گئے اور مہینوں کی ریاضت کے سکے اور نوٹ چادر پر پھیل گئے۔

ہم دونوں ماں بیٹی نے بیٹھ کر کانپتی انگلیوں سے رقم گننا شروع کی۔ سکے الگ کیے، دس اور پچاس کے نوٹ ہموار کیے، اور میزان لگایا۔ کل رقم اٹھارہ ہزار چار سو پچاس روپے بنی!

فیس چوبیس ہزار روپے تھی :یعنی اب بھی پانچ ہزار پانچ سو پچاس روپے کی بھاری کمی تھی۔ جمعہ کی آخری تاریخ سر پر تھی اور ابا یا حمزہ سے ایک دھیلے کی امید رکھنا خود کشی کے مترادف تھا۔

میرے گالوں پر مایوسی کے گرم آنسو بہہ نکلے۔ کیا مہینوں کی یہ تپسیا، یہ دھوپ اور یہ محنت اس پانچ ہزار کے فرق کی وجہ سے مٹی میں مل جائے گی؟

ہے کیا لئے غریبوں کے دلوں میں اپنا خوف پیدا کرنے کے لیے اپنا دکھاوا بٹھانے کے لئے ۔ واہ واہ اور سب کچھ لیکن اس کی ذمہ داریاں۔ یہ وردی آپ سے کہتی کیا ہے چاہتی کیا ہے ۔ وہ نہیں معلوم ۔ ڈاکٹر بننا ہے تو سوچ صرف پیسہ کمانے تک ہے کہ ڈاکٹر بن کے پیسہ کمانا ہے۔ سفید کوٹ کی ذمہ داری کیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا ۔ میں جانتی ہوں کہ پیسہ کمانا آج کے دور میں بہت ضروری ہے ۔ بہت ضروری ہے ۔ پیسے کے بغیر آپ میں کچھ نہیں ہیں ۔ ہر جگہ اب پیسہ چلتا ہے۔ پیسہ ضروری ہے میں مانتی ہوں لیکن اتنا کہ آپ پر سکون زندگی بسر کرنے کے لیے جو ضروریات ہیں وہ پوری ہوں ۔ آپ کے پاس ایک اچھا گھر ہے۔ جس میں ہر سہولت میسر ہے ۔ ایک اچھی گاڑی ہے اور زندگی کی چھٹی چھٹی خوشیات اور ضروریات پوری ہو رہی ہیں آسانی کے ساتھ تو کافی ہے اتنا پیسہ ۔ دوسروں کی حق تلفی کر کے لوٹ مار کر کے اکٹھا کرنا اور مزید حرس کرنے جانا کہ یہ بھی آجائے یہ بھی بنا لو یہ بھی لے لو کیا کریں گے اتنا کچھ اکٹھا کر کے قبر میں اترتے ہی نام نشان تک نہیں رہے گا۔ کہ وہ شخص دنیا میں آیا بھی تھا یا نہیں ۔ اور نہ ہی اس کے اپنے سگے بہن بھائی دوست یا کوئی نام لے گا ۔ مرنے کے بعد ہمارے ساتھ اتنی دعا ملے تو ہوں کہ ہمارا کفن کو ملے ہوئے میں عر ملتے ہے ۔ دنیا بہت عارضی ہے اس دنیا میں کسی کا کچھ نہیں ہے ۔ سب خالی ہاتھ ہیں خالی بنا غلط ہے میں AC ہاتھ ہے میں یہ نہیں کہتی کہ ڈاکٹر ، انجینئر وکیل کوئی فتویٰ نہیں دے رہی چاہے ہر شعبے میں لوگوں کو ہونا چاہ نکی ے لیکن ان لوگوں میں جو یہ مائنڈ رکھ کے پڑھتے ہیں ۔ جو ان میں دلچسپی

رکھتے ہیں ۔ جنہوں نے دور سے یہ سوچا رکھا ہو کہ میں نے یہ بننا ہے۔ ان کو بننا چاہئے۔ لیکن زبردستی کچھ نہ کچھ لوگوں بچوں پر نہ ڈالیں اور نہ ان کو طعنہ دیں کہ فلاں یہ بن گیا ہے تو تم بھی وہی بنو یہ غلط ہے ۔ ہر بچے نے اپنی زندگی کو اسے اس گول سیٹ کے لئے ہوتے ہیں ۔ جن پر وہ زیادہ دل سے اور خوشی سے دلچسپی سے ان پر کام کریں گے ، اگر اس کا بچہ ان میں سے کچھ نہیں بنا تو یقین رکھیں وہ ان سے بھی زیادہ اچھا اور ان سے زیادہ بہتر کچھ کرے گا ۔ اپنے بچوں کا ساتھ دیں انکو سکتا جا کیا شنبن کر نام روشن کیا Ac سمجھیں ضروری نہیں کہ ایک ڈاکٹر جائے ۔ یتیموں غریبوں کے سہارا لوگوں پر کام کر کے بھی نام رو ہے۔ سوچیں جو اس کی مخلوق اور اس کے بندوں کے لیے خود کو دے گا۔ کیا اللہ دنیا میں اس کا نام روشن نہیں کرے گا ۔ کیا اللہ تعالیٰ اسے انعام نہیں دے گا ۔ جو انسان اللہ کے بندوں اور اس کی مخلوق کے لئے خود کو سرو کرے گا ۔ اللہ دنیا میں بھی اسے عزت دے گا۔ اور آخرت میں بھی ۔ کیا خوب ہو کہ وہ انسان اپنی دنیا اور

میں ئیں بجا کر قمآخرت دونوں آسان کر لے ۔ کیا خوب ہو کہ ان سے بہتر بھی وہ پچھلے لوگوں کے دلوں میں زندہ رہیں اور اپنی ایک تاریخ ر میں عمر کی سال17 نے AC نے اپنی زندگی میں کبھی بھی ڈاکٹر انجینئر میں کیا تھا کہ میں یہ decideمیں چاسو نہیں کا بننے بھی کچھ یساوکیل ا میں کام کروں گی ۔ Ngos 6 Organizationsنہیں بنوں گی ۔ کے پر کام کروں گی ۔ اور اپنی محنت سے ایک child 5 womensاور یتیم خانہ اور ایک اولڈ ایج ہوم بناؤں گی ۔ میں اندھی سوچ کے اس اردگرد گھومتی تھی اپنی چیزوں کے ۔ اصل میں میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ لے ۔ لیکن اپنوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے جو نہیں ملا ۔ ان کی سوچ لاکھ والی کیوں نہ Business تواری سے اردگرد گھومتی ہے ۔ اور میری چھٹا سا بھی ہو تو Businessہو ۔2 ہےچا ہے تیہو ہی یلکے ۔ نوکری تو ا Business اپنا ہوتا ہے سر پر کوئی ڈنڈا نہیں ہوتا ۔ اس لئے میں ہمیشہ کے کا سوچا ۔ اور کروں بھی ۔ سر پر اپنا ہے بندہ اپنی مان نہیں رکھ سکتا ۔ خود سے اپنے ملازمین سوچتی ہوں ۔ خود ہی پلٹ کرتی ہوں ۔ پڑھائیاں سب کر سکتی میں ۔ نیا سپورٹ کے بھی میں بھی کر رہی ہوں ۔ میں تھوڑا لیٹ میں تھوڑا وقت لگے گا۔ لیکن ہو جاؤں گی ۔ اس لئے میری سوچ یتیم خانے بنانے اور اولڈ ایج ہوم بنانے میں رہتی ہے ۔ لیکن اب میں نے دیکھا ہے کہ یتیم خانے بھی ہیں ۔ اور اولڈ ایج ہوم ئیکو بھی نہیں ہے ۔ کوئی center بھی ہیں ۔ لیکن عورتوں کے لئے کوئی گھر نہیں ہے کہ ہم جیسی بیٹیاں اور بیویاں جن پر یا جو بن بیاہی ہوں ان کے طعنوں سے بچنے کے لئے ان کو پاس گھر نہیں ۔ تو میں نے یہی کے بچا بناؤں گی Divorced Home women سوچا ہے کہ میں ایک ۔ جہاں ان کو بنا طعنہ کے کوئی ملے جہاں وہ عزت کے نام پر مرنے کی بجائے اپنی جان وہاں جہاں ان کو عزت کے نام پر کوئی قتل نہ کر سکے ۔ جہاں کوئی ان کو کردار کا طعنہ نہ دے ۔ جہاں وہ اپنی مرضی سے نوکری کر کے کما سکے ۔ میں انشاء اللہ وہاں ایک لڑکی کو کمانے کے قابل بناؤں گی ۔ لڑکی کو دوسری طرف رجاء کا بھائی تھا ۔ اور اس میں لرزش تھی " :

رجاء پلیز ہماری بہن لے چلوباپ دشمن کے ہاتھ جوڑے ادو وہ صرف

تمہا ری سنتی ہے تمہاری مانتی ہے ۔ سارا دن تمہارا نام لیتی رہتی ہے ۔ رجاء رجاء کرتی رہتی ہے ۔ رجاء نے میرے سے یہ کہا ۔ رجاء نے میرے سے وہ کہا ۔ رجاء ایسی ہے ۔ رجاء ویسی ہے ۔ پلیز ہمیں ملوادو وہ تمہاری بات ضرور سنے گی "میں سُن ہو گئی اس کی ماں اور بھائی میرے آگے بار بار منت کر رہے تھے ۔ دونوں میرے آگے ہاتھ جو ڑ کر کھڑے تھے ۔ ماں رو

امی نے مجھے کندھوں سے تھاما اور اپنے ماتھے کی شکنوں کو سمیٹتے ہوئے مسکرا دیں۔ انہوں نے اپنی چاندی کی پرانی چوڑیاں اور پاؤں سے دادی کی دی ہوئی ٹھوس چاندی کی روایتی پازیب اتاری۔ وہ پازیب ان کی شادی کا واحد باقی ماندہ زیور تھی جسے انہوں نے غربت کے بدترین دنوں میں بھی بیچنے نہیں دیا تھا۔

یہ لے رجاء، "امی کی آواز میں پہاڑ جیسا استحکام تھا۔ "یہ تیرے باپ " کے گھر کی وراثت نہیں، یہ تیری دادی کا تبرک ہے۔ اسے لے جا اور بازار کے صراف کے ہاتھ بیچ دے۔ بیٹی کی دستار اور اس کے علم سے "بڑھ کر ماں کے پاؤں کی جھانجھن قیمتی نہیں ہو سکتی۔

اگلی صبح سویرے میں تحصیل کے بازار پہنچی۔ سب سے پرانے صراف لالہ بشیر کی دکان پر جب وہ پازیب تولی گئی، تو اس نے کٹوتی کے بعد ٹھیک چھ ہزار روپے گن کر میرے ہاتھ پر رکھ دیے۔ میں نے دوپٹے کے پلو میں وہ تمام رقم باندھی اور سیدھی حبیب بینک کی یونیورسٹی برانچ کی قطار میں جا کھڑی ہوئی۔

جب کیشیر نے میرے چالان فارم پر سرخ سیاہی سے 'پیڈ 'کی مہر لگائی اور ٹھپہ مار کر رسید میرے ہاتھ میں دی، تو مجھے لگا کہ میں نے غلامی کے طوق کو اپنے گلے سے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ وہ رسید کاغذ کا ٹکڑا نہیں تھی، وہ رجاء کی آزادی کا پہلا دستاویزی پروانہ تھی۔

یونیورسٹی کے اگلے سمسٹر کی امتحانی فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ سر پر آ چکی تھی اور ابا کی جیب میں ایک پھوٹی کوڑی بھی باقی نہ تھی۔ فصلوں پر ٹڈی دل کے حملے اور منڈی کی مندی نے گھر کے مالی حالات کو انتہائی نازک موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ ابا رات بھر چھت پر ٹہلتے رہتے اور ان کے پاؤں کی کھڑکھڑاہٹ ان کی بے بسی کا نوحہ سناتی تھی۔ خاندان کا کوئی فرد ایک روپیہ ادھار دینے کو تیار نہ تھا، بلکہ ہر طرف سے یہی طعنہ ملتا تھا کہ اگر اتنی غربت تھی تو بیٹی کو یونیورسٹی بھیجنے کا شوق کیوں پالا۔

اس دم توڑتی امید کے عالم میں، رات کے آخری پہر امی نے مجھے خاموشی سے اپنے کچے کمرے میں بلایا۔ انہوں نے پرانے لوہے کے صندوق کی تہہ سے ایک میلا رومال نکالا جس میں نانی کی دی ہوئی چاندی کی خاندانی پازیب بندھی ہوئی تھی۔ امی کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ کر ان کے رخساروں پر گر رہے تھے۔ انہوں نے وہ پازیب میرے ہاتھوں میں تھمائی اور لرزتی آواز میں کہا : رجاء، یہ چاندی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تمہاری تعلیم اور تمہارے خوابوں " سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ جاؤ، اسے بازار میں فروخت کر کے اپنی فیس جمع کراؤ اور دنیا کو دکھا دو کہ ایک غریب ماں کی بیٹی کسی ظالم کے آگے

ہاتھ نہیں پھیلاتی۔ "اس قربانی نے میرے دل پر جو نقش چھوڑا، اس نے مجھے زندگی کی ہر آزمائش سے لڑنے کا ناقابل تسخیر حوصلہ دیا۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 26 : صبح ساڑھے چار بجے کا کُہرا اور مسافر ویگن

پالا جمانے والی سردی، لرزتے ہاتھ اور مسافر ویگن کے دھکے

خلاصہ :خاندان کی جانب سے ہوسٹل میں رہنے کی ممانعت کے بعد رجاء نے روزانہ علی الصبح مسافر ویگنوں میں کٹھن سفر شروع کیا، کُہرے میں ٹھٹھرتے ہوئے کتابیں پڑھیں اور تھکن کو مسخر کیا۔

◆ ◆ ◆

ایم فل پروگرام میں داخلے کی جو تلخ شرط خاندانی پنچایت کی جانب سے عائد کی گئی تھی، وہ یہ تھی کہ میں کسی بھی قیمت پر ملتان کے ہوسٹل میں رہائش اختیار نہیں کروں گی۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے روزانہ گاؤں سے ملتان اور پھر ملتان سے گاؤں کا کٹھن، اعصاب شکن اور طویل سفر کرنا تھا۔ یہ محض سفر نہیں تھا، یہ جنوبی پنجاب کی ہڈیوں کو گلا دینے والی سردی اور گنجان ویگنوں کے اندر اپنی عزت نفس کو بچانے کی روزمرہ جنگ تھی۔

دسمبر کے مہینے میں میری صبح ساڑھے چار بجے شروع ہوتی تھی۔ کچے صحن میں نلکے کا پانی برف کی مانند جم چکا ہوتا تھا، جس سے وضو کرتے ہوئے انگلیوں کے پور سن ہو جاتے۔

امی دالان کے اندھیرے میں چپکے سے پراٹھا اور اچار ایک پرانے اخباری کاغذ میں لپیٹ کر میرے بستے میں رکھ دیتیں، اور دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی ہو کر آیت الکرسی کا دم میرے اوپر پھونکتیں۔

جب میں گاؤں کی ویران مٹیالی سڑک پر نکلتی، تو حدِ نگاہ تک دودھیا کُہرا چھایا ہوتا تھا۔ گیدڑوں کی دور دراز آوازیں اور درختوں سے گرتی ہوئی شبنم کی ٹھنڈی بوندیں تنہائی کے خوف کو دوچند کر دیتیں، مگر میرے دل میں سلگتی ہوئی جستجو کی آگ مجھے رکنے نہیں دیتی تھی۔

ہمیں بچپن سے سکھایا جاتا ہے کہ تم کمزور ہو، تم کچھ نہیں کر سکتیں، تم پر کسی نہ کسی سہارے کی مہر لگی ہونی چاہئے۔ جب گھر کے مرد یا اپنے قریبی رشتہ دار یہ کہہ دیں کہ 'تم سے کچھ نہیں ہو گا'، تو ایک لمحے کے لیے روح کانپ اٹھتی ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ میں نااہل نہیں تھی، میں تو چنی ہوئی تھی کہ ان آزمائشوں سے گزر کر کندن بنوں۔

کیا ضمیر کی نہیں ہو گا" "تم تو ہو ہی پ کھمے "ماں باپ کے پیسے ضائع کرنے ہیں ۔ پڑھنا نہیں ہے .....ارے آپ نے پوچھا ہی کب تھا کہ اس ہے ؟ آپ نے تو بس رشتے داروں کو خوش کرنا تھا ۔ 3 چیز عجیب یکمعاشرہ اور قرآن لوگ کہتے ہیں ، "لوگ کیا کہیں گے "اور اس ایک جملے نے ہزاروں لڑکیوں کے خواب مار دیےک ہیں ۔ معاشرہ ا ہے ۔ یہ خود کچھ نہیں کرتا ، پر ہر کسی کو یہی لگتا ہے کہ معاشرہ اسے دیکھ رہا ہے، اسے جانچ رہا ہے ، اسے پرکھ رہا ہے ، اسے سزا دے گا ۔ ✦ پیمانہ کا معاشرے معاشرے کا پیمانہ بہت چھٹا ہے ۔ اس کے لیے کامیاب وہ

ہے ۔ جس کے پاس ڈگری ہو ، نوکری ہو ، رشتے طے ہو چاہے وہ دل اندر سے مر چکا ہو ۔ اس کے لیے عزت دار وہ ہے ۔ جو ہاں میں ہاں ملائے ، چاہے اندر سے ٹوٹ رہا ہو ۔ اور ناکام وہ ہے ۔ جو اپنی مرضی سے جینے کی کوشش کرے چاہے وہ اللہ کے قدموں میں ہی کیوں نہ ہو ۔ معاشرہ ہمیں بس اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے جو اس نے خود بنایا ہے ۔ اور اگر تم نے انکار کر دیا ، تو وہ تمہیں باغی ، "ضدی "، "نااہل " کہہ دے گا ۔ ✦ پیمانہ کا قرآن "تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے ، جو سب سے زیادہ متقی ہے ۔ "یہاں ڈگری نہیں دیکھی جاتی ، یہاں نوکری نہیں دیکھی جاتی ، یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ لوگ کیا کہتے ہیں ۔ یہاں صرف یہ دیکھا جاتا ہے تمہارا دل ، تمہاری نیت اور تمہاری کوشش کس کے لیے ہے ۔ معاشرہ تمہیں نمبروں سے تولتا ہے ، قرآن تمہاری نیت سے تولتا ہے ۔ معاشرہ تمہیں لوگوں کی نظر میں گرانے کی کوشش کرتا ہے قرآن تمہیں اللہ کی نظر میں اٹھاتا ہے ✦ جب دونوں ٹکرا جائیں

پکی سڑک کے اڈے پر جب پہلی کھٹارا ٹویوٹا ہائی ایس ویگن کُہرے کو چیرتی ہوئی بریک لگاتی، تو اس کے اندر بیڑیوں کے دھوئیں، گیلے کپڑوں اور ڈیزل کی بدبو کا مہیب طوفان اٹھتا۔

ڈرائیور اور کنڈکٹر کی نگاہیں اس سرد اندھیرے میں سفر کرنے والی اکیلی لڑکی کو حیرت اور تعجب سے گھورتیں۔ میں اپنا دوپٹہ چہرے پر لپیٹ کر سب سے پچھلی نشست پر دبک جاتی، جہاں کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے برفانی ہوا کی چھریاں سیدھی میرے چہرے پر آ کر لگتیں۔ میرے ہاتھ سردی سے نیلے پڑ جاتے، مگر میں بستے سے پولیٹیکل سائنس کی موٹی کتاب نکال کر گود میں رکھ لیتی اور موبائل کی ٹارچ یا اڈے کے پیلے بلب کی روشنی میں اپنے نوٹس کا مطالعہ شروع کر دیتی۔

جب ویگن ہچکولے کھاتی ہوئی ملتان کے کینٹ اسٹاپ پر پہنچتی، تو میرے اعضا اکڑ چکے ہوتے تھے۔ مگر جب میں اپنے جوتے جھاڑ کر یونیورسٹی کی مرکزی سڑک پر قدم رکھتی، تو میرے اندر ایک ایسا غیر معمولی نشہ جاگ اٹھتا تھا جو دنیا کی ہر تھکن اور ہر تکلیف کو نگل جاتا تھا۔

معا "لوبو حق : "ہے کہتا کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاشرہ ایک راستہ بتاتا ہے ، اور قرآن دوسرا ۔ معاشرہ کہتا ہے " :چپ رہو "قرآنشرہ کہتا ہے " :بس یہی کرو ، یہی رواج ہے ۔ "قرآن کہتا ہے " :سوچو ، سمجھو ، پھر فیصلہ کرو "اس وقت تمہیں چننا ہوتا ہے کہ تمہیں تم کس کو خوش کرنا چاہتی ہو ؟ لوگو ں کو ؟ یا اللہ تعالیٰ کو ؟ اگر تم نے لوگوں کو چنا ، تو ایک دن تم خود سے بھی ہار جاؤ گی ۔ اور اگر تم نے اللہ کو چنا ، تو ایک دن لوگ بھی مان جائیں گے ۔ ✦ قرآن سے دو جب ہر دروازہ بند ہو جائے ، جب ماں باپ بھی نہ سمجھیں ، جب کزنز طعنے ماریں ، جب تم خود سے سوال کرنے لگو .....تو ایک کتاب ہے ۔ جو کبھی تمہیں اکیلا نہیں چھڑتی ۔ قرآن .....یہ کتاب تمہیں یاد دلاتی ہے کہ تم اکیلی نہیں ہو ۔ کہ تمہارا رب اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ کہ تمہارے ہر آنسو ، ہر کوشش ، ہر رات کی جاگ وہ ضائع نہیں کرے گا ۔ قرآن کہتا ہے : آیت اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۔ معاشرہ کہتا ہے "سب ختم ہو گیا "قرآن کہتا ہے "شروع یہیں سے ہوتا ہے "آخری بات معاشرہ بدلتا

رہتا ہے ۔ کل جو غلط تھا ، آج ٹھیک ہے ۔ کل جو ٹھیک تھا ، آج غلط ہے ۔ پر قرآن نہیں بدلتا ۔ اس کے اصول ، اس کی باتیں ، قیامت تک ایک جیسی رہیں گی ۔ تو بتاؤ .....تم کس کے ساتھ چلو گی ؟ اس کے ساتھ جو ہر دن بدلتا ہے ؟ یا اس کے ساتھ جو کبھی نہیں بدلتا ؟ میں نے چن لیا ہے میں قرآن کے ساتھ چلوں گی ۔ کیونکہ جب اللہ ساتھ ہو ، تو معاشرے کی آوازیں دب جاتی ہیں ۔ لڑکیو :معاشرہ تمہیں توڑے گا ۔ پر قرآن تمہیں جوڑے گا ۔ اصل اصول :ہمارے ہاں یہی ہو رہا ہے کہ قرآن کو اصل مقام دینے کی بجائے ہم اسے اپنی روایات ، کلچر اور خاندانی رسموں کے تابع کر دیتے ہیں ۔ قرآن پر روایت نہیں ، روایت پر قرآن ہے اور روایت پر قرآن جینا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیت " :اس کی پیروی کرو جو تمہارے اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ "مطلب صاف ہے :فیصلہ کرنے کا اختیار قرآن و سنت ہے ۔ نہ کہ "ہمارے ہاں ایسا ہوتا آیا ہے "یہ آج کے معاشرے میں رائج ہے ۔ لوگ خود روایت بناتے ہیں ۔ پھر اس کے لیے تاویل ڈھونڈتے ہیں ، یا خاموشی اختیار کر لیتے ہیں ۔ جہاں روایات نے قرآن کی جگہ لی ہے ۔

با : "یامافر نے چند مثالیں لڑکی کی مرضی کا معاملہ قرآن کہتا ہے آیت : ان عورتوں کو ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو "نبیؐغہ " عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا ۔ "پر ہمارے ہاں اکثر فیصلہ باپ ، چچا ، کزنز کرتے ہیں ۔ لڑکی سے یہ پوچھا ہی نہیں جاتا ، یا "لوگ کیا کہیں گے "کہہ کر اس کی مرضی کچل دی جاتی ہے ۔ یہ روایت قرآن کے حکم کے خلاف ہے ۔ علم اور تعلیم کا معاملہ نبیؐ نے فرمایا حدیث " :علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے "پر معاشرے میں کہا جاتا ہے " :لڑکی نے زیادہ پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے ؟ " اس کو بیاہ دیتے ہیں ۔ "یہ روایت علم کے فرض ہونے کے حکم کو " معطل کر دیتی ہے ۔ عدل اور گواہی کا معاملہ قرآن کہتا ہے آیت : انصاف پر قائم رہو ، اللہ کے لیے گواہی دو ، خواہ وہ خود تمہارے " خلاف ہو ۔ "پر ہمارے ہاں اکثر "خاندان کی عزت "کے نام پر ظلم چھپایا جاتا ہے ، سچ دبایا جاتا ہے ۔ روایت نے انصاف کی جگہ لے لی ہے ۔ قرآن کو برکت کے لیے رکھنا ، سمجھنے کے لیے نہیں :ہمارے گھروں میں قرآن طاق پر رکھا ہوتا ہے ، برکت کے لیے ، شادی ، موت ، بیماری میں پڑھنے کے لیے ۔ یہ غلط نہیں ، پر اللہ نے قرآن کو اس لیے نازل کیا آیت "یہ بابرکت کتاب ہم نے تم پر نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل والے نصیحت پکڑیں ۔ "جب قرآن کو صرف ثواب کے لیے پڑھا جائے اور سمجھنے پر زور نہ ہو تو یہ بھی روایت کا غلبہ ہے ۔ ۔ اندھی تقلید " :بزرگ ویسے ہی کرتے چلے آئے ہیں ۔ " قرآن کہتا ہے آیت "جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ 1 یہ کیوں ہوتا ہے ؟ ۔ خوفِ لوگ " :لوگ 2 کے "پر نازل کردہ کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ۔ کیا کہیں گے "کا ڈر اللہ کے ڈر۔ علم کی کمی :جب قرآن کا ترجمہ و تفسیر عام نہیں ہوتی تو لوگ مولوی ، خاندان ، رسم کو ہی دین 3 : "غالب آ جاتا ہے ۔ آیت ۔ قرآن کو میزان بناؤ :ہر روایت ، ہر رسم کو اس کسوٹی پر رکھو "

۔ جو جو قرآن و سنت کے 1 سمجھ لیتے ہیں ۔ حل کیا ہے ؟ ۔ ترجمہ اور تفسیر پڑھو :خود قرآن سمجھو ۔ اندھے اعتماد کی بجائے خود تحقیق2 سلمخلاف ہو چاہے جتنی پرانی ہو ، چھڑ دو ۔ ۔ نرمی سے اصلح کرو :نبی صلی اللہ علنہ و نے جاہلیت کی رسموں کو ایک دم ختم نہیں کیا ، حکمت سے بدلا ۔ گھر میں بھی دلیل3 کی کتبر "کو کرو ۔ اور محبت سے بات کرو خلاصہ ہمارے معاشرے نے قرآن

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 27 :قلم کی مزدوری اور اخباری کالم

روزانہ کے کرائے، اخباری صفحات اور منی آرڈر کے ایک ہزار روپے

خلاصہ :روزانہ کے بھاری سفری کرایوں اور علمی کتب کی فوٹو کاپیوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے رجاء نے قومی اخبارات میں قلمی نام سے مضامین لکھنا شروع کیے اور حلال مزدوری سے اپنے وقار کو قائم رکھا۔

◆ ◆ ◆

کچے آنگن کی ٹاٹ اکیڈمی سے ملنے والے پیسے یونیورسٹی کے سیمسٹر چالان کے لیے بمشکل پورے پڑتے تھے، لیکن روزانہ کے ساٹھ روپے کرائے، ضخیم کتابوں کی فوٹو کاپیاں اور ریسرچ جرائد کے اخراجات کا پہاڑ سامنے کھڑا تھا۔

ابا سے پیسے مانگنے کا مطلب اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنا تھا، اور حمزہ تو میری ہر ضرورت کو تمسخر کا نشانہ بنانے کے بہانے تلاش کرتا رہتا تھا۔

ایک دن یونیورسٹی کے نوٹس بورڈ پر مجھے قومی اور علاقائی روزناموں کے ادارتی صفحات کے لیے تحقیقی مضامین لکھنے کا اشتہار نظر آیا۔ لاہور اور اسلام آباد کے ممتاز اخبارات معیاری مضامین پر فی تحریر ایک ہزار سے پندرہ سو روپے کا معاوضہ دیتے تھے۔

میں نے رات کو لالٹین کی روشنی میں، جب پورا گھر گہری نیند سو رہا ہوتا، ایک فرضی نام 'بنتِ سجاد 'کے تحت جنوبی پنجاب کے دیہی مسائل، کسانوں کے حقوق اور بچیوں کی تعلیم پر تجزیاتی کالم لکھنا شروع کیے۔

میرے پاس ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر نہیں تھا۔ میں اپنے لرزتے ہاتھوں سے سفید کاغذوں پر خوش خط اردو اور انگریزی تحریر کرتی، ہر پیراگراف کو تین تین بار تراشتی، اور ڈاک خانے کے لال بکس میں جا کر ڈال آتی۔

نہیں کتاب "بنا دیا ہے ، جبکہ اللہ نے اسے "ہدایت کی کتاب "بنا کر بھیجا تھا ۔ جب تک قرآن ہماری زندگی ، فیصلے ، رسموں کا حکمرانبنے گا ، تب تک ہم روایات کے غلام بنے رہیں گے اور روایات اکثر ظلم ، نا انصافی اور جہالت کو ہی چھپاتی ہیں عورت، معاشرہ اور قرآن گھر اور قرآن معاشرہ کہتا ہے معاشرہ کہتا VS سسرال کی ذمہ داری :معاشرہ ہے شادی کے بعد لڑکی کی زندگی ختم ۔ اب وہ صرف بہو ہے ، بیوی ہے ، ماسی ہے سارے گھر کا کھانا ، صفائی ، ساس سسر کی خدمت ، نخوں کے نخرے ...سب اسی کی ذمہ داری ہے ۔ اگر نہ کرے تو "ناشکری "

بدتمیز" "گھر بسانے والی نہیں "قرآن و سنت کیا کہتے ہیں مطلب رشتہ "
بوجھ نہیں سکون ہے ۔ اسلام میں بیوی پر ساس21 قرآن نے شادی کو
سکن ، مودت ، رحمت "کہا ہے :سورہ روم سسر کی خدمت شرعاً فرض"
نہیں ہے ۔ یہ احسان ہے ، اگر وہ خوشی سے کرے ۔ نبیؐ نے اپنی بیویوں
کے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " :وہ گھر کا کام کرتے
کپڑے سی دیتے ، جوتے مرمت کر لیتے "بخاری ۔ ذمہ داری دونوں کی ،
ہے ۔ مرد34 نکمکیو ہیں شوہر کمانے والا ہے ، بیوی گھر سنبھالنے والی ہے
۔ یہ تقسیم محبت سے چلتی ہے ۔ زبردستی سے نہیں ۔ سورہ نساء قوام ہے
وہ خرچ کرتے ہیں ۔ کمانے کی ذمہ داری ان پر ہے ۔ بچے سوئے ۔ ،
بچے سنبھالے ،12 بجے اٹھے ، رات5 کام کاج کا دباؤ معاشرہ کہتا ہے
عورت کو آرام کا حق نہیں ۔ صبح مہمان سنبھالے ، سسرال سنبھالے اور
پھر بھی سنے "تم کرتی ہی کیا ہو ؟ "قرآن و سنت کیا کہتے ہیں :اسلام
نے عورت کو انسان مانا ہے ۔ مشین نہیں ۔ نبیؐ نے فرمایا " :تم میں
بہترین وہ ہے ، جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو "ترمذی :گھر
والوں کے لیے بہترین ہونے کا یہ مطلب یہ نہیں کہ وہ مرجائے کام
کرتے ۔ اگر بیوی گھر کا کام کرتی ہے تو یہ اس کا صدقہ ہے ۔ احسان
ہے شوہر پر لازم ہے کہ اس کی مدد کرے ، اس پر بوجھ نہ ڈالے
حضرت فاطمہ رضی (رضی اللہ عنہا)پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے
تو ۔ تب نبیؐ نے ان کو تسبیح سکھائی اور خادم کا بندوبست نہیں کیا ۔
عورت پر تشدد معاشرہ کہتا ہے :مرد کو حق ہے مارنے کا ، عورت کو
برداشت کرنا چاہیے " :مار پیٹ تو گھر کا زیور "ان کے ساتھ بھلے19 ہے
تاجا یاچھپا ہے ۔ "تشدد عزت کے نام پر ۔ قرآن و سنت کیا کہتے ہیں
اللہ فرماتا ہے سورہ نساء طریقے سے زندگی گزارو "نبیؐ نے فرمایا :مومن
مرد مومن عورت سے بغض نہ رکھے ۔

پھر "اگر اس کی ایک عادت بری لگے تو دوسری اچھی ہوگی "مسلم اور
اس سے سخت بات :تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ
مارے ، شام کو اسی کے ساتھ سوئے "۔ بخاری ۔ قرآن میں "ضرب "کا
ذکر ہے ۔ مگر مفسرین نے واضح کیا ہے کہ یہ آخری حل ہے ۔ ہلکی سی
تنبیہ کے لیے ، چہرے پر نہیں ، زخمی کرنے کے لیے نہیں ۔ اور نبیؐ نے
اپنی زندگی میں کبھی کسی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا ۔ تشدد، گالی ، ذہنی
اذیت ....یہ سب ظلم ہے ۔ اور ظلم پر اللہ کی لعنت ہے ۔ غیرت کے
نام پر قتل معاشرہ کہتا ہے :اگر لڑکی اپنی مرضی کرے ، پسند کی شادی
کرے ، یا کوئی الزام لگ جائے ، تو اسے مار دو ۔ "غیرت کا مسئلہ ہے ،
خاندان کی ناک کٹ گئی "۔ قرآن کیا کہتا ہے :یہ قتل ہے ، اور قتل
بہت بڑا گناہ ہے ۔ سورہ گواہ چاہئیں ۔ خود4 "آیت " :جس جان کو اللہ
نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو کسی پر الزام لگانے کے
لیے151 "ہے انعام فیصلہ کرنا ، خود سزا دینا ....یہ جاہلیت ہے ۔ نبیؐ
نے فرمایا " :مسلمان کا خون ، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام
مسلم جس لڑکی کو مار دیا جاتا ہے ، اسے قیامت کے دن حق ملے گا ۔
اور مارنے والے سے اللہ خود حساب لے گا ۔ اصلی موازنہ معاشرہ نے
عورت کو کیا بنایا ، قرآن نے کیا بنایا معاشرہ اور قرآن معاشرہ عورت کو
بوجھ "سمجھتا ہے ۔ قرآن کہتا ہے :عورت کی مرضی کوئی معنی نہیں "

رکھتی ۔ نبیؐ نے فرمایا :کنواری کی اجازت اس کی خاموشی ہے ۔ بخاری غیر مسلم حلعو رت کو مارنا ، دبانا "مردانگی "ہے ۔ نبیؐ نے فرمایا :97 عورتوں کے ساتھ نرمی کرو ، وہ تمہارے پاس امانت ہیں "۔ سورہ الی " ت کے نام پر قتل کو جائز سمجھا جاتا ہے قرآن کہتا ہے " :کسی نفس کا قتل حرام ہے ۔ "آخری بات معاشرہ عورت کو "عزت "کے نام پر قید کرتا ہے ۔ قرآن عورت کو "عزت "دے کر آزاد کرتا ہے ۔ معاشرہ کہتا ہے چپ رہو ، سہو ، ڈرو ۔ قرآن کہتا ہے انصاف مانگو ، حق بولو ، اللہ پر بھروسہ کرو اگر تمہارے ساتھ ظلم ہو رہا ہے تو خاموشی عبادت نہیں ہے ۔ اللہ نے تمہیں انسان بنایا ہے ۔ غلام نہیں ۔ اور جس دن تم نے یہ مان لیا ، اسی دن معاشرے کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی ۔ ✦ اپنوں سے رسوا "مجھے آج تک کسی چیز نے اتنی بری طرح نہیں توڑا جتنا مجھے میرے اپنوں نے توڑا ، میرے اپنوں ، اپنے رشتوں نے مجھے توڑا ۔ " کیونکہ و ار بھروسے کا اور توقع کا ہوتا ہے ۔ رشتوں کا وار دھوکہ ہوتا ہے ۔ مرد کے کان کا کچا ہونا جس گھر میں عورت رہتی ہے اگر اس گھر میں رہنے والے مرد کان کے کچے ہوں تو عورت کی زندگی مٹی

تین ہفتے بعد گاؤں کا ڈاکیا چاچا رمضان، جو تیس برس سے ابا کو جانتا تھا، سائیکل کی گھنٹی بجاتا ہوا ہمارے دالان میں داخل ہوا۔

اس کے ہاتھ میں راولپنڈی کے ایک معتبر قومی روزنامے کا ایک ہزار روپے کا آفیشل منی آرڈر اور ادارتی خط تھا جس پر میرا نام درج تھا !ابا اس وقت چبوترے پر بیٹھے تھے، انہوں نے چونک کر پوچھا " :رمضان، "یہ کس کا خط ہے؟

ڈاکیا مسکرایا " :سجاد بھائی !مبارک ہو، یہ آپ کی بیٹی کے نام ہے، اخبار والوں نے اس کے لکھے ہوئے کالم کا انعام بھیجا ہے۔ "ابا کا چہرہ لال ہو گیا، مگر ڈاک خانے کے سرکاری کاغذ کے سامنے وہ کچھ نہ بول سکے۔

جب میں نے وہ ایک ہزار کا کرنسی نوٹ اپنی مٹھی میں دبایا، تو مجھے لگا کہ یہ کاغذ کا ٹکڑا نہیں بلکہ میری روح کا وہ کلس ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں گرا سکتی۔ میں نے کسی کی جیب نہیں کترنی تھی، میں نے کسی کے سامنے جھولی نہیں پھیلائی تھی؛ میں نے اپنے علم، اپنی فکر اور اپنی راتوں کے جاگنے کی کمائی سے اپنی آزادی خریدی تھی۔

ہو جاتی ہے ۔ ایک محلہ ، ایک افواہ ، ایک "لوگ کہتے ہیں "اور بیٹی ، بیوی ، ماں بغیر گناہ کے سزا کاٹتی ہے ۔ جن گھروں کے مرد کانکے کچے ہوتے ہیں ، وہاں بیٹی ، بیوی کے لیے سکون کی ایک اینٹ بھی نہیں لگ سکتی ۔ وہ عورت کے لیے یہ گھر نہیں ، جیل بن جاتا ہے ۔ بیٹی ، بیوی پر تیسرے شخص کی فوقیت عورت وہاں ہارتی ہے ، جہاں اس کے اپنے ہی کسی تیسرے کو اس پر فوقیت دیتے ہیں ۔ جہاں ماں بیٹی سے پہلے برادری کا ڈر رکھے ، جہاں بھائی بہن سے پہلے "لوگ "کا سوچے جہاں شوہر بیوی سے پہلے ماں بہن کی سنے وہیں عورت کا مان غرور ، خودی سب خاک ہو جاتی ہے ۔ طنز و وقار قابل رحم ہیں وہ بیٹیاں ، وہ مائیں وہ بیویاں جن کے اپنے ہی گھر میں ان کا وقار مجروح ہو ۔ جو صرف نام کی بیٹی ، ماں اور بیوی ہو ۔ کتنی عجیب نا انصافی ہے ، کہ جس گھر میں بیٹی کو گرانا سب سے آسان ہو ، وہ گھر اسے "اپنا "کہلاتا ہے ۔ یہ کیسے اپنے ہوتے ہیں ؟ یہ کیسے مخلص رشتے ہوتے ہیں ؟ کتنی تکلیف دہ بات ہے یہ عورت

کے لیے کہ اس کے اپنے گھر میں اس کی وقعت کمزور ہو ۔ قرآن چیخ کر کہتا ہے " :یا ایے الذین امنوا ان جاءکم فاسق ب فئ ن ئے ی و ا " اگر کوئی خبر لائے تو تحقیق کرو۔ پر یہاں پر تحقیق نہیں ہوتی ، صرف یقین کر لیا جاتا ہے ۔ کیونکہ سننے والا "اپنا "ہے ۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سب سے بڑا ظلم ہوتا ہے ۔ سنو آیت عزت صرف اللہ کے ہاتھ ہے ۔ اگر اپنے رسوا کریں تو اللہ عزت دے گا ۔ اگر اپنے توڑیں تو اللہ جوڑے گا ۔ پر شرط یہ ہے کہ تم کان بند کر لو ، اور صرف اللہ کی آواز سنو ۔ - :جس گھر میں گرانا آسان ہو وہاں محبت تھی ہی نہیں :- رجاء نے ایک رات آنکھیں بند کر کے کہا :جس گھر میں بیٹی کو گرانا سب سے آسان ہو ، "سچ تو یہ ہے کہ اس گھر میں کبھی اس کی عزت اس کے لیے محبت تھی ہی نہیں ۔ "وہ رشتے جو "اپنے "کہلاتے ہیں ، کسی تیسرے کے آنے سے بے نقاب ہو جاتے ہیں ، ایک انجان عورت آئی ایک رشتے دار نے کان بھرا ، اور وہی بھائی ، وہی باپ ، وہی شوہر بدل ، گیا ۔ جس گھر کے لوگوں کے دل میں تمہارے لیے سچی محبت ہوگی وہ کبھی کسی تیسرے کو تمہارے بارے میں بات کرنے کا موقع نہیں دیں گے ۔ پر یہاں الٹ ہو گیا ۔ یہاں اپنے ہی تیسرے کو بٹھا کر میرا حساب کرنے لگے ۔ تو رجاء نے مان لیا :یہ رشتے نہیں رسیاں تھیں ۔ جو صرف اس لیے باندھی گئی تھیں کہ تم بھاگو نہ ۔

تمہیں بیباقی سب تمہارے لیے بے ضرر ہونے چاہئیں ۔ خود سے جیو ۔ اپنے خوابوں کے لیے ۔ کیونکہ جو آج تمہارے راستے میں رکاوٹ ہیں تمہا ئیکو نہ بعد کے نے جا کریں گے ۔ کیونکہ جن appreciate کل و کے لیے جن کی عزت کے لیے جن کی خوشی کے لیے لڑکی اپنے خواب مار دیتی ہے ۔ ان کے گزرے سر پر ہاتھ رکھے گا ۔ نہ تم سے تمہاری ضرورت کوئی پوچھے گا ۔ نہ بھائی ، بھابھی نہ یہ دنیا نہ رشتے دار کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے یا نہیں تمہیں کچھ چاہیے یا نہیں ۔ میرے لیے سب سے وہی طور وہی ذلت، کچھ حاصل نہیں ہونا کسی کے لیے رہنے میں کو فائدہ بھی پھر بھی عورت میں لوگ نہیں کر دیتے ہیں، او ر خاص مرد عورتوں میں دوسروں پر انحصار کرتی ہیں اپنی چھٹی چھٹی ضرورت کے لیے بھی اپنی عورت بھی اپنی اپنوں کو، خود سے دوسروں سے رشتوں کو کبھی خوش نہیں کر سکتی دینا وہ آج تک رہی کوئی چیز بنی ہی نہیں ہے، جو لوگوں کو خوش کر سکے۔ ورنہ میں مر نہ سکتی "بیٹی وہ ہے، جو سب کے لیے مر جائے بیٹی وہ ہے جو خود کے لیے بھی سب کو دریا سواد ہے "بیٹی جب تک گھر میں ہے :سنسار ایک نہ ایک دن گھر سے چلی ہی جاتی ہے، تو گھر کیوں نہ دیں وہ تمہارے پاس ہیں، ہم وہیں وہ سب چھڑ دیں جو اور بیٹی کا حق ہے، بیٹی کو کیا بھی بند اور اورنگ میں کم دے دو بیٹی کو پیسے بھی چاہیے یا کم دے دیں صرف عزت، محبت اور احترام بھر دیں کیونکہ کہہ کہیں گے کہ معلوم والے ہیں، سب خرچ ہو جاتا ہے۔ پر وہ عزت، وہ محبت اور احترام بیٹی کے دل میں گھر ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بیٹی کو صرف گھر کا نوکر سمجھنا بھی بڑا ناصب (نا انصافی) ہے ۔ بیٹی کو رسوا نہ سمجھو ۔ اس کے خوابوں کو بھی رہنما سمجھیں ۔ جس گھر میں بیٹی گھر میں ہے :اسے گھر کی مہمان نہیں ، گھر کی جان سمجھیں ۔ اور اپنی بیٹی پر کسی دوسرے کی بیٹی کو فوقیت مت دیں کیونکہ ان کے

خوابوں کی پہلی حقدار آپ کی بیٹی ہے ۔ میں نے کچھ والدین کو دیکھا ہے ۔ جو دوسروں کی بیٹیوں کا بے پناہ احترام کرتے ہیں ۔ بڑی سناجی سماجی)پر بھارتے ہیں ۔ اور اپنی بیٹیوں کے لیے ایک نقطہ احترام کا (نہیں نکلتا ۔ کیوں یہ منافقت :آپ کے احترام کی پہلی حقدار آپ کی بیٹی ہے ۔ دوسروں کی نظر میں خود کو بہترین ثابت کرنا میرے نزدیک دکھاوا محض ہے ۔ آپ اپنے بچوں کی نظر میں بہترین والدین ہوں ۔ اپنے والدین اپنے بچوں کے دل میں حسرت نہ ڈالیں کے دوسروں کے بچوں کی نظر میں ہر وقت بلاواسطہ ہیں فائدہ اپنی پریشانی کا ۔ جب آپ

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 28 :ڈاکٹر مسعود کی شفقت اور علمی سرپرستی

شعبہ سیاسیات، قدامت پسند اساتذہ اور سربراہ شعبہ کا غیر متزلزل اعتماد

خلاصہ :شعبہ سیاسیات کے سربراہ ڈاکٹر مسعود نے رجاء کے مقالے کی ندرت اور فکری بلندی کو پہچان کر اسے خصوصی ریسرچ گرانٹ کے لیے نامزد کیا اور حاسدین کے سامنے فولادی ڈھال بن گئے۔

◆ ◆ ◆

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کی اکیڈمک فضا میں دو متضاد دنیاؤں کا تصادم ہر روز دیکھنے کو ملتا تھا۔

ایک طرف وہ بااثر اور خوشامد پسند اساتذہ تھے جو امیر جاگیرداروں کے بیٹوں اور شہر کی ماڈرن طالبات کو نوازتے تھے، اور دوسری طرف چند وہ درویش صفت محققین تھے جو علم کے تقدس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ شعبہ سیاسیات کے چیئرمین ڈاکٹر مسعود دوسری صف کے سرخیل تھے۔ وہ سفید ریش، سنجیدہ اور کم گو استاد تھے جن کی نگاہیں طلبہ کے ماتھے پر لکھی سچی طلب کو فوراً بھانپ لیتی تھیں۔

جب سیمسٹر کے وسط میں پہلے ریسرچ پروپوزل کی جانچ پڑتال کا اجلاس ہوا، تو شعبے کے ایک بااثر اور ضدی پروفیسر ڈاکٹر غفار نے میرے مقالے کے خاکے کو حقارت سے میز پر پٹخ دیا۔

" یہ لڑکی جو روزانہ دیہات سے آتی ہے، اس نے موضوع کا چناؤ ایسا کیا ہے جیسے یہ اکیلی ہی ملکی دستور کو بدل دے گی "!اس نے تمسخر سے کہا۔ "قبائلی رسوم اور ریاستی قوانین کا تصادم؟ یہ ایک روایتی لڑکی کے بس کی بات نہیں۔ اسے کوئی سیدھا سادا علامتی موضوع دے کر فارغ "کریں۔

ہیں تےہو کے نےکے اپنے بچے آپ کے احترام کے پر ترس گئے ۔ تب آپ کے لیے آپ کی بیٹی گھر بھی آسانی ہے ۔ دوسروں کے لیے صرف دور تک دوڑ ۔ آپ اپنی بیٹی صرف آپ کی بیٹی کر سکتی ہے کسی اور کی بیٹی باب بچے ہیں ۔ بیٹی کو صرف گھر کا نوکر سمجھنا بھی بڑا ناصب (نا انصافی)ہے ۔ بیٹی کو رسوا نہ سمجھو ۔ اس کے خوابوں کو بھی رہنما سمجھیں ۔ جس گھر میں بیٹی گھر میں ہے :اسے گھر کی مہمان نہیں ، گھر کی جان سمجھیں ۔ اور اپنی بیٹی پر کسی دوسرے کی بیٹی کو فوقیت مت دیں

کیونکہ ان کے خوابوں کی پہلی حقدار آپ کی بیٹی ہے ۔ میں نے کچھ والدین کو دیکھا ہے ۔ جو دوسروں کی بیٹیوں کا بے پناہ احترام کرتے ہیں ۔ بڑی سناجی (سماجی)پر بھارتے ہیں ۔ اور اپنی بیٹیوں کے لیے ایک نقطہ احترام کا نہیں نکلتا ۔ کیوں یہ منافقت :آپ کے احترام کی پہلی حقدار آپ کی بیٹی ہے ۔ دوسروں کی نظر میں خود کو بہترین ثابت کرنا میرے نزدیک دکھاوا محض ہے ۔ آپ اپنے بچوں کی نظر میں بہترین والدین ہوں ۔ اپنے والدین اپنے بچوں کے دل میں حسرت نہ ڈالیں کے دوسروں کے بچوں کی نظر میں ہر وقت بلاواسطہ ہیں فائدہ اپنی پریشانی کا ۔ جب آپ کے اپنے بچے آپ کے احترام کے پر ترس گئے ۔ تب آپ کے لیے آپ کی بیٹی گھر بھی آسانی ہے ۔ دوسروں کے لیے صرف دور تک دوڑنے کے ہوتے ہیں ۔ آپ اپنی بیٹی صرف آپ کی بیٹی کر سکتی ہے کسی اور کی بیٹی باب بچے ہیں ۔ بیٹی کو صرف نوکر سمجھنے کے لیے پالنا سب سے بڑی نا انصافی ہے ۔ بیٹی کو دستار سمجھو ۔ اس کے خوابوں کو بھی اپنا سمجھیں ۔ جس گھر میں بیٹی گھر میں ہے :اسے گھر کی مہمان نہیں ، گھر کی جان سمجھیں ۔ اور اپنی بیٹی پر کسی دوسرے کی بیٹی کو فوقیت مت دیں کیونکہ ان کے خلوص کی پہلی حقدار آپ کی بیٹی ہے ۔ میں نے اکثر والدین کو دیکھا ہے ۔ جو دوسروں کی بیٹیوں کا بے پناہ احترام کرتے ہیں ۔ سماجی سطح پر دکھاوے کرتے ہیں ۔ اور اپنی بیٹیوں کے لیے ایک لفظ احترام کا نہیں نکلتا ۔ کیوں یہ منافقت :آپ کے احترام کی پہلی حقدار آپ کی بیٹی ہے ۔ دوسروں کی نظر میں خود کو بہترین ثابت کرنا میرے نزدیک انتہائی غلط ہے ۔ آپ اپنے بچوں کی نظر میں بہترین والدین ہوں ۔ ایسے والدین اپنے بچوں کے دل میں حسرتیں ڈال کے دوسروں کے بچوں کی نظر میں پرفیکٹ کہلاواتے ہیں فائدہ ایسی پر فنے کس ں کا جب آپ

تے ہو کے یکھنے کے اپنے بچے آپ کے احترام کے لیے ترس گئے ۔ آپ کی سچی کمائی پھر بھی آپ کی بیٹی ہی ہے ۔ دوسروں کے بچے صرف دور تک دہیں ۔ آپ کی بیمار پرسی صرف آپ کی بیٹی کر سکتی ہے کسی اور کی بیٹی یا بچے نہیں ۔ اس لیے انہیں سمجھیں ۔ کہ سب سے زیادہ احترام اور عزت کی حقدار آپ کی اپنی بیٹی ہے ۔ کیونکہ جس دن وہ چلی جائے گی ۔ نہ آپ کے پاس وہ لمحے واپس آئیں گے ۔ نہ وہ ہنسی نہ وہ شرارتیں ۔ بچے گا تو صرف یہ احساس کہ آپ نے اسے کتنا اپنا سمجھا تھا ۔ کیونکہ ایک دن وہ چلی جائے گی ۔ ہر دیا ہوا سکون ہمیشہ اس کے ساتھ جائے گا ۔ "باپ کا سایہ اور بیٹی کا جنون" : "باپ کے بغیر زندگی آسان نہیں ہوتی : "میرے اور میرے والد کا رشتہ چاہے جیسا بھی رہا ہو ۔ لیکن حقیقت یہی ہے ۔ کہ باپ کے بغیر زندگی آسان نہیں ہوتی ۔ میں کہتی ہوں کہ دیکھنے کے دو پہلو ہیں ایک مثبت اور ایک منفی ہم انسان ایسے ہیں کہ صرف منفی پہلو دیکھتے ہیں اور مثبت نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ یہ وہ کرتے ہیں جنہوں نے رشتے نہیں نبھانے ہوتے ۔ جنہیں رشتوں سے آزادی چاہیے ہوتی ہے ۔ وہ صرف اس کے منفی پہلو منفی رویے دیکھتے ہیں لیکن میں ہر انسان کا منفی روپ میں ایسے مثبت پہلو دیکھتی ہوں ۔ میں بھی اپنے باپ کا مثبت پہلو دیکھوں گی ہر رشتے سے انسان مکر سکتا ہے ہر رشتے سے بیٹی بے حس ہو سکتی ہے لیکن ماں باپ سے یہ کبھی

نہیں چاہے کچھ بھی ہو جائے بیٹی نبھاتی ہے۔ چاہے بیٹی کے ساتھ کیسا ہی سلوک کیوں نہ ہوا ہو بیٹیاں نہ مکر سکتی ہیں نہ ماں باپ کے معاملے میں بے حس ہو سکتی ہیں میں کیسے بھول جاؤں کہ میرے باپ نے اپنی جوانی مجھ پر خرچ کی ہے۔ اپنی جوانی مجھ پر لگائی ہے میں کیسے بھول جاؤں کہ وہ راتوں کو اٹھ کر کام پر جاتے ہیں تاکہ میں سکون سے سو سکوں؟ ان کی ہر ڈانٹ اس بات پر بھاری ہے، کیونکہ اس کے پیچھے میری فکر ہے۔ میرا مستقبل ہے۔ میں اپنے ماں باپ سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ لیکن میں اس کو جتا نہیں سکتی۔ نہ مجھے آیا۔ وہ سخت ہی اتنے تھے کہ اظہار بھول گئی میں۔ کچھ محبتیں خاموش ہوتی ہیں جو جتا کر بتا کر نہیں بس انسان احساس اور دل سے کرتا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر کسی کی محبت جتانے کا طریقہ الگ ہوتا ہے میری محبت رب سے ہے اس کے بعد میرے والدین ہیں ۔ میرے ماں باپ میری زندگی کا بڑا سرمایہ ہیں میرے دل میں ان کے لیے کوئی غلط فہمی کوئی نفرت کوئی فرق نہیں ڈال سکتا ۔ میری والدہ میری دوست ہیں میرا جنون ہیں ۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ میں اپنے ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاموش کھڑی تھی، میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ تب ڈاکٹر مسعود نے عینک اتاری، سفید رومال سے شیشے صاف کیے، اور اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب "!ان کی رعب دار اور پرسکون آواز نے کانفرنس ہال " کے در و دیوار کو ہلا دیا۔ "ہم پچھلے پندرہ سال سے اس شعبے میں وہی گھسے پٹے، نقل شدہ موضوعات پاس کر رہے ہیں جن سے ملک کے کسی قانون کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس بیٹی کے کام میں اصل فیلڈ ورک کی خوشبو ہے۔ اس نے ان علاقوں کے کچے اعداد و شمار اکٹھے کیے ہیں جہاں جانے کی آپ کے کسی اسکالر میں ہمت نہیں تھی۔"

انہوں نے وہ مسودہ اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور میری طرف دیکھا :

رجاء !تم اپنے اسی موضوع پر کام کرو گی۔ اور میں تمہیں نہ صرف " ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ریسرچ فیلوشپ کے لیے نامزد کر رہا ہوں، بلکہ میں بذاتِ خود تمہارے مقالے کی نگرانی کروں گا۔ جاؤ اور اس ملک "کے ایوانوں کو بتاؤ کہ جنوبی پنجاب کی بیٹیوں کی فکر کیا ہوتی ہے۔

اس دن جب میں شعبے سے نکلی، تو میری آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ جب انسان حق کی راہ پر تنہا نکلتا ہے، تو خدا اس کے راستے میں ایسی ہستیاں کھڑی کر دیتا ہے جو تاریکیوں میں چراغ بن کر راستہ دکھاتی ہیں۔

ہیں میں ہمیشہ یہی کوشش کرتی ہوں کہ میں اتنا کماؤں کہ میں اپنے ماں باپ کو بوڑھا نہ ہونے دوں ۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ جوان ر ۔ ان کا درد میں خود میں بانٹ لوں ۔ مجھے تب تک سکون نہیں آئے گا جب تک میں انہیں ایک پرسکون عیش کی زندگی نہ دے دوں ۔ اس لیے مجھے کامیاب ہونے کا جنون تھا ۔ پر میری سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ مجھے ہر چیز وقت سے پہلے چاہیے تھی ۔ لیکن وقت سے پہلے کچھ نہیں ملتا ۔ جو چیز تمہارے لیے مقرر ہے وہ مقررہ وقت پر ہی ملے گی ۔ کوشش کرو ، بھرپور کرو ۔ تاکہ جب وقت آئے تو تم قابل ہو چکی ہو ۔ کیونکہ بیٹی کے لیے باپ کا سایہ ہی سب کچھ ہوتا ہے ۔ اور جب تک وہ

سایہ ہے ۔ بیٹی کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں جھکا سکتی ۔ ماں کا دل پھر بھی بیٹی کے لیے سخت ہو سکتا ہے ۔ لیکن ایک بیٹی کا دل باپ کے لیے کبھی سخت نہیں ہو سکتا ۔ جو چیز تمہارے لیے مقرر ہے وہ مقررہ وقت پر ہی ملے گی ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم کوشش کرنا چھڑ دو ۔ کوشش کرو اور بھرپور کرو تاکہ تمہاری کامیابی کا وقت مقرر ہو سکے ۔ تاکہ تم اپنے ماں باپ کے لیے ایک اچھی زندگی کا انتخاب کر سکو ۔ اور میں تب تک نہیں رکوں گی جب تک انہیں وہ عزت وہ سکون نہ دے دوں ۔ والدین کے بعد مجھے اپنے لیے کچھ نہیں چاہیئے ۔ مجھے اپنے لیے جو چاہیئے ۔ وہ پر کام کرنا اولڈ ایج ہومز کے لیے education عورتوں اور مردوں کی ۔ یتیم بچوں کی تعلیم کے لیے کوشش کرنا ان کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا اور کا بنانا چاہتی ہوں ۔ تاکہ ان کو Divorced women home ایک عارضی طور پر محفوظ چھت ملے ۔ ان کے لیے ایسے کام کاروبار بندوبست کروں جو وہاں سے کما کر اپنا خود کو سنبھال سکیں وہ عورتیں کے کما سے محنت پنیمیں نہ Divorced women بیچارگی کے پہلے اس رہیں ۔ ااپنے لیے اپنی مرضی کی زندگی کا انتخاب کریں ۔ بس مجھے اپنی زندگی میں اتنا چاہیئے ۔ اس لیے مجھے کامیاب ہونے کا جنون ہے ۔ کیونکہ میرے خواب ایسے ہیں ۔ میں وقت سے پہلے کچھ نہیں مانگتی ۔ چاہے ہم پاگل پن کی حد تک کوشش کریں چاہے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں ۔ اس لیے بس محنت کرو ، کماؤ تاکہ ہر لڑکی اپنی مرضی کی زندگی کا انتخاب کر سکے عورت کے پاس پیسہ اور گھر ہو عورت کے پاس اپنا گھر نہ بھی ہو ، پیسہ جو کچھ ہو ۔ وہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہو ۔ عورت اتنا کمائے کہ اسے کسی کا منہ نہ دیکھنا پڑے ۔ کسی کی منت یا طعنہ نہ سننا پڑے ۔ اتنا ہو کہ اپنی مرضی سے خود پر خرچ کر سکے ۔ اپنے خود کے سارے شوق پورے کر سکے ۔ آج کی عورت کو مردوں سے زیادہ کمانا چاہیے ۔ عورت کو کسی بھی رشتے پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ جو عورتیں چھٹی چھٹی چیزوں کے لیے اپنے بھائی ، باپ یا شوہر کا منہ دیکھتی ہیں وہ

ہمیشہ ذلیل ہوتی ہیں ۔ میں نے دیکھا ہے ۔ مانا ہے ۔ اگر تمہارے پاس کیریئر ہے ، پیسہ ہے ۔ تو دنیا تمہیں توجّہ دیتی ہے ۔ تمہارا رعب مانتی ہے ۔ لوگ تمہاری چھٹی سی غلطی کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں چاہے وہ آپ کے اپنے ہی کیوں نہ ہوں ۔ عورت اگر باپ کے گھر میں ہے اور وہ نہیں کماتی تو وہ اس گھر میں بھی ذلیل ہو گی ۔ یہی ہمارے لوگوں کی سچائی ہے ۔ طعنہ سب سے ملے گا ، ہر گھر سے ۔ لیکن اگر تم ہو ، خود کماتی ہو ، کسی پر منحصر نہیں ہو ۔ تو وہی کامیابی independent تمہارے کردار کی گواہی بن جاتی ہے ۔ وہی پیسہ تمہیں ڈھک دیتا ہے ۔ ڈھال بنتا ہے ۔ جہاں تمہاری نمازیں ، تمہاری تہجدیں تمہارے کردار کو نہیں ڈھک سکتیں ، لوگ ان پر بھی طعنہ دیتے ہیں ۔ تانے بھی دیتے ہیں ۔ کردار ایسا ہے ۔ اور نمازیں پڑھی جا رہی ہیں ۔ دکھاوا ہے سارا ۔ ایسے لوگ عبادتوں میں بھی عورت کو نہیں چھڑتے ۔ وہیں پیسہ تمہیں ڈھک دیتا ہے ۔ تم جتنا مرضی کہو کہ تمہارا کردار اچھا ہے تم جتنی مرضی صفائی دے لو جب تک تمہاری کامیابی نہیں بولے گی ، کوئی یقین نہیں کرے گا کیونکہ جب اپنے نہیں کرتے تو کوئی اور کیا کرے گا؟ یہ

کڑوا سچ ہے ، پر یہ کڑوی حقیقت بھی ہے ۔ عورت کی سب سے بڑی عزت اس کی خود مختاری ہے ۔ کیونکہ جس دن عورت کے پاس پیسہ اور اپنا گھر ہوتا ہے ۔ اس دن اس کے پاس اپنی عزت ، اپنی مرضی اور اپنی زندگی ہوتی ہے ۔ اس لیے آج کی عورت محنت کرے ۔ اور اتنا کمائے کہ بکنے والی ہر چیز ہر شخص خرید سکے ۔ آج کی دنیا میں چیزوں سے زیادہ سستا انسان بکتا ہے ۔ تو آج کی عورت کے پاس اس انسان کو خریدنے کی طاقت ہو ۔ کیونکہ آج کا مرد سب سے سستا جہیز کے نام پر بکتا ہے ۔ اکثر مرد عورت کو اس لیے چھڑ دیتے ہیں کہ وہ جہیز کم لائے گی امیر باپ کی بیٹی نہیں ہے ۔ تو لڑکی تم کماؤ کہ ایسے سستے مردوں کا جو بازار ہے جو اتنے سستے بکاؤ ہے ۔ ان کو خرید سکو ۔ دل کو روگ کیوں لگانا :کردار کی صفائی نہیں دی جاتی لڑکیو ، اگر کوئی تمہیں بدکار بدکردار کہے گا تو اس کے آگے کھڑے ہو کر اپنی صفائی مت دینا ۔ نہ کہنا "میں نے ویسا نہیں کیا ، میں نے ویسا نہیں کیا "کیونکہ جس دل میں تمہارے لیے زہر بھرا ہے ۔ وہ تمہاری ہزار دلیلیں سن کر بھی صاف نہیں ہو گا ۔ انہیں مان جانے دو ۔ کہہ دو " :جی ، جیسے آپ نے کہا ویسا ہی سہی "۔ شاید اس ایک خطا سے ان کے دل کو تسکین ، انا کو تسکین مل جائے ۔ اور تمہارا کیا جائے گا ؟ تمہارا کردار نہ ان کے ماننے سے گرے گا ، نہ ان کے کہنے سے گھٹے گا ۔ عورت کو ہر بات پر صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ کردار ایسی چیز ہے جو خود بولتا ہے ۔ لوگوں کی زبان سے نہیں بولا جاتا ۔ جس نے تمہیں سمجھنا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 29 :آئینی دراڑیں، قبائلی رسوم اور نسوانی حقوق

ونی، سوارہ، قرآن سے شادی اور آئینی دفعات کا تقابلی مطالعہ

خلاصہ :رجاء نے اپنے ایم فل مقالے کے لیے جنوبی پنجاب کے دور دراز پسماندہ اضلاع کا کٹھن فیلڈ ورک کیا اور ونی، سوارہ و قرآن سے جبری شادی کے فرسودہ رسوم کے خلاف فولادی قانونی شواہد جمع کیے۔

◆ ◆ ◆

میرے ایم فل تھیسس کی سب سے بڑی طاقت یہ تھی کہ وہ محض بند ایئر کنڈیشنڈ کمروں اور لائبریریوں میں بیٹھ کر لکھی جانے والی فرضی کتابی باتیں نہیں تھیں، بلکہ وہ ان دکھیاری ماؤں اور بیٹیوں کی چیخوں کا سچا احوال تھا جن کے حق پر جاگیردارانہ سماج نے تالے ڈال رکھے تھے۔ میرا موضوع تھا ' :قبائلی روایات، ونی، سوارہ اور قرآن سے جبری نکاح کے خلاف آئینِ پاکستان کی دفعات کا خلا اور عملی نفاذ'۔ اس تحقیق کے لیے مجھے راجن پور، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کی پسماندہ دیہی بستیوں کا خطرناک سفر کرنا پڑا۔

ان کچے دیہاتوں میں جہاں سرداروں اور پنچایتوں کے فیصلے ہی حرفِ آخر مانے جاتے ہیں، وہاں ایک تنہا لڑکی کا جا کر ان بچیوں کے بیانات قلمبند کرنا جنہیں ونی کے نام پر بوڑھوں کے نکاح میں دے دیا گیا تھا، موت کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے برابر تھا۔

میں نے ان مظلوم ماؤں سے بات کی جن کی بچیوں کو باپ کے قتل کے بدلے صلح کے نام پر قربان کر دیا گیا تھا۔ میں نے ان کچی قبروں کو دیکھا جہاں ان بیٹیوں کے نام و نشان بھی مٹا دیے گئے تھے جنہوں نے اپنی مرضی کی شادی کا خواب دیکھا تھا۔

میں نے قانونی شواہد اکٹھے کیے۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح آئین کی دفعہ پچیس)مساواتِ حقوق (اور اسلامی شریعت کی واضح حدود کو قبائلی مفتیوں اور جاگیرداروں نے اپنی ناجائز جائیدادوں کو بچانے کے لیے مسخ کر رکھا تھا۔

جاگیردار خاندان اپنی جائیداد کو غیروں میں تقسیم ہونے سے بچانے کے لیے اپنی جوان بیٹیوں کا 'قرآن سے نکاح 'پڑھوا دیتے تھے، اور پھر انہیں زندگی بھر ایک تاریک کوٹھڑی میں ماتم کرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

جب میں نے یہ تمام ثبوت، اعداد و شمار، اور شریعت کی مستند تفاسیر اپنے مقالے میں یکجا کیں، تو وہ مقالہ محض ڈگری کا کاغذ نہیں رہا، وہ اس دھرتی کے ظالم فرعونوں کے خلاف ایک بے باک چارج شیٹ بن گیا۔

ڈاکٹر مسعود نے جب ابتدائی مسودہ پڑھا، تو ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ انہوں نے کہا " :رجاء !تمہاری یہ تحریر جب منظرِ عام پر آئے گی، تو روایت کے ایوانوں میں زلزلہ آ جائے گا۔ مگر یاد رکھنا، سچ جب بولا جاتا ہے تو باطل کے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں۔"

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 30 :سکوت کی شکست اور سیمینار کا خطبہ

سینیٹ ہال کا بین الاقوامی سیمینار، روایتی علما کے اعتراضات اور رجاء کی للکار

خلاصہ :یونیورسٹی کے مرکزی سیمینار میں رجاء نے ملک بھر سے آئے ہوئے روایتی اسکالرز اور قدامت پسند اساتذہ کے سامنے اسلامی فقہ اور آئینی دلائل سے قبائلی مظالم کا پردہ چاک کر دیا اور پورے ہال کو مبہوت کر دیا۔

◆ ◆ ◆

میرے ایم فل کے آخری سال کی بہار میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے سینیٹ ہال میں ایک بڑا قومی سیمینار منعقد ہوا جس کا عنوان تھا : 'جدید قانون سازی اور مشرقی روایات کا تحفظ'۔

ہال ملک بھر کے نامور قانون دانوں، سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ ججوں، اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین اور قدامت پسند مذہبی اکابرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

جب اسٹیج سیکریٹری نے مائیک پر اعلان کیا " :اب شعبہ سیاسیات کی ریسرچ اسکالر رجاء بنتِ سجاد اپنا مقالہ پیش کریں گی، "تو سامنے بیٹھے روایتی بزرگوں کے چہروں پر تحقیر آمیز مسکراہٹیں ابھر آئیں۔ ایک دیہاتی لباس میں ملبوس، سیاہ بڑی چادر اوڑھے لڑکی کو دیکھ کر وہ سمجھے کہ یہ رسمی سی خیر سگالی کی تقریر کر کے بیٹھ جائے گی۔ میں مائیک کے

سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔ میرے سامنے سیکڑوں نگاہیں تھیں جو مجھے پرکھ رہی تھیں۔

میں نے سورۃ النساء کی آیت تلاوت کی، اور پھر میرا لہجہ بدل گیا۔ میری آواز میں گرج اور استدلال کی فولادی کاٹ تھی جس نے پہلے ہی منٹ میں ہال کے تمام قہقہوں اور چہ مگوئیوں کو کچل کر رکھ دیا۔

ہے وہ تمہاری خاموشی سے بھی سمجھ جائے گا اور جس نے بہتان لگانا ہے ۔ وہ تمہاری صفائی کو بھی غلیظ لفظوں کے ساتھ استعمال کرے گا ۔ تو اپنی توانائی لوگوں کو منانے میں ضائع مت کرو ۔ خود کو کامیاب کرنے میں کرو ، محنت کرو ۔ اپنی زندگی ، اپنی عزت ، اپنی کامیابی پر لگاؤ ۔ جب تم کسی مقام پر پہنچو گی ۔ جہاں تمہاری کامیابی تمہاری گواہی بنے گی ۔ تو وہی لوگ جو آج انگلی اٹھا رہے ہیں کل تمہارے آگے سر جھکائیں گے ۔ کیونکہ دنیا کا اصول یہی ہے :کردار پر گواہی نہیں مانگی جاتی ، کردار ہر وقت خود گواہی دے دیتا ہے لڑکیوں کے زخم لوگ کہتے ہیں جب انسان کامیاب ہو جاتا ہے تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے ۔ ساری تلخیاں مٹ جاتی ہیں ۔ زخم بھر جاتے ہیں ۔ پر یہ جھوٹ ہے ۔ لڑکیوں کے زخم کبھی نہیں بھرتے ۔ عمر کے کسی حصے میں نہیں ۔ بس وقت کے ساتھ ان پر جھلی آ جاتی ہے ۔ پر اندر سے وہ ویسے ہی ہرے رہتے ہیں ۔ ویسے ہی رستے رہتے ہیں ۔ کچھ درد بہت بھاری ہوتے ہیں جو اکثر دل بند کرنے کی طاقت رکھتے ہیں ۔ تو ایسے زخموں کو ناسور بنا لینا چاہیے تاکہ آپ بھولیں نہیں ۔ تاکہ ان لوگوں پر دوبارہ بھروسہ نہ کر سکیں جنہوں نے تمہیں توڑا تھا تاکہ ان کے لیے دوبارہ کوشش نہ کرو ۔ دوبارہ کبھی سوچو نہ ۔ کیونکہ جو ایک بار تمہیں توڑ دے ۔ وہ دوسری بار تمہیں بچانے نہیں آئے گا ۔ وہ صرف تمہاری حالت دیکھنے آئے گا کہ اب بھی تم کھڑی ہو یا نہیں ۔ اور تمہیں کھڑا رہنا ہے ۔ نہ ان کے لیے ۔ بلکہ خود کے لیے ۔ کیونکہ یہی زخم تمہیں طاقت دیں گے ۔ جس کے آگے دنیا جھکنے پر مجبور ہو جائے گی ۔ مجھے میری زندگی میں ہر اس انسان نے تکلیف دی ہے ۔ جن کے لیے میں جاں ہتھیلی پر رکھتی تھی ۔ جن کے لیے میں راتوں کو سوتی نہیں تھی ۔ جن کو میں بہت آگے خود سے کہیں زیادہ آگے دیکھنا چاہتی تھی ۔ جن کو میں کچھ بنتا دیکھنا چاہتی تھی ۔ جن سے مجھے بے پناہ محبت تھی ہر اس رشتے نے مجھے درد اور اذیتوں کے اعلیٰ مقام دیے ک ہیں ۔ بس مجھے آج تک کسی سے نفرت نہیں ہوئی ۔ بس میں دور ہو جاتی ہوں نہ میں پھر اس کو دیکھنا چاہتی ہوں ۔ نہ سننا چاہتی ہوں ۔ نہ کوشش کرنا چاہتی ہوں ۔ نہ دعا نہ بددعا ۔ دل سے اور نظر دونوں سے اتار دیتی ہوں ۔ کہ کبھی وہ لوگ تھے بھی سہی یا نہیں بس نہ دیکھنا ہے اور نہ سننا ہے ان کو کبھی کسی سے نفرت نہ کریں لڑکیاں :نفرتیں ، محبتوں سے زیادہ وزن رکھتی ہیں ۔ محبت کا تو خریدار ہوتا ہے ، لیکن نفرت کا بڑا معیار ہوتا ہے ۔ محبت سے زیادہ عورت کی نفرت کی قیمت ہوتی ہے

۔ محبت سے زیادہ عورت کی نفرت مہنگی ہوتی ہے ۔ اس لیے عورت کی محبت سے زیادہ نفرت کا معیار ہوتا ہے ۔ اس لیے نفرتیں سستے انسانوں پر نہیں لٹائی جاتیں جبکہ محبتیں عورت ہمیشہ سستے انسانوں پر لٹاتی ہے ۔ اس لیے کہتی ہوں آج کی عورت مرد سے بڑا جگر رکھتی ہے ۔

ناکامی سے بننے والی میں میں اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ناکام ہوئی ہوں ۔ جس چیز کو ہاتھ لگاتی ، وہ ناکامی میں بدل جاتی ۔ پڑھائی ہو ، گورنمنٹ جاب ہو ، ہر جگہ کوئی نہ کوئی وجہ بن ہی جاتی کہ میں رک جاتی ، یا ٹوٹ جاتی ۔ جس بھی کام میں پیسے لگاتی ڈوب جاتے ۔ بار بار لگاتی کوشش کرتی ، پر کچھ نہیں بنتا تھا ۔ لوگ کہتے تھے "چھڑ دو "، پر میں نے نہیں چھڑا کیونکہ میں جانتی ہوں ۔ ناکامی میرے مقدر کا اختتام نہیں ہے ۔ یہ تو صرف وہ راستہ ہے ۔ جو اللہ مجھے سکھانے کے لیے بنانے کے لیے دکھا رہا ہے ۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت غلطیاں کی ہیں ۔ ہر ہر غلطی پر بیٹھ کر سوچا ہے ، روتی نہیں ۔ ڈیپ ریسرچ کی ، سوچا ، سمجھا ، اور ہر بار خود کو تھوڑا بہتر بنایا ۔ غلطیاں کی پر ان پر اڑی نہیں رہی ۔ انہیں سدھارا ، ان سے سیکھا ، اور آگے بڑھ گئی ۔ میں نے اپنے ہر رشتے کو سو فیصد دیا ۔ دل سے دیا ، جاں سے دیا ، لیکن وہ رشتہ میرے نہیں بنے ۔ تو یہ میرا قصور نہیں ۔ میں نے اپنا فرض پورا ادا کیا ۔ اب آگے اللہ کی مرضی ۔ آج بھی میں کوشش کر رہی ہوں ۔ ہر دن ، ہر روز یہ یقین رکھ کر کہ کبھی تو اللہ رنگ لگائے گا ۔ کبھی تو وہ دروازہ کھلے گا ۔ جس کے لیے میں سالوں سے دستک دے رہی ہوں ۔ کیونکہ میں نے سیکھا ہے :ناکامی مجھے توڑنے نہیں آتی ، مجھے بنانے آتی ہے ۔ ہر ٹھوکر نے مجھے مضبوط کیا ۔ ہر ہار نے مجھے سمجھدار کیا ۔ اور ایک دن ، جب میں اس مقام پر کھڑی ہوں گی ، جہاں آج مجھے ناکام کہنے والے کھڑے ہیں ۔ تو وہی لوگ کہیں گے " . . .دیکھو یہ وہی ہے جو کبھی ہاری نہیں تھی ۔ "ہارنا گناہ نہیں ۔ کوشش چھڑنا گناہ ہے ۔ باقی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ اور جو اللہ کے ہاتھ میں ہو ، وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا ۔ اس لیے لڑکیو خود پر محنت کرو ۔ تم سب مجھ سے زیادہ ذہین اور قابل ہو ۔ شدید طلب زندگی کا سب سے عجیب کھیل یہی ہے ۔ کہ جب ہمیں کسی چیز کی سب سے زیادہ طلب ہوتی ہے ۔ جب دل اور دماغ ایک ساتھ چیخ کر کہہ اٹھتا ہے ۔ "کاش یہ مل جائے "۔ تب قسمت ہم سے وہ چیز چھین لیتی ہے جس وقت ہمیں محبت چاہیے ہوتی ہے ، لوگ ہمیں تنہا چھڑ دیتے ہیں ۔ جس وقت ہمیں سہارا چاہیے ہوتا ہے ، ہر ہاتھ ہم سے دور ہو جاتا ہے ۔ جس وقت ہمیں

میں نے اپنے فیلڈ ورک کے دستاویزی ثبوت، آڈیوز اور قبائلی فیصلوں کے اصل عکس پروجیکٹر پر دکھائے۔ میں نے قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ کس طرح قبائلی پنچایتوں نے اسلام کے نام پر غیرت، ونی اور جہیز کے بت گھڑ رکھے ہیں جن کا دینِ فطرت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ہم کس مشرقی روایت کے تحفظ کی بات کرتے ہیں؟ "میں نے ہال کے " بااثر ججوں اور علما کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارا۔ "کیا وہ روایت جس میں باپ کے جرم کی سزا تیرہ سال کی بیٹی کو جانوروں کی طرح بیچ کر دی جاتی ہے؟ کیا وہ روایت جس میں بیٹی کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے اسے قرآن کے نام پر زندہ درگور کر دیا جاتا ہے؟ اگر اس ظلم کا نام روایت ہے، تو سنو !ہم وہ نسل ہیں جو اس روایت کے ہر بت کو پاش پاش کر کے دم لیں گی "!جب میری تقریر ختم ہوئی، تو پورا سینیٹ ہال دم بخود تھا۔

پھر اچانک اگلی نشست پر بیٹھے سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس کھڑے ہوئے اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہال کھڑا ہو گیا اور تالیوں کی پرشور گونج نے اس تاریخی عمارت کی چھت کو ہلا کر رکھ دیا۔

ڈاکٹر مسعود پچھلی قطار میں کھڑے اپنی نم آنکھیں پونچھ رہے تھے، اور میں نے دل ہی دل میں اپنے رب کے آگے شکر کا سجدہ کیا۔ وہ سکوت جس نے نسلوں سے میری ماؤں کے لبوں کو سی رکھا تھا، ہمیشہ کے لیے ٹوٹ چکا تھا۔

چھین کچھ سب . .تیںحسر موقع چاہیے ہوتا ہے ، دروازے ہمارے منہ پر بند ہو جاتے ہیں ۔ زندگی سب کچھ چھین لیتی ہے ۔ خواب ، خواہشیں لیتی ہے ۔ اور تم سوچتی ہو شاید یہی میری قسمت ہے ۔ پر پھر ایک ، وقت آتا ہے ۔ وہی سب کچھ تمہارے قدموں میں آ کر گرنے لگتا ہے ۔ جب تم ہر اس چیز کو حاصل کر سکتی ہو ۔ جس کے لیے کبھی رویا کرتی تھی ۔ جب قسمت ہمیں سب کچھ واپس لوٹاتی ہے تب ہم اسے واپس کر دیتی ہیں ۔ کیونکہ تب دل میں نہ وہ طلب رہتی ہے ۔ اور نہ آنکھوں میں وہ چمک کیونکہ وقت نے ہمیں سکھا دیا ہوتا ہے ۔ کہ جس چیز کے لیے تم ٹوٹتی تھیں ۔ وہ چیز تمہاری خوشی کی ضمانت نہیں تھی ۔ اور تب تم وہ سب کچھ زندگی کو واپس لوٹا دیتی ہو ۔ کیونکہ تب ہمیں نہ خواہش رہتی ہے ، نہ نہ حسرت نہ چاہت ۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا کہ زندگی اب کچھ دے یا نہ دے ۔ یہی وہ مقام ہے ، جہاں انسان آز اد ہوتا ہے ۔ جب تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہ رہے ۔ تو وہی چیز تمہارے پیچھے دوڑنے لگتی ہے ۔ پر یاد رکھنا جس وقت تمہیں کچھ نہ چاہیے ہو ، اسی وقت تمہیں سب کچھ ملتا ہے ۔ اور جس وقت تمہیں سب کچھ چاہیے ہوتا ہے ۔ اس وقت تمہیں کچھ نہیں ملتا ، سب چھن جاتا ہے ۔ اس لیے ہار مت مانو :آج جو تم سے چھینا جا رہا ہے ۔ کل وہی تمہیں واپس ملے گا ۔ پر تب تم اس کی محتاج نہیں رہو گی ۔ کیونکہ زندگی چیزیں دیر سے دیتی ہے ۔ پر جو دیتی ہے ۔ وہ پورا حساب چکا کر دیتی ہے ۔ جب ہر دروازہ بند ہو جائے جب لگے کہ ہر دروازہ بند ہو گیا ہے ۔ جب سب نے چھڑ دیا ہو ، جب کچھ بھی نظر نہ آ رہا ہو ۔ تو سمجھ لینا ...اللہ نے تمہیں تھام لیا ہے ۔ اللہ ہمیں اتنی کڑی آزمائش اس لیے دیتا ہے ۔ کیونکہ اس نے تمہارے لیے اتنی ہی بڑی کامیابی لکھی ہے ۔ تمہاری ناکامیاں جتنی بڑی ہوں گی ، تمہاری کامیابیاں اس سے بھی بڑی ہوں گی ۔ جس دن دنیا کے سارے راستے بند لگیں ، اس دن اللہ اپنا دروازہ کھولتا ہے ۔ اور سوچو ، وہ دروازہ کیسا ہو گا ؟ اللہ کے دروازے سے بڑا کوئی دروازہ نہیں ہوتا ۔ پھر وہی اللہ تمہارے لیے وہاں سے راستے بناتا ہے ۔ جہاں سے تمہیں کچھ بھی ممکن نہیں لگ رہا ہوتا ۔ کیونکہ اللہ سے بہتر نہ کوئی ہمدرد ہے ، نہ کوئی تمہیں سمجھنے والا ہے ۔

لیے بس تمہارا کام اللہ کی ہر آزمائش پر صبر کرنا ہے ۔ اس سے جڑے رہنا ہے ۔ اسی کو کہنا ہے ۔ اسی کو منانا ہے ۔ اور پھر وہ تمہارے وہ عزت ، وہ مقام وہ سکون لکھ دے گا ۔ جس کے آگے دنیا کی ساری ٹھوکریں چھٹی لگنے لگیں گی ۔ کیونکہ جب اللہ دیتا ہے ، تو دنیا کو تمہارے قدموں میں لا کر رکھ دیتا ہے ۔ جس دنیا نے تمہارا جینا محال

کیا ہوتا ہے ۔ کامیابی کے بعد زندگی کا سفر کامیابی ملنا مشکل ہوتا ہے ، پر کامیابی سنبھالنا اس سے بھی مشکل ہوتا ہے ۔ لوگ سمجھتے ہیں جب تم کامیاب ہو جاتی ہو تو سب ختم ہو جاتا ہے کہ اب نہ درد رہے گا ، نہ آنسو نہ راتیں جاگ کر گزریں گی پر حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کے بعد ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے ۔ اور یہ سفر پہلے سے زیادہ تنہا ہوتا ہے ۔ جس وقت تم جدوجہد کر رہی ہوتی ہو ، لوگ جھوٹے دل سے ہی سہی لیکن ساتھ ایک دو لوگ کھڑے ہوتے ہیں ۔ جو تسلی دیتے ہیں ۔ پر جس دن تم کامیاب ہو جاتی ہو ، وہ دو لوگ بھی بدل جاتے ہیں ۔ کسی کی آنکھ میں حسد آ جاتا ہے کسی کے لہجے میں فاصلہ ۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہوتی ہے ، کہ جس چیز کے لیے تم سالوں روئی ، جب وہ مل جاتی ہے تو دل کو وہ سکون نہیں ملتا ۔ کیونکہ اصل خوشی منزل میں نہیں ، سفر میں تھی ۔ کامیابی کے بعد لوگ تمہارے آگے جھکنے لگتے ہیں ۔ وہی لوگ جو کل کہتے تھے "یہ کچھ نہیں کر سکتی "، آج کہتے ہیں " ہمیں تو پہلے دن سے پتا تھا "تم کچھ بنو گی "، پر تم جانتی ہو ، ان کا دل نہیں بدلا ، صرف تمہاری قیمت بڑھ گئی ہے ۔ اور سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے ۔ کہ اب تم صرف اپنے لیے نہیں جیتی ۔ اب تمہارے اوپر ماں باپ کا سکون ہے ۔ غریب بچوں بے سہاروں کی تعلیم ہے ۔ ان لڑکیوں کا سہارا ہے جو کل میری اور تمہاری جگہ کھڑی ہوں گی ۔ اس لیے کامیابی کے بعد سب سے بڑی لڑائی یہ ہوتی ہے ۔ کہ تم خود کو نہ بھول جاؤ ۔ پیسہ ، نام ، شہرت تمہیں بدل نہ دے ۔ وہی رہو جو تم جدوجہد میں تھی ۔ سچی ، محنتی ، بے باک کیونکہ !کامیابی صرف ایک دروازہ ہے ۔ اصل سفر تو اس دروازے کے بعد شروع ہوتا ہے ۔ اور یہ سفر صرف تب خوبصورت لگتا ہے ۔ جب تم خود کو نہ بھولو ۔ کامیابی کے بعد ہمیں سب سے پہلے اکیلے پن کا سامنا ہوتا ہے ۔ کیونکہ انسان تو گرانے والا بندہ ہے اٹھانے والا نہیں ۔ جس کے لیے تم تڑپ رہی تھی وہی تم سے جلنے لگتے ہیں ۔ تمہاری نیت پر سوال اٹھتے ہیں ۔ اور تمہاری محنت کو "قسمت "کہہ

❖ ❖ ❖

سیزن 4 :فکر کی بھٹی اور صبر جمیل کا امتحان ❖

❖ (سینٹرل لائبریری اور ڈیفنس)

قسط نمبر 31 :سینٹرل لائبریری کے شب بیدار اور بشیر چاچا کی چائے

علم کا مندر، نوٹس کا انبار اور تھرموس کی کڑوی چائے

خلاصہ :رات گئے تک زکریا یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری کے خاموش گوشوں میں مقالے کی جانچ، تھکن سے لڑتے ہوئے نوٹس بنانا اور بوڑھے خادم بشیر چاچا کی چائے کا سہارا۔

◆ ◆ ◆

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری بوسن روڈ کے مٹیالے میدانوں پر کسی قدیم سائنسی اور فکری قلعے کی طرح ایستادہ تھی۔

اس کی اونچی چھتیں، شیشے کی دیو ہیکل کھڑکیاں اور ہزاروں الماریاں پرانی کتابوں، گوند اور زرد کاغذات کی ایک مقدس، پرسکون خوشبو سے بوجھل رہتی تھیں۔ یہ وہ پناہ گاہ تھی جہاں مجھے دیہات کی طعنہ زنیوں اور گھر کے حبس زدہ ماحول سے دور، فکر کی پرواز کے لیے کھلی فضا ملتی تھی۔

ایم فل کے آخری چھ ماہ میں یہ لائبریری میرا دوسرا گھر بن چکی تھی۔ ڈاکٹر مسعود کی خصوصی اجازت سے مجھے شام کے بعد بھی ریسرچ سیکشن میں بیٹھنے کا پرمٹ ملا ہوا تھا۔

وہ راتیں جسمانی اور ذہنی اعتبار سے خون نچوڑ لینے والی تھیں۔ رات نو بجے تک آنکھیں کتابوں کے باریک حروف گھورتے گھورتے سرخ انگارہ بن جاتیں اور گردن کے پٹھے درد سے اکڑ جاتے۔ لائبریری کی بتیس فٹ اونچی چھت سے لٹکتے ہوئے پرانے پنکھے ہوا کے بجائے گرمی کو گردش دیتے، مگر میرا قلم کاغذ کے سینے پر بنا رکے دوڑتا رہتا۔

ہمارے معاشرے نے اپنے رسم و رواج، اپنی جھوٹی انا، اور صدیوں کے فرسودہ خیالات کو دین کا لبادہ اوڑھا دیا ہے۔ قرآن تو عورت کو عزت، وقار، اور خود مختاری دیتا ہے، لیکن معاشرہ اسے جہیز کے ترازو میں تولتا ہے، خاموش ظلم سہنے کو 'صبر' کا نام دیتا ہے، اور غیرت کے نام پر بیٹیوں کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ جب معاشرے کا پیمانہ اور قرآن کا پیمانہ ٹکراتے ہیں، تو ایک سچے مومن کو قرآن کے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے۔

رات دس بجے جب لائبریری کے تمام عام کمرے بند ہو جاتے اور چوکیدار راہداریوں کی روشنیاں گل کر دیتا، تو بوڑھا خادم بشیر چاچا اپنے پیتل کے تھرموس میں کڑوی، گرم الائچی والی چائے لے کر میرے کونے میں آ بیٹھتا۔

وہ پچیس سال سے اس لائبریری کے فرشوں پر جھاڑو دے رہا تھا اور اس نے کئی نامور اسکالروں کو ان ہی میزوں پر بیٹھ کر جوان ہوتے اور ڈگریاں لیتے دیکھا تھا۔

بیٹی رجاء "!وہ کانپتے ہاتھوں سے پلاسٹک کی چھوٹی پیالی میرے سامنے " رکھتے ہوئے دھیمی سرگوشی میں کہتا۔ "میں نے یہاں بڑے بڑے وزیروں اور ججوں کے بیٹوں کو دیکھا ہے جو بس ڈگریوں کے نام پر وقت ضائع کرنے آتے ہیں۔ مگر تیرے چہرے پر جو پیاس ہے، وہ مٹی کے کسی کچے دیے کی نہیں، وہ چودھویں کے چاند کی پیاس ہے۔ پی لے یہ چائے، تیرا یہ جاگنا اور یہ آنسو ضائع نہیں جائیں گے۔ "میں اس کڑوی چائے کا گرم گھونٹ حلق میں اتارتی، تو روح کی تھکن لمحہ بھر میں کافور ہو جاتی۔

اس تاریک عمارت میں، جہاں باہر پورا ملتان سو رہا ہوتا تھا، میں اور بشیر چاچا جاگتے تھے :ایک بیٹی جو اپنی قوم کی بیٹیوں کی زنجیریں کاٹنے کے لیے قلم چلا رہی تھی، اور ایک بوڑھا باپ جو اس قلم کی روشنی کو بجھنے سے بچانے کے لیے خاموش پہرہ دے رہا تھا۔

معا "لوبو حق : "ہے کہتا کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاشرہ ایک راستہ بتاتا ہے ، اور قرآن دوسرا ۔ معاشرہ کہتا ہے " :چپ رہو "قرآنشرہ کہتا ہے " :بس یہی کرو ، یہی رواج ہے ۔ "قرآن کہتا ہے " :سوچو ، سمجھو ، پھر فیصلہ کرو "اس وقت تمہیں چننا ہوتا ہے کہ تمہیں تم کس کو خوش کرنا چاہتی ہو ؟ لوگو ں کو ؟ یا اللہ تعالیٰ کو ؟ اگر تم نے لوگوں کو چنا ، تو ایک دن تم خود سے بھی ہار جاؤ گی ۔ اور اگر تم نے اللہ کو چنا ، تو ایک دن لوگ بھی مان جائیں گے ۔ ✦ قرآن سے دو جب ہر دروازہ بند ہو جائے ، جب ماں باپ بھی نہ سمجھیں ، جب کزنز طعنے ماریں ، جب تم خود سے سوال کرنے لگو .....تو ایک کتاب ہے ۔ جو کبھی تمہیں اکیلا نہیں چھڑتی ۔ قرآن .....یہ کتاب تمہیں یاد دلاتی ہے کہ تم اکیلی نہیں ہو ۔ کہ تمہارا رب اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ کہ تمہارے ہر آنسو ، ہر کوشش ، ہر رات کی جاگ وہ ضائع نہیں کرے گا ۔ قرآن کہتا ہے : آیت اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۔ معاشرہ کہتا ہے "سب ختم ہو گیا "قرآن کہتا ہے "شروع یہیں سے ہوتا ہے "آخری بات معاشرہ بدلتا رہتا ہے ۔ کل جو غلط تھا ، آج ٹھیک ہے ۔ کل جو ٹھیک تھا ، آج غلط ہے ۔ پر قرآن نہیں بدلتا ۔ اس کے اصول ، اس کی باتیں ، قیامت تک ایک جیسی رہیں گی ۔ تو بتاؤ .....تم کس کے ساتھ چلو گی ؟ اس کے ساتھ جو ہر دن بدلتا ہے ؟ یا اس کے ساتھ جو کبھی نہیں بدلتا ؟ میں نے چن لیا ہے میں قرآن کے ساتھ چلوں گی ۔ کیونکہ جب اللہ ساتھ ہو ، تو معاشرے کی آوازیں دب جاتی ہیں ۔ لڑکیو :معاشرہ تمہیں توڑے گا ۔ پر قرآن تمہیں جوڑے گا ۔ اصل اصول :ہمارے ہاں یہی ہو رہا ہے کہ قرآن کو اصل مقام دینے کی بجائے ہم اسے اپنی روایات ، کلچر اور خاندانی رسموں کے تابع کر دیتے ہیں ۔ قرآن پر روایت نہیں ، روایت پر قرآن ہے اور روایت پر قرآن جینا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیت " :اس کی پیروی کرو جو تمہارے اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ "مطلب صاف ہے :فیصلہ کرنے کا اختیار قرآن و سنت ہے ۔ نہ کہ "ہمارے ہاں ایسا ہوتا آیا ہے "یہ آج کے معاشرے میں رائج ہے ۔ لوگ خود روایت بناتے ہیں ۔ پھر اس کے لیے تاویل ڈھونڈتے ہیں ، یا خاموشی اختیار کر لیتے ہیں ۔ جہاں روایات نے قرآن کی جگہ لی ہے ۔

با : "یامافر نے چند مثالیں لڑکی کی مرضی کا معاملہ قرآن کہتا ہے آیت : ان عورتوں کو ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو "نبیؐغہ " عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا ۔ "پر ہمارے ہاں اکثر فیصلہ باپ ، چچا ، کزنز کرتے ہیں ۔ لڑکی سے یہ پوچھا ہی نہیں جاتا ، یا "لوگ کیا کہیں گے "کہہ کر اس کی مرضی کچل دی جاتی ہے ۔ یہ روایت قرآن کے حکم کے خلاف ہے ۔ علم اور تعلیم کا معاملہ نبیؐ نے فرمایا حدیث " :علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے "پر معاشرے میں کہا جاتا ہے " :لڑکی نے زیادہ پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے ؟ " اس کو بیاہ دیتے ہیں ۔ "یہ روایت علم کے فرض ہونے کے حکم کو " معطل کر دیتی ہے ۔ عدل اور گواہی کا معاملہ قرآن کہتا ہے آیت : انصاف پر قائم رہو ، اللہ کے لیے گواہی دو ، خواہ وہ خود تمہارے " خلاف ہو ۔ "پر ہمارے ہاں اکثر "خاندان کی عزت "کے نام پر ظلم

چھپایا جاتا ہے ، سچ دبایا جاتا ہے ۔ روایت نے انصاف کی جگہ لے لی ہے ۔ قرآن کو برکت کے لیے رکھنا ، سمجھنے کے لیے نہیں :ہمارے گھروں میں قرآن طاق پر رکھا ہوتا ہے ، برکت کے لیے ، شادی ، موت ، بیماری میں پڑھنے کے لیے ۔ یہ غلط نہیں ، پر اللہ نے قرآن کو اس لیے نازل کیا آیت "یہ بابرکت کتاب ہم نے تم پر نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل والے نصیحت پکڑیں ۔ "جب قرآن کو صرف ثواب کے لیے پڑھا جائے اور سمجھنے پر زور نہ ہو تو یہ بھی روایت کا غلبہ ہے ۔ ۔ اندھی تقلید " :بزرگ ویسے ہی کرتے چلے آئے ہیں ۔ " قرآن کہتا ہے آیت "جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ 1 یہ کیوں ہوتا ہے ؟ ۔ خوفِ لوگ " :لوگ 2 کے "پر نازل کردہ کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ۔ کیا کہیں گے "کا ڈر اللہ کے ڈر۔ علم کی کمی :جب قرآن کا ترجمہ و تفسیر عام نہیں ہوتی تو لوگ مولوی ، خاندان ، رسم کو ہی دین 3 : "غالب آ جاتا ہے ۔ آیت ۔ قرآن کو میزان بناؤ :ہر روایت ، ہر رسم کو اس کسوٹی پر رکھو " ۔ جو جو قرآن و سنت کے 1 سمجھ لیتے ہیں ۔ حل کیا ہے ؟ ۔ ترجمہ اور تفسیر پڑھو :خود قرآن سمجھو ۔ اندھے اعتماد کی بجائے خود تحقیق2 سلمخلاف ہو چاہے جتنی پرانی ہو ، چھڑ دو ۔ ۔ نرمی سے اصلح کرو :نبی صلی اللہ علنہ و نے جاہلیت کی رسموں کو ایک دم ختم نہیں کیا ، حکمت سے بدلا ۔ گھر میں بھی دلیل3 کی کتبر "کو کرو ۔ اور محبت سے بات کرو

خلاصہ ہمارے معاشرے نے قرآن

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 32 :آرکائیو میں طوفان اور مسودوں کا تحفظ

مون سون کی بارش، چھت کی لیکیج اور کاغذات کو بچانے کی دوڑ

خلاصہ :ملتان میں رات گئے شدید طوفانی بارش اور بجلی بند ہونے کے بعد لائبریری کی چھت سے پانی ٹپکنے لگا، رجاء اور بشیر چاچا نے ٹارچ کی مدہم روشنی میں اپنے نایاب تحقیقی مسودوں کو بربادی سے بچایا۔

◆ ◆ ◆

جولائی کے اواخر میں جنوبی پنجاب کے اوپر مون سون کا بادل کسی رحمت کے روپ میں نہیں، بلکہ آسمان پر پھٹنے والے سمندر کی طرح نمودار ہوا۔

سہ پہر چار بجے ہی آسمان پر بنفشی اور گہرے سیاہ بادلوں نے سورج کو نگل لیا۔ پچاس کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی آندھی نے یونیورسٹی کے قدیم یوکلپٹس کے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا، اور پھر آسمانی بجلی کے کان پھاڑ دینے والے دھماکوں کے ساتھ موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ شام چھ بجے ملتان کے مرکزی گرڈ اسٹیشن میں فالٹ آنے کی وجہ سے پورا کیمپس گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

لائبریری کی ویران، وسیع عمارت میں صرف میں اور بشیر چاچا موجود تھے۔ ہوا کے خوفناک طمانچے کھڑکیوں کے شیشوں کو لرزا رہے تھے، اور باہر کینال کا گدلا پانی کناروں سے ابل کر عمارت کے برآمدوں تک چڑھ آیا تھا۔

اچانک چھت سے پانی ٹپکنے کی آوازیں آئیں، اور سیکنڈوں کے اندر میرے سر کے اوپر لگی پرانی کنکریٹ کی سلیب سے بارش کا گندا پانی جھرنے کی طرح بہہ کر سیدھا میری ریسرچ ڈیسک پر گرنے لگا!

نہیں کتاب "بنا دیا ہے ، جبکہ اللہ نے اسے "ہدایت کی کتاب "بنا کر بھیجا تھا ۔ جب تک قرآن ہماری زندگی ، فیصلے ، رسموں کا حکمران بنے گا ، تب تک ہم روایات کے غلام بنے رہیں گے اور روایات اکثر ظلم ، نا انصافی اور جہالت کو ہی چھپاتی ہیں عورت، معاشرہ اور قرآن گھر اور قرآن معاشرہ کہتا ہے معاشرہ کہتا VS سسرال کی ذمہ داری :معاشرہ ہے شادی کے بعد لڑکی کی زندگی ختم ۔ اب وہ صرف بہو ہے ، بیوی ہے ، ماسی ہے سارے گھر کا کھانا ، صفائی ، ساس سسر کی خدمت ، ننوں کے نخرے ...سب اسی کی ذمہ داری ہے ۔ اگر نہ کرے تو "ناشکری " بدتمیز" "گھر بسانے والی نہیں "قرآن و سنت کیا کہتے ہیں مطلب رشتہ " بوجھ نہیں سکون ہے ۔ اسلام میں بیوی پر ساس21 قرآن نے شادی کو سکن ، مودت ، رحمت "کہا ہے :سورہ روم سسر کی خدمت شرعاً فرض " نہیں ہے ۔ یہ احسان ہے ، اگر وہ خوشی سے کرے ۔ نبیؐ نے اپنی بیویوں کے کاموں میں ہاتھ بٹایا ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " :وہ گھر کا کام کرتے کپڑے سی دیتے ، جوتے مرمت کر لیتے "بخاری ۔ ذمہ داری دونوں کی ، ہے ۔ مرد34 تکنیکیو ہیں شوہر کمانے والا ہے ، بیوی گھر سنبھالنے والی ہے ۔ یہ تقسیم محبت سے چلتی ہے ۔ زبردستی سے نہیں ۔ سورہ نساء قوام ہے وہ خرچ کرتے ہیں ۔ کمانے کی ذمہ داری ان پر ہے ۔ بچے سوئے ۔ ، بچے سنبھالے ،12 بجے اٹھے ، رات5 کام کاج کا دباؤ معاشرہ کہتا ہے عورت کو آرام کا حق نہیں ۔ صبح مہمان سنبھالے ، سسرال سنبھالے اور پھر بھی سنے "تم کرتی ہی کیا ہو ؟ "قرآن و سنت کیا کہتے ہیں :اسلام نے عورت کو انسان مانا ہے ۔ مشین نہیں ۔ نبیؐ نے فرمایا " :تم میں بہترین وہ ہے ، جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو "ترمذی :گھر والوں کے لیے بہترین ہونے کا یہ مطلب یہ نہیں کہ وہ مرجائے کام کرتے ۔ اگر بیوی گھر کا کام کرتی ہے تو یہ اس کا صدقہ ہے ۔ احسان ہے شوہر پر لازم ہے کہ اس کی مدد کرے ، اس پر بوجھ نہ ڈالے حضرت فاطمہ رضی (رضی اللہ عنہا)پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تو ۔ تب نبیؐ نے ان کو تسبیح سکھائی اور خادم کا بندوبست نہیں کیا ۔ عورت پر تشدد معاشرہ کہتا ہے :مرد کو حق ہے مارنے کا ، عورت کو برداشت کرنا چاہیے " :مار پیٹ تو گھر کا زیور "ان کے ساتھ بھلے19 ہے تاجا یاچھپا ہے ۔ "تشدد عزت کے نام پر ۔ قرآن و سنت کیا کہتے ہیں اللہ فرماتا ہے سورہ نساء طریقے سے زندگی گزارو "نبیؐ نے فرمایا :مومن مرد مومن عورت سے بغض نہ رکھے ۔

وہ خوف اور ہڑبونگ کا ایسا لمحہ تھا جس نے میرے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ اس میز پر میرے پچھلے دو برسوں کی انتھک محنت کے اصل انٹرویوز، عدالتی احکامات کی مصدقہ نقول، اور تھیسس کا واحد مکمل ہاتھ سے لکھا ہوا ڈرافٹ پھیلا ہوا تھا !اگر وہ اوراق بھیگ جاتے، تو میری دو سال کی جانفشانی سیاہی کے گدلے دھبے بن کر ختم ہو جاتی۔ میں چیخ "!اٹھی " :چاچا بشیر !لائبریری کی چھت پھٹ گئی ہے

بوڑھا خادم بیٹری والی چھوٹی پیلی ٹارچ اور پلاسٹک کا ایک موٹا ترپال لے کر بھاگتا ہوا اندھیرے سے نکلا۔ ہم دونوں نے مل کر اس سیلابی ریلے کے نیچے ہاتھ ڈالے۔

میرے کپڑے، میرا دوپٹہ اور میرے بال ٹھنڈے پانی میں مکمل بھیگ چکے تھے، مگر میں نے اپنے وجود کو چھتری بنا کر ان کاغذات کے بنڈل کو اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ ہم نے مسودات کو ترپال میں لپیٹ کر الماریوں کے سب سے محفوظ اور خشک اوپری خانے میں منتقل کیا۔

جب طوفان تھما اور صبح کی مدہم روشنی کھڑکیوں سے چھن کر آئی، تو میں فرش پر ترپال کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی، میرے ہاتھ سردی سے کانپ رہے تھے مگر میرے سینے سے لگا وہ مسودہ بالکل محفوظ اور خشک تھا۔

اس آزمائش نے مجھے یقین دلا دیا کہ جس سچ کی حفاظت کے لیے انسان اپنا تن من وار دیتا ہے، فرشتے بھی اس کی مہم میں ڈھال بن کر اتر آتے ہیں۔

پھر "اگر اس کی ایک عادت بری لگے تو دوسری اچھی ہوگی "مسلم اور اس سے سخت بات :تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ مارے ، شام کو اسی کے ساتھ سوئے "۔ بخاری ۔ قرآن میں "ضرب "کا ذکر ہے ۔ مگر مفسرین نے واضح کیا ہے کہ یہ آخری حل ہے ۔ ہلکی سی تنبیہ کے لیے ، چہرے پر نہیں ، زخمی کرنے کے لیے نہیں ۔ اور نبیؐ نے اپنی زندگی میں کبھی کسی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا ۔ تشدد، گالی ، ذہنی اذیت ....یہ سب ظلم ہے ۔ اور ظلم پر اللہ کی لعنت ہے ۔ غیرت کے نام پر قتل معاشرہ کہتا ہے :اگر لڑکی اپنی مرضی کرے ، پسند کی شادی کرے ، یا کوئی الزام لگ جائے ، تو اسے مار دو ۔ "غیرت کا مسئلہ ہے ، خاندان کی ناک کٹ گئی "۔ قرآن کیا کہتا ہے :یہ قتل ہے ، اور قتل بہت بڑا گناہ ہے ۔ سورہ گواہ چاہئیں ۔ خود4 "آیت " :جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو کسی پر الزام لگانے کے لیے151 "ہے انعام فیصلہ کرنا ، خود سزا دینا ....یہ جاہلیت ہے ۔ نبیؐ نے فرمایا " :مسلمان کا خون ، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام مسلم جس لڑکی کو مار دیا جاتا ہے ، اسے قیامت کے دن حق ملے گا ۔ اور مارنے والے سے اللہ خود حساب لے گا ۔ اصلی موازنہ معاشرہ نے عورت کو کیا بنایا ، قرآن نے کیا بنایا معاشرہ اور قرآن معاشرہ عورت کو بوجھ "سمجھتا ہے ۔ قرآن کہتا ہے :عورت کی مرضی کوئی معنی نہیں " رکھتی ۔ نبیؐ نے فرمایا :کنواری کی اجازت اس کی خاموشی ہے ۔ بخاری غیر مسلم حلعو رت کو مارنا ، دبانا "مردانگی "ہے ۔ نبیؐ نے فرمایا :97 عورتوں کے ساتھ نرمی کرو ، وہ تمہارے پاس امانت ہیں "۔ سورہ الی " ت کے نام پر قتل کو جائز سمجھا جاتا ہے قرآن کہتا ہے " :کسی نفس کا قتل حرام ہے ۔ "آخری بات معاشرہ عورت کو "عزت "کے نام پر قید کرتا ہے ۔ قرآن عورت کو "عزت "دے کر آزاد کرتا ہے ۔ معاشرہ کہتا ہے چپ رہو ، سہو ، ڈرو ۔ قرآن کہتا ہے انصاف مانگو ، حق بولو ، اللہ پر بھروسہ کرو اگر تمہارے ساتھ ظلم ہو رہا ہے تو خاموشی عبادت نہیں ہے ۔ اللہ نے تمہیں انسان بنایا ہے ۔ غلام نہیں ۔ اور جس دن تم

نے یہ مان لیا ، اسی دن معاشرے کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی ۔ ✦ اپنوں سے رسوا "مجھے آج تک کسی چیز نے اتنی بری طرح نہیں توڑا جتنا مجھے میرے اپنوں نے توڑا ، میرے اپنوں ، اپنے رشتوں نے مجھے توڑا ۔ " کیونکہ وار بھروسے کا اور توقع کا ہوتا ہے ۔ رشتوں کا وار دھوکہ ہوتا ہے ۔ مرد کے کان کا کچا ہونا جس گھر میں عورت رہتی ہے اگر اس گھر میں رہنے والے مرد کان کے کچے ہوں تو عورت کی زندگی مٹی

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 33 :علمی احتساب اور روایتی اساتذہ کے سوالات

اسکروٹنی کمیٹی، غیر ضروری اعتراضات اور دستاویزی ثبوتوں کی للکار

خلاصہ :حتمی عوامی ڈیفنس سے چھ ہفتے قبل شعبہ حیاتی اسکروٹنی کمیٹی نے رجاء کے مقالے پر شب خون مارنے کی کوشش کی، مگر رجاء نے عدالتی نقول اور ناقابلِ تردید دلائل سے قدامت پسند مخالفین کے اعتراضات کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

◆ ◆ ◆

فائنل پبلک ڈیفنس سے ڈیڑھ ماہ پہلے ہر ایم فل اسکالر کے لیے ڈیپارٹمنٹ کی اسکروٹنی کمیٹی کے سامنے پیش ہونا اور اپنے مقالے کا باضابطہ دفاع کرنا لازمی تھا :ایک ایسا مرحلہ جہاں روایتی اساتذہ طلبہ کی کمزوریاں تلاش کر کے انہیں کئی ماہ پیچھے دھکیل دیتے تھے۔

کمیٹی کے کمرے میں گول میز کے گرد پانچ سینیئر فیکلٹی ممبران بیٹھے تھے۔ ان کے بیچ میں ڈاکٹر غفار بیٹھا تھا جس کی آنکھوں میں میرے پچھلے سیمینار کی کامیابی کا حسد اب بھی انگاروں کی طرح دہک رہا تھا۔

جب میں نے اپنے تین سو صفحات پر مشتمل مقالے کی پانچوں جلدیں میز پر رکھیں، تو اس نے بغیر ورق الٹے فائل کو انگلی سے پرے دھکیل دیا۔

رجاء بی بی "!اس نے ایک ترش اور زہریلے لہجے میں آغاز کیا۔ "آپ " نے اپنے چوتھے باب میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مظفر گڑھ اور راجن پور کے اکیاون فیصد جاگیردار گھرانوں میں بیٹیوں کا حقِ وراثت فرضی ہبہ ناموں کے ذریعے غصب کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ یہ کتنا سنگین الزام ہے؟ کیا آپ کے پاس ان معزز خاندانوں کے خلاف کوئی ٹھوس عدالتی ثبوت ہے یا یہ صرف ایک جذباتی دیہاتی لڑکی کی خاندانی "نفرت کا غبار ہے؟

ہو جاتی ہے ۔ ایک محلہ ، ایک افواہ ، ایک "لوگ کہتے ہیں "اور بیٹی ، بیوی ، ماں بغیر گناہ کے سزا کاٹتی ہے ۔ جن گھروں کے مرد کانٹے کچے ہوتے ہیں ، وہاں بیٹی ، بیوی کے لیے سکون کی ایک اینٹ بھی نہیں لگ سکتی ۔ وہ عورت کے لیے یہ گھر نہیں ، جیل بن جاتا ہے ۔ بیٹی ، بیوی پر تیسرے شخص کی فوقیت عورت وہاں ہارتی ہے ، جہاں اس کے اپنے ہی کسی تیسرے کو اس پر فوقیت دیتے ہیں ۔ جہاں ماں بیٹی سے پہلے برادری کا ڈر رکھے ، جہاں بھائی بہن سے پہلے "لوگ "کا سوچے جہاں شوہر بیوی سے پہلے ماں بہن کی سنے وہیں عورت کا مان غرور ، خودی سب خاک ہو

جاتی ہے ۔ طنز و وقار قابل رحم ہیں وہ بیٹیاں ، وہ مائیں وہ بیویاں جن کے اپنے ہی گھر میں ان کا وقار مجروح ہو ۔ جو صرف نام کی بیٹی ، ماں اور بیوی ہو ۔ کتنی عجیب نا انصافی ہے ، کہ جس گھر میں بیٹی کو گرانا سب سے آسان ہو ، وہ گھر اسے "اپنا "کہلاتا ہے ۔ یہ کیسے اپنے ہوتے ہیں ؟ یہ کیسے مخلص رشتے ہوتے ہیں ؟ کتنی تکلیف دہ بات ہے یہ عورت کے لیے کہ اس کے اپنے گھر میں اس کی وقعت کمزور ہو ۔ قرآن چیخ کر کہتا ہے " :یا ایے الذین امنوا ان جاءکم فاسق ب فئ ن ےٰ ی و ا " اگر کوئی خبر لائے تو تحقیق کرو۔ پر یہاں پر تحقیق نہیں ہوتی ، صرف یقین کر لیا جاتا ہے ۔ کیونکہ سننے والا "اپنا "ہے ۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سب سے بڑا ظلم ہوتا ہے ۔ سنو آیت عزت صرف اللہ کے ہاتھ ہے ۔ اگر اپنے رسوا کریں تو اللہ عزت دے گا ۔ اگر اپنے توڑیں تو اللہ جوڑے گا ۔ پر شرط یہ ہے کہ تم کان بند کر لو ، اور صرف اللہ کی آواز سنو ۔ - :جس گھر میں گرانا آسان ہو وہاں محبت تھی ہی نہیں :- رجاء نے ایک رات آنکھیں بند کر کے کہا :جس گھر میں بیٹی کو گرانا سب سے آسان ہو ، "سچ تو یہ ہے کہ اس گھر میں کبھی اس کی عزت اس کے لیے محبت تھی ہی نہیں ۔ "وہ رشتے جو "اپنے "کہلاتے ہیں ، کسی تیسرے کے آنے سے بے نقاب ہو جاتے ہیں ، ایک انجان عورت آئی ایک رشتے دار نے کان بھرا ، اور وہی بھائی ، وہی باپ ، وہی شوہر بدل ، گیا ۔ جس گھر کے لوگوں کے دل میں تمہارے لیے سچی محبت ہوگی وہ کبھی کسی تیسرے کو تمہارے بارے میں بات کرنے کا موقع نہیں دیں گے ۔ پر یہاں الٹ ہو گیا ۔ یہاں اپنے ہی تیسرے کو بٹھا کر میرا حساب کرنے لگے ۔ تو رجاء نے مان لیا :یہ رشتے نہیں رسیاں تھیں ۔ جو صرف اس لیے باندھی گئی تھیں کہ تم بھاگو نہ ۔

اس نے سوچا تھا کہ اس توہین آمیز حملے سے میں گھبرا کر معافی مانگ لوں گی یا اپنے اعداد و شمار کو واپس لے لوں گی۔

مگر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے میں نے اپنی نیلی ریسرچ فائل کھولی، اور اس میں سے پٹواریوں کے دستخط شدہ بیالیس رجسٹروں کی تصدیق شدہ نقول اور ڈسٹرکٹ سیشن کورٹ کے اصل فیصلے نکال کر ایک ایک کر کے اس کے سامنے میز پر بچھا دیے۔

ڈاکٹر صاحب "!میری آواز میں برف جیسی سرد سفاکی تھی۔ "یہ کیس " نمبر چودہ ملاحظہ فرمایئے، صفحہ ایک سو اسی پر۔ یہ راجن پور کے سابق صوبائی پارلیمانی سیکریٹری کے خاندان کا سرکاری انتقالِ جائیداد ہے۔ جہاں ان کی چھ سگی بہنوں کے انگوٹھے اس وقت کے جعلی حلف ناموں پر لگوائے گئے جب وہ تین دن کی نومولود بچیاں تھیں !اور یہ میڈیکل سرٹیفکیٹ دیکھیے جو ثابت کرتا ہے کہ انتقال درج کرتے وقت وہ بچیاں ابھی بولنے کے قابل بھی نہیں تھیں۔ "کمیٹی کے کمرے میں سوئی گرنے کا سناٹا چھا گیا۔ ڈاکٹر غفار کے گال زرد پڑ گئے اور وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین نے ایک دوسرے کو دیکھا، اور ڈاکٹر مسعود نے مسکراتے ہوئے اپنے دستخط فائنل ڈیفنس کی منظوری والے کالم پر ثبت کر دیے۔

اس دن میں نے سیکھا کہ جب آپ کے پاس صداقت کی فولادی دستاویزات ہوں، تو باطل کا کوئی بھی فرعون آپ کے راستے کی دیوار نہیں بن سکتا۔

یناہیں نے بہت زیادہ ہیں بلکہ دیکھ ہی ایسے مرد ہیں۔ جو لڑکیوں کے دلوں میں محبت تو پیدا کر دیتے ہیں۔ بار بار ان کے دلوں پر دستک د، اعتبار دلانا، اور جب وہ کر جائیں تو پھر ماں باپ بیچ آ جاتے ہیں۔ یا پھر کہتے ہیں کہ ہم اپنے گھر والوں کے خلاف جا کے نہیں کر سکتے نکاح تو بیٹا بندہ ان سے پوچھے کہ جب بار بار اس کے دل پہ دستک دے رہے تھے اعتبار دلا رہے تھے۔ تب وہ ماں باپ کہاں تھے۔ تب کیوں یاد نہیں آتا کہ مرد کو کہ ہماری گھر اتنی اوقات نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے سانس لیں تو ملا دوسروں کی زندگی مشکل کر کے آزار ہو جاتے ہیں۔ سید ہو سید ہی لوگ ایسا۔ عدد مجرے ، مہندی کے، گاسین چوڑوں کے دے کے فوراً 4 ،3 فعالیسی لڑکیوں کو رونے کی بجائے ان مردوں کو کوئی د کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ان کو اندازہ ہو ایسے مردوں کو کہ وہ آج کی عورت سے ہیں زیادہ کمزور ہے۔ آج کی عورت کہیں عورت تو ویسے ہی بہادر ہے۔ لیکن ایسے ایسے کمزور مردوں کے ہاتھوں لگنے سے اسے بھی کمزور کر دیا ہے۔ عورت مرد سے کہیں زیادہ بہادر ہے۔ مرد اپنی اوقات کا اندازہ تبھی لگالے جب وہ کہتا ہے کہ کوئی مانے گا نہیں۔ اور عورت سب کو منا لیتی ہے۔ تو میرے خیال سے ایسے مردوں کو لمبی لمبی چھڑنی چاہیئے۔ ہم پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے۔ لیکن خود کو تو پتہ ہونا چاہیئے اندر سے تو خود کا پتہ ہو گا کہ وہ کتنا مرد ہے۔ کہ آج کے مردوں میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ان دو چیزوں کا وزن اٹھا سکے۔ یہ تو کوئی حقیقی معنوں والا مرد ہی ان دو چیزوں کے معنی جان سکتا ہے۔ کوئی اعلیٰ ظرف رکھنے والا، اعلیٰ ظرف وہی سنبھال سکتا ہے ایسی عورت کو۔ میرے نزدیک اصل اور حقیقی معنوں میں جو مرد کی تعریف ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ مرد وہ ہے جو ایسی عورت کو اپنائے جسے ہمارا معاشرہ یا معاشرے کے لوگ اپنانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک وہی اصل مرد ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 34 :جہیز کا تقاضا اور انکار کا تھپڑ

شوگر مل کے مالک کا رشتہ، گاڑی اور پلاٹ کی شرط اور رجاء کا جرأت مندانہ انکار

خلاصہ :ایم فل میں رجاء کی علمی شہرت سن کر تحصیل کے ایک بااثر رئیس نے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ بھیجا مگر پس پردہ کروڑوں کے جہیز اور جائیداد کی مانگ رکھی، رجاء نے بیٹھک میں جا کر خود اس لالچی سودے کو لات مار کر نکال دیا۔

◆ ◆ ◆

انسانی لالچ کی سب سے بھیانک بات یہ ہے کہ وہ خود کو شرافت اور دین داری کے لبادے میں بڑی خوبصورتی سے چھپا لیتی ہے۔

جب قومی اخبارات میں میرے مضامین چھپنے لگے اور تحصیل کی سطح پر یہ خبر پھیلی کہ سجاد کی بیٹی نہ صرف ایم فل کر رہی ہے بلکہ اسے اسلام

آباد کی ریسرچ گرانٹ بھی ملی ہے، تو ہمارے گھر کی دہلیز پر ان لوگوں کی گاڑیاں رکنے لگیں جو کل تک ہمیں سلام کرنے کے روادار نہیں تھے۔

ایک دن علاقے کی سب سے بڑی شوگر مل کے مالک اور جاگیردار ملک فتح خان کی قیمتی بلیک ٹویوٹا پراڈو ہمارے کچے دالان کے باہر آ کر رکی۔ اس کے ساتھ اس کا کینیڈا پلٹ بیٹا اور خاندان کی تین متکبر خواتین تھیں۔

ابا نے اپنی سفید پگڑی سنبھالی، ہاتھ باندھ کر ان کا استقبال کیا اور مہمان خانے کی پرانی بیٹھک میں بٹھایا۔ ان لوگوں نے بڑے طمطراق سے اپنے بیٹے کے لیے میرا رشتہ مانگا۔

لیکن چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے جب ملک فتح خان نے کھل کر بات کی، تو اس نے ابا کے سامنے اپنی شرائط کی فہرست رکھ دی " :دیکھو سجاد بھائی !ہم نے لڑکی کی تعلیم کی وجہ سے حامی بھری ہے ورنہ ہمارے بیٹے کے لیے رشتوں کی لائن لگی ہے۔ مگر برادری کی ناک کا سوال ہے۔ شادی پر ہمیں ایک نئ ہونڈا سٹی کار، ملتان کے پاش علاقے میں ایک پلاٹ اور بیٹی کے نام پر تمہاری وہ میاں چنوں والی زرعی زمین چاہیے تاکہ ہم دنیا کو دکھا سکیں کہ رئیس کے بیٹے کی شادی ہوئی ہے۔ "باپ اور بیٹی کا تعلق دنیا کے سب سے انوکھے، گہرے، اور پیچیدہ رشتوں میں سے ایک ہے۔

ابا کے ہاتھ کانپنے لگے، ان کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ وہ اس جاگیردار کے سامنے جھولی پھیلانے ہی والے تھے کہ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں، کہ اچانک بیٹھک کا بھاری لکڑی کا پٹ کھل گیا۔ میں کمرے میں داخل ہو گئی۔ میرے ہاتھ میں نہ چائے کی ٹرے تھی اور نہ میرے چہرے پر روایتی دلہنوں کا خوف تھا۔

میری باوقار نگاہوں نے سیدھا ملک فتح خان کے متکبر چہرے کو نشانہ بنایا ملک صاحب !آپ شاید غلط دروازے پر آ گئے ہیں۔ آپ یہاں اپنے " : بیٹے کے لیے شریکِ حیات تلاش کرنے نہیں آئے، آپ یہاں ایک پڑھی لکھی لڑکی کی نیلامی کر کے اپنے بیٹے کی بے روزگاری کا کفارہ خریدنے آئے ہیں۔ جس باپ کی بیٹی نے اپنی محنت سے قومی سطح پر اپنا نام کمایا ہو، وہ اپنے جوتے تلے بھی آپ جیسے لالچی بیوپاریوں کو نہیں رکھتی۔ اٹھائیے اپنی چائے اور میرے باپ کی بیٹھک سے فوراً باہر نکل "جائیے۔

بیٹھک میں زلزلہ آ گیا۔ ملک فتح خان نے کبھی کسی دیہاتی لڑکی سے ایسی بے باک للکار نہیں سنی تھی۔ وہ گالی دیتے ہوئے اٹھا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر بھاگ گیا۔ ابا سر پکڑ کر بیٹھ گئے " :رجاء !تو نے اتنے بڑے "!خاندان کو بے عزت کر کے ہماری دشمنی مول لے لی

میں نے ابا کے کندھے پر ہاتھ رکھا " :نہیں ابا !میں نے دشمنی نہیں مول لی، میں نے آپ کی عزت اور اپنے ضمیر کا سودا ہونے سے بچا لیا ہے۔ آپ کی بیٹی بازار کی کوئی بکاؤ جنس نہیں ہے جس پر خریدار اپنی "قیمت کی پرچی چپکا سکے۔

ایک مشرقی گھرانے میں باپ کا سایہ دیوارِ چین کی طرح ہوتا ہے، مضبوط اور پناہ دینے والا، لیکن بسا اوقات یہی دیوار اتنی بلند اور سخت ہو جاتی ہے کہ بیٹی کا سانس گھٹنے لگتا ہے۔ میرے باپ نے زندگی کی تلخیاں دیکھی تھیں، وہ زمانے کے گرم و سرد سے گزرے تھے، اس لیے ان کے لہجے میں وہ سختی آ گئی تھی جو اولاد کو اکثر بے رحمی لگتی ہے۔

جب انہوں نے ایک بار غصے اور مایوسی کے عالم میں مجھ سے کہا تھا ' :تم سے کچھ نہیں ہو سکتا، تم بس باتیں بنانا جانتی ہو '!تو وہ جملہ میرے سینے پر خنجر بن کر لگا تھا۔ میں رات بھر اپنے بستر پر تکیے میں منہ چھپائے روتی رہی تھی۔ لیکن پھر اسی رونے کی کوکھ سے ایک جنون نے جنم لیا۔ ایک ایسا جنون جس نے مجھے سونے نہیں دیا۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 35 :صبر جمیل کا اصل مفہوم اور قرآن کا نور

مظلومیت نہیں بلکہ استقامت، ظلم کے آگے نہ جھکنا اور خودداری کی بقا

خلاصہ :صبر کا روایتی مفہوم ظلم کو خاموشی سے سہنا اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا نہیں ہے، بلکہ صبر نام ہے باطل کے سامنے کھڑے ہو کر حق کی جنگ جاری رکھنے کا۔ رجاء کا صبرِ جمیل کے قرآنی تصور پر فکری و روحانی تجزیہ۔

◆ ◆ ◆

اس جاگیردار گھرانے کو دھکے دے کر نکالنے کے بعد کے پرسکون دنوں میں، جب شام کو ٹھنڈی ہوائیں ہمارے کچے آنگن کے یوکلپٹس کے پتوں سے سرسراتیں، میں اکثر برآمدے کے چبوترے پر بیٹھ کر اس سماجی منافقت پر غور کرتی جس نے ہماری عورتوں کو صدیوں سے بے دست و پا بنا رکھا تھا۔

ہمارے دیہاتی معاشرے نے 'صبر' کا ایک ایسا مسخ شدہ اور زہریلا مفہوم گھڑ رکھا تھا جس کا مقصد صرف اور صرف عورت کو ذہنی اور جسمانی طور پر غلام بنانا تھا۔

جب بھی کسی بیٹی پر ظلم ہوتا، جب اس پر جھوٹا بہتان لگایا جاتا، یا جب اسے جہیز کے لالچ میں مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا جاتا، تو خاندان کے بڑے بوڑھے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے " :بیٹی !صبر کرو، صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ خاموشی سے سہا جانے والا دکھ ہی عورت کا اصل زیور ہے۔ "میں نے سوچا :کیا یہی صبر تھا جو قرآن نے انبیا اور مومنین کو سکھایا تھا؟

نہیں !ہرگز نہیں !قرآن کا صبر بزدلی کا دوسرا نام نہیں تھا، قرآن کا صبر باطل کے سامنے سرنگوں ہو جانے کا لائسنس نہیں تھا۔

نڈیمایہ کیسا مرد ہے آج کا جو عورت کے بدلنے پر اس کا ماضی اٹھا کے عورت کے منہ پے مار دے۔ مرد ایسا تو نہیں ہوتا۔ ٹرک سامان کی ڈ وہ کیسے پوری 3 کا اپنے وجود آدھا حصہ کاٹ کر بیٹی دیتے ہیں۔ لے کر کریں۔ کیا یہ کم ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی دی۔ جس پہ جہیز والا نقطہ

نظر غور کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں ہے کوئی غریب ہے۔ جہیز ظلم ہے۔ مردوں کو ہر چیز میں اسلام یاد آجاتا ہے۔ کپڑے دھونے پر کھانا بنانے پر جہیز میں یہ اسلام مردوں اور اس کے گھر والوں کو کیوں نظر نہیں آتا۔ کیا اس سے پہلے وہ کسی کمرے میں پلیٹ یا برتن میں کھاتے نہیں ہیں۔ یا پھر ان کے گھروں میں ضرورت کی چیزیں نہیں ہوتی ہے۔ عورت پر حالانکہ کھانا پکانے کپڑے دھونے کام کاج کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی اسلام نے۔ وہ اپنا فرض سمجھتی اسلام کو بُرا انسان بنایا ہے۔ بہت سیدھا معاشرہ سے لوگوں نے اس کو مشکل بنا دیا ہے۔ ہمارے اسلام میں صرف آسانیاں دی گئی ہیں۔ ہمارے معاشرے کا ایک گندہ رواج جو بہت عروج میں ہے۔ جہیز۔ اسلام میں جہیز کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جہیز یا جہیز جیسے لفظ کو میں نے نہیں پڑھا۔ یہ ہمارے معاشرے اور لوگوں کا اپنی طرف سے نکالا ہوا اجتماعی رواج ہے۔ جہیز جیسی چیز کا اسلام اور قرآن دونوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں لوگوں میں جہیز کی ڈیمانڈ عام ہے۔ کوئی شرم کوئی لحاظ نہیں ہے۔ جہیز ناجائز چیز ہے اور یہ میری نظر میں گناہ ہے ظلم ہے۔ ماں باپ ہم اسلام کے نام میں لوگوں کو غلط گائیڈ کر رہے ہیں۔ اگر کسی پر کہیں ظلم ہو رہا ہے تو کہتے ہیں صبر کرو برداشت کرو۔ کیو نکہ قرآن میں صبر کا بتایا ہے۔ لیکن یہ آج تک کسی نے نہیں بتایا کہ قرآن میں ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کو صبر بتایا گیا ہے۔ نہ کہ ظلم کو برداشت کرنے کو صبر مانا گیا ہے۔ ہر چیز پر صبر نہیں آتا کچھ ستم قابل صبر نہیں ہوتے زنا ہے۔ صبر یہ نہیں کہ عورت نے سہنا ہے۔ اور بار بار سہنا ہے۔ یہ ہمیں کیا صبر سکھایا جاتا ہے جو ہمیں موت سے ملاتا ہے۔ جو ہمیں کھوکھلا کر دے یہ کیسا صبر ہے۔ ہمیں سب غلط بتایا گیا ہے۔ سمجھایا گیا ہے بنایا گیا ہے۔ اصل صبر یہ نہیں ہے۔ اللہ نے دین گناہ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو چیز جس طرح بیان کی ہے۔ اسی طرح اور وہی چیز لوگوں کو بیان کرنی چاہیے۔ لیکن لوگوں نے پتہ نہیں کیا کیا اس میں اپنی طرف سے روایتیں نکال کے صبر کا اصل عربی مفہوم ہے ' :استقامت، جمے رہنا اور حق کی راہ پر ہر آزمائش کے باوجود اپنے قدم نہ ڈگمگانے دینا'۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام پر جھوٹی تہمت لگی تو انہوں نے گناہ کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے قید خانے کی تنہائی کو قبول کیا :یہ صبر تھا۔

جب آسیہ نے فرعون کے محل کی تمام آسائشوں کو ٹھکرا کر توحید کی خاطر جان دی :یہ صبر تھا۔

صبر یہ نہیں ہے کہ ظالم آپ کے منہ پر طمانچہ مارے اور آپ دوسرا گال آگے کر دیں۔ صبر یہ ہے کہ جب ظالم آپ کے کردار پر حملہ کرے، تو آپ اپنے کردار کی چمک کو اتنا روشن کر دیں کہ اس کی جھوٹی آنکھیں اندھی ہو جائیں!

صبر یہ ہے کہ جب پوری دنیا آپ کے راستے بند کر دے، تو آپ مایوس ہو کر خودکشی کرنے کے بجائے اپنے رب کی زمین پر نیا راستہ تراشیں۔

میں نے رو رو کر ظلم سہنے کا باب بند کر دیا تھا۔ اب میرا صبر ایک سرکش، تابناک اور فولادی استقامت تھا جس نے تایا حکیم خان، شبانہ

پھوپھی اور شوگر مل کے بیوپاریوں کی ہر سازش کو اپنے راستے کی دھول بنا دیا تھا۔

لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رسول نے فرمایا !جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔ (صحیح بخاری)اگر لوگوں کو قرآنی زبان سمجھنے میں ناکام ہیں تو وہ علماء یا مفتیان سے رجوع کریں۔ ناکہ اپنی طرف سے اس میں مواد ایڈ کر کے لوگوں کو غلط گائیڈ کریں۔ قرآن میں ہر چیز کے لیے واضح احکام ہیں۔ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ بیٹی کو غیرت کے نام پر قتل کیا جا سکتا ہے۔ یا اس کی بدی سن کر اس پر اندھا دھند تشدد کرنے کا حکم ہو۔ میں نے نہیں پڑھا قرآن میں، میں نے نہیں پڑھا قرآن میں کہ گھر میں مردوں کی آواز گھروں میں جا سکتی ہے۔ میں نے کہیں10 کر نکل سے عورتوں سے اونچی ہو یا مردوں کی آواز گھر کے دیوار محلے کے نہیں پڑھا یہ اسلام یہ دین سورۃ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو اس کا اس آیت میں بیٹی کے نام پر بیٹی کا 58 تشد پر چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ غم سے چور ہو جاتا ہے۔ سورت النحل آیت قتل کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ نہ کہ بیٹی کی بدی سن کر اسد کا حکم دیا گیا ہے۔ جو حوالہ اور اس حوالے سے کہ لوگوں دین اسلام ہمیں دے رہے ہیں۔ میں یہ دین اسلام قرآن میں نہیں پڑھا قرآن میں تو اس اسلام کا دن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں یہ دین کس کا بنایا ہوا ہے۔ قرآن میں تو نہیں ہے۔ ویسا کچھ قرآنی زبان میں یا سورتوں میں خود سے کوئی مواد ایڈ کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوئی اور اس جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی و تحریف نہیں ہے۔ وہ بالکل مکمل ہے تو اسے باتیں ایڈ کر کے لوگوں پر تھوپنا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 36 :جب خون زہر بن جائے اور حد بندی کا سکون

زہریلے رشتوں سے کنارہ کشی، فکری دیوار اور خاندانی بلیک میلنگ کا خاتمہ

خلاصہ :فائنل ڈیفنس کی تاریخ قریب آتے ہی رجاء نے سازشی رشتہ داروں سے مستقل جذباتی و جسمانی فاصلہ قائم کر لیا اور ثابت کیا کہ خون کے رشتے اگر زہر بن جائیں تو ان سے لاتعلقی ہی روح کی اصل حیات ہے۔

◆ ◆ ◆

خاندانی جبر کا سامنا کرنے والے ہر انسان کی زندگی میں ایک فیصلہ کن لمحہ آتا ہے جب اسے احساس ہوتا ہے کہ ظالموں سے محض جسمانی دوری کافی نہیں ہوتی، بلکہ روح کی سطح پر ان سے مستقل جذباتی ناطہ توڑنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

جب فائنل ڈیفنس کی تاریخ مقرر ہوئی، تو تایا حکیم خان اور شبانہ پھوپھی کی طرف سے ہمارے گھر کے چکر اچانک بڑھ گئے۔ وہ اب سیدھے حملے کے بجائے میٹھے زہر کا سہارا لے رہے تھے۔

رجاء بیٹی "!شبانہ پھوپھی برآمدے میں بیٹھ کر پان چباتے ہوئے بولیں :" دیکھو اب تم بڑی ڈگری لینے جا رہی ہو، اگر تم نے خاندان کے بڑوں "

کے پیروں میں بیٹھ کر صلح نہ کی، اور اپنے چچازاد ارسلان کو معاف نہ کیا، تو لوگ کہیں گے کہ لڑکی پڑھ لکھ کر مغرور ہو گئی ہے اور اپنے ہی "خون کو کاٹ رہی ہے۔ خون تو آخر خون ہوتا ہے۔

میں نے ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں وہی پرانی کینہ توزی تھی جس نے مجھے اناج کے گودام میں بند کروایا تھا اور میرے کردار کی دھجیاں اڑائی تھیں۔ میں نے ایک گہرا سانس لیا اور ان کے سامنے وہ لکیر کھینچ دی جسے وہ کبھی پار نہیں کر سکتی تھیں۔

میں نے خود سے عہد کیا کہ میں اپنے باپ کو غلط ثابت کر کے دکھاؤں گی، بغاوت سے نہیں بلکہ کامیابی سے !میں انہیں دکھاؤں گی کہ جس بیٹی کو وہ کمزور سمجھ رہے تھے، اس کی رگوں میں انہی کا خون دوڑ رہا ہے اور اس کے حوصلے فولاد سے زیادہ مضبوط ہیں۔

پھوپھی جی "!میری آواز میں نہ غصہ تھا اور نہ اشتعال، صرف ایک " قطعی اور غیر متبدل فیصلہ تھا " :خون اگر انسان کے جسم میں گردش کرے تو زندگی دیتا ہے، لیکن اگر اسی خون میں کینسر اور زہر بھر جائے تو ڈاکٹر اسے کاٹ کر پھینکنے میں ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں کرتا۔

آپ لوگوں نے میری ماں کے آنسوؤں کا سودا کیا، آپ نے میرے بھائی کے ہاتھ میں میرے ہی خلاف بندوق دی، اور آپ نے جھوٹی تہمتوں سے میری پیشانی کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

میرا اور آپ کا رشتہ اسی دن ختم ہو گیا تھا جس دن آپ نے میری لاش پر سسرال کے سودے کا طبل بجایا تھا۔ اب نہ میں آپ کی بھتیجی ہوں اور نہ آپ میری سرپرست۔ میرے گھر کی دہلیز آئندہ آپ کے ناپاک "ارادوں کے لیے بند رہے گی۔

جب میں نے لکڑی کا پھاٹک ان کے منہ پر بند کیا، تو ہمارے دالان میں بیس سال بعد ایک ایسا پرسکون سکوت اتر آیا جو کسی مقدس عبادت گاہ میں اترتا ہے۔

زہریلے رشتوں کو الوداع کہنا بغاوت نہیں تھی، وہ اپنی عزتِ نفس، اپنے والدین اور اپنی آنے والی فتوحات کی بقا کا ناگزیر تقاضا تھا۔

وہ جنون میری راتوں کی پڑھائی بنا۔ ملتان کی 47 ڈگری گرمی میں، لوڈ شیڈنگ کے طویل اندھیروں میں، جب پنکھے بند ہوتے اور ہاتھ پسینے سے کاپی پر چپک جاتے، تو باپ کا وہ جملہ میرے اندر آگ بھڑکا دیتا تھا۔ بیٹی کا جنون کسی بدلے کے لیے نہیں تھا، بیٹی کا جنون باپ کی آنکھوں !میں اپنے لیے احترام اور فخر دیکھنے کے لیے تھا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 37 :دفاع سے پہلی رات، بے خوابی اور ماں کا مصلّیٰ

تین سو صفحات کا مسودہ، رات دو بجے کی چائے اور ابا کی بے تاب چہل قدمی

خلاصہ :ایم فل ڈیفنس کی تاریخی صبح سے قبل کی بے خواب رات، تھیسس کی حتمی پروف ریڈنگ، ماں کا مصلے پر بیٹھ کر

آنسوؤں سے دعائیں مانگنا اور ابا کا دہلیز پر ٹہلتے ہوئے اپنی بیٹی کی فتح کا منتظر ہونا۔

◆ ◆ ◆

سینیٹ ہال کے عظیم پبلک ڈیفنس سے پہلے والی رات پر ایک ایسی سحر انگیز اور پروقار خاموشی چھائی ہوئی تھی جس نے وقت کی رفتار کو سست کر دیا تھا۔

میرے سامنے میز پر سرخ چمڑے کی جلد میں بندھے ہوئے میرے ایم فل کے مقالے کی پانچوں کاپیاں رکھی تھیں، جن پر سنہری حروف میں چمک رہا تھا ':پولیٹیکل اینڈ کانسٹیٹیو شنل رائٹس آف رورل ویمن ان سدرن پنجاب'۔

یہ محض تین سو صفحات کا مقالہ نہیں تھا، یہ ان ہزاروں کلومیٹر کے سفر، ان ویگنوں کے دھکوں، لائبریری کی جاگی ہوئی راتوں اور ان تمام تذلیلوں کی فتح کا دستاویزی ثبوت تھا جو میں نے گزشتہ تین برسوں میں سہی تھیں۔ میں ایک ایک لفظ، ایک ایک فٹ نوٹ اور ایک ایک گراف کی آخری جانچ کر رہی تھی۔

کمرے کے دوسرے کونے میں امی کا مصلّیٰ بچھا ہوا تھا۔ وہ رات بارہ بجے سے اپنے پرانے مصلے پر بیٹھی تسبیح گھما رہی تھیں اور ان کے آنسو ان کی سفید اوڑھنی کو بھگو رہے تھے۔ جب بھی ان کی نظر مجھ پر پڑتی، وہ دل ہی دل میں کوئی دعا پڑھ کر میرے سر پر پھونک دیتیں۔

رات دو بجے ابا نے برآمدے کی منڈیر چھوڑ کر دالان میں چہل قدمی شروع کی۔ ان کی پرانی چپلوں کی چرچراہٹ کمرے کے اندر تک سنائی دے رہی تھی۔

چالیس سال کی زندگی میں پہلی بار وہ کسی فصل کے کٹنے یا منڈی کے بھاؤ کے لیے نہیں، بلکہ اپنی ایک بیٹی کے فکری معرکے کے لیے جاگ رہے تھے۔

امی نے الائچی والی گرم چائے کی پیالی میرے ہاتھ میں تھمائی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں ": رجاء، میری بچی !تیرے ابا پچھلے تین دن سے سوئے نہیں ہیں۔ کل جب وہ غلہ منڈی گئے تو ان کے پرانے دوستوں نے پوچھا کہ سجاد بھائی، سنا ہے کل یونیورسٹی کے بڑے ہال میں تمہاری بیٹی کا امتحان ہے؟

تیرے ابا نے سر جھکانے کے بجائے پہلی بار سر اٹھا کر کہا :ہاں !میری بیٹی کا امتحان ہے، اور وہ پورے پنجاب میں میرا نام روشن کرے گی!"

امی کے الفاظ سن کر میرے حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنس گیا۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا، جہاں ابا تاروں بھرے آسمان تلے ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے۔

اس لمحے مجھے یقین ہو گیا کہ کل کی صبح سینیٹ ہال میں رجاء اکیلی نہیں بولے گی، اس کے ساتھ اس کے باپ کی کھوئی ہوئی عزت اور اس کی ماں کی صدیوں کی دعائیں بولیں گی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 38 :سینیٹ ہال کا کڑا امتحان اور فکری معرکہ

ملتان کی تاریخی عمارت، بیرونی ممتحن ڈاکٹر ہمایوں خالد اور رجاء کے دلائل

خلاصہ :یونیورسٹی کے پرشکوہ سینیٹ ہال میں بیرونی ممتحن، قانون دانوں، اساتذہ اور طلبا کے جمِ غفیر کے سامنے رجاء کا فائنل وائیوا، جرح کی بوچھاڑ اور فکری پختگی کا شاندار مظاہرہ۔

◆ ◆ ◆

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کا سینیٹ ہال جنوبی پنجاب کا سب سے پرشکوہ، باوقار اور تاریخی علمی ایوان تھا۔

ساگون کی لکڑی کے بھاری دروازے، اونچے پینل والے والٹڈ چھتیں اور برطانوی دور کے جھومر اس ہال کو ایک ایسی سنجیدگی اور رعب بخشتے تھے کہ بڑے بڑے اسکالروں کے پاؤں پوڈیم پر جاتے ہوئے لرز جاتے تھے۔

صبح دس بجے جب ڈیفنس کا آغاز ہوا، تو ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اگلی نشستوں پر سپریم کورٹ کے وکلا، انسانی حقوق کے نمائندے، اور جنوبی پنجاب کے نامور صحافی براجمان تھے، جبکہ پیچھے ہوسٹلوں اور شعبہ جات کے سیکڑوں طلبہ سانس روکے بیٹھے تھے۔

اسٹیج کے وسط میں وائس چانسلر اور ان کے دائیں جانب ملک کے سب سے سخت گیر، بے رحم اور ممتاز سیاسیات دان بیرونی ممتحن ڈاکٹر ہمایوں خالد تشریف فرما تھے، جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے سوالات کی کاٹ سے بڑے بڑے پروفیسروں کو پسینے میں نہلا دیتے تھے۔ ڈاکٹر مسعود نے تعارفی کلمات کہے اور مائیک میرے سپرد کیا۔

میں نے سفید سادہ جوڑا زیب تن کر رکھا تھا اور سر پر سیاہ چادر تھی جس نے میرے وجود کو ایک ملکوتی وقار بخشا ہوا تھا۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر اپنی پریزنٹیشن کا آغاز کیا۔

پینتالیس منٹ تک میں نے اپنے تحقیقی نتائج، قانونی شقوں اور فیلڈ ورک کے حقائق کو ایسی روانی اور علمی طاقت کے ساتھ پیش کیا کہ پورے ہال میں صرف میری آواز اور پروجیکٹر کی سلائیڈز کے کلک کی صدا گونجتی رہی۔

پھر ڈاکٹر ہمایوں خالد کی جرح شروع ہوئی۔ انہوں نے عینک کی اوپر سے گھورتے ہوئے ایک انتہائی باریک بین آئینی نکتہ اٹھایا " :اسکالر رجاء بنتِ سجاد !آپ کا پورا استدلال اس مفروضے پر کھڑا ہے کہ قبائلی رسم و رواج کو آئین کے آرٹیکل آٹھ کے تحت کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی قبائلی سردار یہ دلیل دے کہ یہ رسوم شریعت کے 'عرف ')معاشرتی رواج (کا حصہ ہیں، تو آپ سپریم کورٹ کے 1992 کے "شریعت اپیلٹ بینچ کے فیصلے کے تناظر میں اس کا کیا جواب دیں گی؟

ہال میں بیٹھے اساتذہ کے چہروں پر ہوائیاں اڑ گئیں۔ یہ وہ مہلک سوال تھا جو اچھے اچھوں کی گاڑی کو پٹڑی سے اتار دیتا تھا۔

میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جھجکی۔ میں نے مسکرا کر مائیک کو اپنے قریب کیا اور نہ صرف 1992 کے فیصلے کی اصل قانونی کمزوری کی

نشاندہی کی، بلکہ 2011 کے تاریخی آئینی بینچ کے اس فیصلے کی شق با شق قرأت کر ڈالی جس نے قبائلی عرف کو انسانی وقار کے خلاف قرار دے کر رد کیا تھا۔

جب میں نے امام ابو حنیفہ اور علامہ ابن قیم کے فتاویٰ سے ثابت کیا کہ ظلم کو کبھی عرف کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، تو ڈاکٹر ہمایوں خالد کے چہرے پر تیرتی ہوئی روایتی سختی اچانک ایک بے پناہ، والہانہ مسکراہٹ میں بدل گئی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 39 :ڈاکٹر ہمایوں خالد کی داد اور پہلی پوزیشن

اٹھانوے فیصد نمبر، ممتحن کا کھڑے ہو کر خراجِ تحسین اور سونے کے تمغے کی نامزدگی

خلاصہ :بیرونی ممتحن ڈاکٹر ہمایوں خالد نے تاریخ کا سب سے شاندار اسکور اٹھانوے فیصد دیتے ہوئے اپنی نشست سے اٹھ کر تالیاں بجائیں اور رجاء کو چانسلر گولڈ میڈل کے لیے باضابطہ نامزد کر دیا۔

◆ ◆ ◆

سوال و جواب کا وہ اعصاب شکن معرکہ دو گھنٹے تک جاری رہا۔ قانون اور آئین کے ہر زاویے سے جرح کی گئی، ہر اعداد و شمار کو پرکھا گیا، اور ہر صفحے کی جانچ ہوئی۔ مگر میری تین سال کی ریاضت کا قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ مخالفین کا کوئی تیر اس کی فصیل میں شگاف نہ ڈال سکا۔

جب جرح کا وقت ختم ہوا، تو وائس چانسلر نے ہال کو دس منٹ کے لیے خالی کرنے کا حکم دیا تاکہ امتحانی بورڈ اپنے خفیہ اجلاس میں حتمی فیصلے اور گریڈ پر دستخط کر سکے۔ جب دس منٹ بعد ساگون کے دروازے دوبارہ کھلے اور شرکا اپنی نشستوں پر واپس آئے، تو اسٹیج کا منظر بدل چکا تھا۔ ڈاکٹر ہمایوں خالد کے ہاتھ میں رزلٹ کی آفیشل شیٹ تھی، اور ان کا چہرہ مسرت اور فخر سے دمک رہا تھا۔

انہوں نے مائیک سنبھالا اور ان کی رعب دار آواز نے سینیٹ ہال کی گیلریوں کو مسحور کر دیا" :حضرات و خواتین !میں پینتیس سال سے ملک کی مختلف جامعات میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالوں کی جانچ کر رہا ہوں۔ مگر آج اس ہال میں مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے بے پناہ فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے پورے تدریسی کیریئر میں اتنی پختہ !"کار، نڈر اور بے باک ریسرچ اسکالر نہیں دیکھی

اس اسکالر نے نہ صرف روایتی جاگیردارانہ منافقت کا پردہ چاک کیا" ہے، بلکہ اس نے قانون اور شریعت کی ہم آہنگی کی ایک نئی شاہراہ تعمیر کی ہے۔

امتحانی بورڈ نے متفقہ طور پر رجاء بنتِ سجاد کو ان کے مقالے پر اٹھانوے فیصد نمبروں)98 (٪کے ساتھ 'سمّا کم لاڈ) 'اعلیٰ ترین پوزیشن (دینے کا فیصلہ کیا ہے، اور بورڈ اس مقالے کو یونیورسٹی کے سب سے !"بڑے اعزاز 'چانسلر گولڈ میڈل 'کے لیے نامزد کرتا ہے

یہ جملہ ادا ہوتے ہی ڈاکٹر ہمایوں خالد خود اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ اگلے ہی لمحے پورے سینیٹ ہال میں موجود جج، پروفیسرز، وکلا اور طلبا اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔

تالیاں تھیں کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ کیمروں کی فلیش لائٹس چمک رہی تھیں، صحافی ڈائس کی طرف بھاگ رہے تھے، اور ڈاکٹر مسعود اسٹیج کے کونے میں کھڑے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

میں مائیک کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی، اور میری آنکھوں سے تشکر کے گرم آنسو میری سفید چادر پر ٹپک رہے تھے۔ میری جنگ جیت لی گئی تھی؛ باطل کا غرور خاک میں مل چکا تھا!

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 40 :جب آنسو موتی بنے اور مشقت کا ثمر

ہال کا سناٹا، ابا کے کانپتے ہاتھ اور سالہا سال کی اذیتوں کا صلہ

خلاصہ :عظیم الشان کامیابی کے بعد جب ہال خالی ہوا تو رجاء نے اپنے آنسوؤں اور ماضی کی صعوبتوں کو یاد کیا، اور محسوس کیا کہ ربِ کائنات نے اس کے بہائے گئے ایک ایک قطرے کو فتح کے انمول موتیوں میں بدل دیا ہے۔

◆ ◆ ◆

سینیٹ ہال میں دو گھنٹے تک جاری رہنے والے اس طوفانی جشن کے بعد، جب صحافی اپنے انٹرویوز مکمل کر کے چلے گئے، جب مہمانوں کے قافلے رخصت ہو گئے اور یونیورسٹی کے برآمدوں میں شام کا پرسکون سناٹا چھا گیا، تو میں اکیلی اس پرشکوہ ہال کی بالائی گیلری میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ شام کی زرد دھوپ کھڑکیوں کے رنگین شیشوں سے چھن کر فرش پر سرخ اور سنہری دائرے بنا رہی تھی۔ میرے ہاتھوں میں وہ مصدقہ دستاویز تھی جس پر بورڈ کے گولڈن اسٹیمپ اور اٹھانوے فیصد نمبر جگمگا رہے تھے۔ میں نے ماضی کی طرف مڑ کر دیکھا۔

وہ دن جب میں بوسن روڈ پر مسافر ویگن سے اتری تھی اور ابا نے مجھے کانچ کا وہ پیالہ یاد دلایا تھا جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے ...وہ رات جب نشتر ہسپتال کی ایمرجنسی میں دواؤں کے لیے پیسے کم پڑ گئے تھے ...وہ عید کی چاند رات جب ارسلان کے لالچی خاندان نے میرا سودا کرنا چاہا تھا ...اور وہ حبس زدہ دوپہر جب بھائی نے سیڑھیوں پر بارہ بور بندوق تان کر مجھے دھمکی دی تھی...

وہ تمام تذلیلیں، وہ راتوں کے جاگنے، وہ ٹھٹھرتی سردیوں میں ویگن کے ہچکولے، اور وہ کچے آنگن میں ماں کے مصلے پر بہنے والے آنسو ... آج ان تمام آنسوؤں کو میرے رب نے سمیٹ کر فتح کے چمکتے ہوئے موتی بنا دیا تھا!

اگر میں اس دن ہار مان لیتی، اگر میں خاندانی رسوائی کے ڈر سے سر جھکا کر ارسلان کے ساتھ زبردستی نکاح کے لیے حامی بھر لیتی، تو آج میں بھی اسی گاؤں کے کسی کچے چولہے پر اپنی روح کا ماتم کر رہی ہوتی۔

لیکن اللہ نے مجھے گرنے نہیں دیا کیونکہ میری نیت میں کھوٹ نہیں تھی، کیونکہ میری روح میں اپنے باپ کی پگڑی کو گرانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، بلکہ میرا عزم اس پگڑی کو آسمان کی بلندیوں تک لے جانا تھا۔

میں نے سینیٹ ہال کے سنگِ مرمر کے فرش پر پیشانی رکھ دی۔

وہ سجدہ شکر تھا :ایک ایسی بیٹی کا سجدہ جس نے اندھیروں کو چیر کر اپنی تقدیر خود لکھی تھی۔ اب سفر رکنے والا نہیں تھا، اب اگلی منزل ملک کے ایوانِ صدر کی تھی جہاں پاکستان کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم ہونا باقی تھا۔

❖ ❖ ❖

سیزن 5 :قومی ایوان، سفید پگڑی اور ابدی سحر ❖

❖ (صدارتی گولڈ میڈل اور معافی)

قسط نمبر 41 :ایوانِ صدر کا مکتوب اور قومی اعزاز کا اعلان

سبز سرکاری لفافہ، ملٹری سیکریٹری کے دستخط اور اسلام آباد کا بلاوا

خلاصہ :ایم فل ڈیفنس کے تین ہفتے بعد ایوانِ صدر اسلام آباد سے ہائیر ایجوکیشن کمیشن کا خط موصول ہوا جس میں رجاء کو سال کے بہترین قومی ریسرچ اسکالر کے طور پر گولڈ میڈل کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔

◆ ◆ ◆

ایم فل کے تاریخی دفاع کے ٹھیک تین ہفتے بعد، جنوری کی ایک دھندلی اور سرد صبح جب سورج کی کرنیں سرسوں کے زرد کھیتوں پر جمی اوس کو پگھلا رہی تھیں، گاؤں کی کچی گلی میں ایک غیر معمولی ہلچل مچ گئی۔

ڈاک خانے کی سرخ موٹر سائیکل ہمارے کچے دالان کے باہر آ کر رکی۔

ڈاکیا چاچا رمضان اس بار معمول کی طرح ہانپتا ہوا نہیں آیا، بلکہ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تمکنت بھرا رعب تھا۔

اس کے ہاتھ میں حکومتِ پاکستان کی مہر لگا ایک بھاری سبز لفافہ تھا جس پر جلی حروف میں تحریر تھا ':ایوانِ صدر، اسلام آباد :بذریعہ ہائیر ایجوکیشن کمیشن آف پاکستان'۔

ابا اس وقت برآمدے میں گائے کو چارہ ڈال رہے تھے۔ جب چاچا رمضان نے وہ سرکاری لفافہ دونوں ہاتھوں سے ان کے سامنے پیش کیا، تو ابا کے ہاتھ کانپنے لگے اور ان کے ہاتھ سے چارے کا برتن چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔

سجاد بھائی "!ڈاکیا کانپتی ہوئی آواز میں بولا " :یہ کوئی عام چٹھی نہیں " ہے، یہ سیدھی صدرِ پاکستان کے دفتر سے آئی ہے۔ تمہاری بیٹی کو "!دارالحکومت بلایا گیا ہے

کتنی نزاکتوں سے بھرا ہے یہ لفظ 'ماں'۔ اس دنیا میں اگر کوئی رشتہ بنا کسی غرض اور مفاد کے محبت کر سکتا ہے تو وہ صرف ماں ہے۔ میں نے اپنی ماں کو ہمیشہ گھر کے سب سے ٹھنڈے کونے میں، سب سے گرم دوپہروں میں، اور سب سے زیادہ پریشانیوں کے درمیان صرف دوسروں

کے دکھ سمیٹتے دیکھا ہے۔ جب بیٹی کو بیماری لاحق ہوئی، جب آپریشن کی نوبت آئی، تو ماں کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ وہ ماں ہی ہے جو دروازے کی چوکھٹ پر گھنٹوں نظریں جمائے بیٹی کی واپسی کی منتظر رہتی ہے۔

بیتی رجاء :ایک بیٹی کی سچی آپ ماؤں کے دکھ، اپنوں کا وار اور قرآن کا سہارا ❖ ❖ ❖ نحمکمل قلمی ڈائری و خود نوشت سوا امی نے کانپتے ہاتھوں سے وہ لفافہ کھولا اور میں نے اس کا متن پڑھنا شروع کیا۔

وہ وفاقی وزیرِ تعلیم اور صدرِ پاکستان کے ملٹری سیکریٹری کے باضابطہ دستخطوں سے جاری کردہ حکم نامہ تھا ':محترمہ رجاء بنتِ سجاد !آپ کے غیر معمولی، انقلابی اور دستاویزی تحقیقی مقالے کی بنیاد پر، آزاد قومی جیوری نے آپ کو متفقہ طور پر سال کے اعلیٰ ترین اعزاز 'نیشنل یوتھ ریسرچ ایکسیلینس ایوارڈ 'اور 'صدارتی گولڈ میڈل 'کے لیے منتخب کیا ہے۔ آپ کو اسلام آباد کے جناح کنونشن سینٹر میں منعقد ہونے والی صدارتی تقریب میں شرکت کی باضابطہ دعوت دی جاتی ہے جہاں صدرِ مملکت بنفسِ نفیس یہ اعزاز آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ حکومتِ پاکستان آپ کے لیے سرکاری پروٹوکول اور ہوائی سفر کا انتظام کرے 'گی۔

جب میں نے خط پڑھ کر سنایا، تو ابا دیوار کا سہارا لے کر زمین پر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر سسکیاں لینے لگے۔

وہ تایا حکیم خان، شبانہ پھوپھی اور پورا پنچایت جس نے اس بیٹی کو نااہل، آوارہ اور بدنام کہہ کر دہلیز سے دھتکارا تھا، آج ان کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔ ریاستِ پاکستان نے اس مظلوم بیٹی کے قدموں میں اپنے سب سے بڑے ایوان کا تاج لا کر رکھ دیا تھا۔

یہ حصہ اول :ماؤں کے دکھ اور اولاد کا رو❖ ❖

ماؤں کے دکھ کتنی نزاکتوں سے بھرا ہے یہ لفظ "ماں"۔ اس ایک ✦ نقطہ نے کتنا کچھ اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے۔ قربانی ، محبت احساس ، شفقت ، نرمی ، ہمد ردی ، خلوص ، مخلصی کا پہلا نام "ماں "ہے۔ کتنے حساس احساسات جڑے ہیں اس لفظ میں ۔ پھولوں کی طرح نرم مزاج اور نازک ۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ماں کے رشتے سے زیادہ حسین کوئی اور رشتہ بنایا ہی نہیں ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان ہر رشتہ آپ کو مطلب سے ملا ہو گا۔ بھائی ، دوست کوئی بھی رشتہ ہو مفاد پر ہی ہونا ہے۔ ہر رشتے کا ہر انسان کا آپ سے کوئی نہ کوئی مفاد جڑا ہو گا۔ ایک ماں ہے جو بنا مفاد کے آپ سے محبت کرے گی فکر کرے گی اور آپ کو چاہے گی ۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کے آج جو ماں کے عہدے پر ہے وہ بھی ہماری ہر طرح ایک لڑکی ہو گی جس نے اپنی زندگی کے بہت سے خواب سجائے ہوں گے۔ لیکن آج ماں بن کے ساری خواہشات سینے اندر دفن کئے بیٹھی ہے۔ کبھی اس ماں کی بھی ہماری طرح زندگی کو لے کر بہت ساری خواہشات ہوں گی۔ لیکن آج ماں بن کے ان کے پاس سوائے صبر و شکر کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ نہ اچھے کپڑے پہننے کی

خواہش نہ سجنے سنورنے کی خواہش نہ کوئی اور سوائے اس کے کہ اس کی اولاد کامیاب ہو جائے ، خوش ہو آباد ہو۔ ماں کی زندگی اسی دائرے کے اردگرد ہی گھومتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے یہ نقطہ بہت بھاری لگتا ہے اس دنیا میں ماں سے زیادہ ہمارے ساتھ کوئی نرمی نہیں برت سکتا۔ لوگ ہم سے ہماری ناکامیوں کی وجہ سے غلطیوں کی وجہ سے طعنے میں لگاتے ہیں بے نفرت کرتے ہیں ۔ لیکن ماں کبھی اولاد سے نفرت نہیں کرتی چاہے اس کی اولاد کتنی گناہ گار کیوں نہ ہو۔ جب ساری دنیا ہم سے منہ موڑ لیتی ہے تب ماں تنکے ہیں ہمارے لیے فکر و ذکر رہی ہوتی ہے ۔ ماں ہی ہے جو ہمارے سانس میں سانس لیتی ہے۔

چھتیسو سے مجھ جب میں اپنی ماں کو بتاتی ہوں کہ میں نے اس دن گھر آنا ہے تو اسی دن سے میری ماں میرے آنے کا انتظار کرنے لگتی ہے۔ روز ہے کب آؤ گی تمہارے لیے یہ بناؤں گی ۔ تمہارے لیے یہ چیزیں لا کر رکھوں گی تو میں یہی کہتی ہوں کہ امی مجھے آنے تو دیں ۔ جب آؤں گی تب سب پر پ کی ے گا ۔ پہلے سے ہی میرے لیے سب کچھ بنا کر رکھنا ۔ شو قند پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے دل کتنے بنا پیش ہیں۔ جب میں گھر جاتی تو میں نے ہمیشہ اپنی ماں کو اپنا انتظار کرتے گیٹ پر یا باہر نظریں جمائے بیٹھی نظریں دوڑا رہی ہوتی ہیں کہ کس راستے سے آرہی ہے۔ یہاں سے نظر آجائے مجھے ۔ اور جب دور سے میں نے اپنی ماں کو کہیں نظر آنا تو میری ماں دوڑ کے میرے پاس آنے لگتی ہیں ۔ اور یہی احساس میرے لیے سب سے زیادہ حسین ہے۔ میں نے ماں سے زیادہ کوئی مخلص رشتہ نہیں پایا ۔ ماں کا بھی ہمیں سب منہ موڑ لیتے ہیں۔ زوال کے غلطیوں کے ناکامیوں پاس چھ ڑ جاتے ہیں ۔ لیکن ماں کو منہ موڑتے نہیں دیکھا میں نے ۔ میری ماں اس کی سب سے مضبوط اور صبر کرنے والی عورت ہے۔ میں نے بڑے سے بڑے حالاتوں میں بھی اپنی ماں کو صبر شکر کرتے دیکھا ہے۔ کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں ان کی زبان میں ۔ ماں شفقت کی چھت ہے۔ گہرے سائے کی ۔ ماں نہ ہو تو سب پرائے ہو جاتے ہیں ۔ ماں بھی بھائی بھی ۔ ماں کو جب اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ میرے علاوہ میری بیٹی کا کوئی خیر خواہ نہیں ہے تو وہ چھاؤں سے بھی ڈرنے لگتی ہیں۔ میری ماں کو بھی یہی ڈر رہتا ہے میں نے دیکھا ہے جب میری ماں کو کچھ ہوتا ہے تو وہ ڈر جاتی ہیں اور میں آنکھوں میں آنسو لے کر مجھے کہتی ہیں کہ مجھے کچھ ہو گیا تو تم کیا کرو گی ۔ میرے بعد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کون کرے گا ۔ مجھے کچھ ہو گیا تو تم یوں تمہارا جینا مشکل کر دیں گے۔ میری ماں ہمیشہ یہی کہتی ہیں کہ نہیں بیٹا میں کچھ نہ ہو جب تک میں کسی مقام پر نہ پہنچ جاؤں ۔ انہیں نہیں پتہ ہو گا کہ ان کی بیٹی مضبوط بن گئی ہے۔ مجھے کچھ لنے کے لیے بھائیوں کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔ ان کی باتیں نہیں سننا پڑیں گی ۔ مجھے کوئی طعنہ نہیں دے گا۔ مجھ بہت تکلیف دیتی ہیں یہ چیزیں کہ میری ماں نے ساری زندگی صبر و شکر کر کے گزاری جہاں میری ماں کو آج کے دن تک اس کی ساس اور نن وں نے قبول نہیں کیا ۔ سب کی نفرتیں سب کی باتیں سن کر اور پھر بھی ان کی خدمتوں میں زندگی گزار دی۔ آج بھی میری ماں کے دل میں سب کے لیے محبت اور چاہت ہے۔ کہ

کے ان کی ساس ان کے پاس رہے ان کی نہیں ان کے پاس آ کے رہیں۔ میں کہتی ہوں کہ مجھ دل ایسے ہوتے ہیں۔ جہاں ہم جتنا مرضی کر لیں ان دلوں میں محبت نہیں بھر سکتے۔ کچھ دلوں میں نفرتیں اتنے مضبوط پنجے گاڑھ ہوئے ہیں کہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں خود کے لیے محبت ڈالنا۔ بے باک دلوں کی نفرتیں بلکتے دلوں میں بھاری رہتی ہیں۔ اور میری ماں ہمیشہ اپنا بیسٹ دینے کی کوشش میں لگی رہی ۔ میں نے اپنی ماں کو دنیا کی ماؤں سے بہت الگ دیکھا ہے ۔ یا پھر شاید ہر ماں میری ماں جیسی ہوگی ۔ ہر یک ماں تو ماں ہوتی ہے۔ میری ماں رشتوں میں نرمی رکھنے والی عورت ہے ۔ محبت کرنے والی ، احساس کرنے والی ، ہمدردی کرنے والی ۔ اس عورت کی کیا ہی شان ہو گی جو اپنی اپنی اولاد کی طرح سسرال کی چاہت کرے محبت کرے ۔ میں ایسی عورتوں اپنی ماؤں کو عظیم کہتی ہوں۔ ہم بہت خوش قسمت ہیں ۔ جن کے پاس پرانے زمانے والے خیالات کی سادہ طرز کی مائیں ہیں ۔ بالکل سیدھی سادھی ۔ جو محبت میں ناپ تول نہیں کرتیں ۔ بس محبت کرتی ہیں۔ آج کل کی مائیں تو ہیں لیکن ان میں سیدھے والی ماؤں کی طرح نہیں ہیں۔ پرانے زمانے والی مائیں میں بہت ہی اعلیٰ قسم کی اپنائیت اور فکر ہے اولاد کے لیے ہم خود بہت نصیب والے ہیں جو ہمارے پاس ایسی مائیں ہیں ۔ جو حساب کتاب میں کمزور ہیں ۔ ہمیں کچھ بھی بن کر نہیں دیتی ۔ بس اپنا سب کچھ نچھاور کرتی ہیں۔ اپنی ماں کو دیکھ کر سیکھ آیا کہ عورت کتنا گم زندگی جیتی ہے۔ زندگی کے کچھ برس بعد بس اپنے شوہر ، سسرال اور بچوں کے لیے خود کو وقف کر دیتی ہے۔ اسے لے کچھ بھی نہیں چاہتے ہوتا سوائے شوہر کی لمبی زندگی ، صحت اور اولاد کی خوشی اور کامیابی کے۔ کتنی عجیب بات ہے خوشی خوشی ہر غم ، درد تکلیف برداشت کرتی ہیں ۔ اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتی کسی کو کہ ان کی ، زندگی میں کتنے گہرے زخم اور دکھ ہیں ۔ اندر ہی اندر سب سہہ رہی ہوتی ہیں۔ ماں آشنا بھی ہمارے بہنوں کو بھی پتہ چل جاتا ہے جیسے ماؤں کو چل جاتا ہے ۔ میں کہتی ہوں کے ایک ماں ہے اس دنیا میں جو ہمیں ہمارے اصل کے ساتھ قبول کرتی ہے ۔ ہم عار ہے ہیں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے لیکن بھی ہمارے ساتھ کھڑی رہے گی ہمارا ساتھ دے گی کوئی طعنہ نہیں کوئی شکایت نہیں کرے گی ۔ کہ ہم جیسے بھی ہوں گے تو ہی ہم ماؤں کو پسند آئیں

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 42 :کنونشن سینٹر اسلام آباد کا سرخ قالین

مارگلہ کے دامن میں دارالحکومت، شاہی پروٹوکول اور محروم بیٹیوں کے خواب

خلاصہ :جنوبی پنجاب کی کچی پگڈنڈیوں سے نکل کر اسلام آباد کے جناح کنونشن سینٹر کے سرخ قالین پر قدم رکھنے کا سحر انگیز منظر :رجاء نے محسوس کیا کہ اس کے ساتھ پاکستان کی ہر محروم بیٹی چل رہی ہے۔

◆ ◆ ◆

جنوبی پنجاب کی دھول بھری، کچی پگڈنڈیوں سے نکل کر دارالحکومت اسلام آباد کی چوڑی اور سرسبز شاہراہوں پر سرکاری پروٹوکول کے ساتھ سفر کرنا کسی خواب کی تعبیر جیسا تھا۔

مارگلہ کی نیلی پہاڑیوں کے دامن میں واقع جناح کنونشن سینٹر پاکستان کا سب سے بڑا اور عالی شان ایوان تھا۔ اس کے دیو ہیکل گنبد تلے ملکی اور غیر ملکی سفارت کاروں، وفاقی وزرا، مسلح افواج کے اعلیٰ افسران اور ممتاز سائنس دانوں کے قافلے اتر رہے تھے۔

جب سرکاری گاڑی نے پورٹیکو کے سامنے بریک لگائی اور ایک باوردی سیکیورٹی افسر نے جھک کر میرے لیے دروازہ کھولا، تو میرے سامنے سینکڑوں فٹ طویل گہرا سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے سیاہ چمڑے کے جوتے اس سرخ قالین پر رکھے اور اپنا سادہ کالا دوپٹہ سر پر درست کیا۔ میرے ماتھے پر نہ کوئی بناوٹی غرور تھا اور نہ میری چال میں کوئی جھجھک۔

کسی گے نکالیں گے ہم میں خامی ہمیں جو لے گی یہ سہہ لے گی ۔ ہمارے لیے کھڑی ہو گی کہ میرے بچے کوئی کچھ نہ کہیں ہمارے خلاف کہ وھکو بات نہیں کرنے دے گی۔ ڈھال بن جائے گی۔ ہم اپنی ماؤں کے ساتھ کیسا بھی رویہ اختیار کریں غصہ کریں لڑیں چیخام بھی برا سلوک کر لیں ۔ پھر بھی ہمیں منانے آئے گی چاہے غلطی ہماری ہو گی ماں کبھی نہیں کہے گی کہ غلطی تمہاری ہے تو میں کیوں ۔ ماں یہی آئے گی منانے ، گلے لگانے بوسہ دینے ۔ کھانا پوچھے پہلی سی بھی رنجش نہیں آئی ماں کے دل میں ۔ اک ماں ہی ہے جس کے ساتھ برا اور سلوک کے بعد بھی وہ اپنی اولاد کی طرف ہنستی ہے ۔ ماں کو فرق نہیں پڑتا اس کی اولاد کیسا برا سلوک کیسا رویہ رکھتی ہے ۔ بس ماؤں کو اولاد ہنستی کھیلتی نظر آنی چاہئے ۔ وہ تب ہی مسکراتی ہیں۔ جب اس کی اولاد مسکراتی ہے ۔ ماں کے دل میں اولاد کے لیے کبھی محبت کم نہیں ہوتی ۔ آپ چاہے جتنا مرضی برا بھلا کہہ لیں۔ ماں کے پیروں تلے ہی جنت نہیں ہے میں کہتی ہوں کہ ماں کے ہر انداز میں جنت ہے ۔ سکون ہے۔ ماؤں کی زندگی اگر پرسکون نہ ہو تو وہ کمپ ومائز کر لیتی ہیں صرف یہ سوچ کے کہ اک دن اس کے بیٹے بڑے ہو کر اس کے دکھوں کو ٹال دیں گے ۔ جس گھر میں عورت کی عزت نہ ہو ۔ نہ شوہر خیال کرنے والا نہ سسرال احساس کرنے والا ۔ وہ ماں پھر بھی اولاد کے لیے اسی گھر میں پڑی رہتی ہے۔ چاہے اس پر جتنا مرضی تشدد ہو ۔ اونچی آوازوں کا شور ہو ۔ شدت برداشت کرے گی اس امید پر کے ایک دن بیٹے بڑے ہو کر اس کا بازو بنیں گے ۔ اس کے دکھوں کا مداوا کریں گے اس کے لیے کھڑے ہوں گے۔ اس کو آرام دیں گے ۔ محبت اور شفقت دیں گے۔ لیکن ایسی ماؤں کے لیے کچھ بیٹے بھی آزمائش بن جاتے ہیں میں نے دیکھا ہے بیٹوں کو اپنی ماؤں کو ذلیل کرتے ۔ کھڑے ہو جائیں تو وہ بھی دوسروں کے نقشے قدم پر چلتے ہیں ۔ ماؤں کو گالی گلوچ کرنا ۔ اونچی آواز میں کہنا ذلیل کرنا ۔ جس ماں نے اس آس پر زندگی گزاری کہ بیٹے بڑے ہو کر اس کے دکھوں کا مداوا کریں گے۔ اس کے لیے کھڑے ہوں گے۔ وہی بیٹے ماں کو صحیح غلط کا سبق سکھا رہے ہوتے ہیں۔ جس ماں نے پیدا کرے اس اتنا بڑا کیا ۔ اس کو اس

مقام تک لائی۔ وہی بیٹے ماں کو بتا رہے ہوتے ہیں کہ تم نے کیا کیا ۔ تم اس چیز میں غلط ہو۔ تم نے یہ کام سہی نہیں کیا ۔ ماں کی ہر چیز میں نقص نکالنا ۔ نقص نکالنا۔

ماں واقعی اس جگہ غلط ہوتی ہے جہاں وہ اولاد کے لیے شوہر کا تشدد مار پیٹ ، گالی گلوچ سب برداشت کر کے اسی گھر میں پڑی رہتی ہے ۔جب بیٹوں کا ماں سہارا لے کر زندگی گزر رہی ہے کہ بڑے ہو کر میرے لیے میری زندگی بدل دیں گے وہی بیٹے بڑے ہو کر ماں کو بتاتے ہیں کہ تمہاری جگہ بدل نہیں سکتی بلکہ وہی ہے آپ کے لیے جو آپ پہلے دن برداشت کیا ہے۔ ماؤں کی زندگی بیٹے بدلتے ہیں ۔ لیکن وہی بیٹے بڑے ہو کر باپ سے بھی دو قدم دو ہاتھ آگے رکھتے ہیں ماں پر ۔ اپنی ماؤں کی زندگی سے برائی جب ہمیشہ ہی نا پر ہیں ۔ وہ ماں جس نے ان کے لیے ہر ظلم خوشی چپ چاپ وہی برا بھلا کہہ کر ماؤں کی آواز نہیں نکلنے دئے۔ ماں ڈر ڈر کے ایک کر رہی ہوتی ہے ۔ کہ کہیں میں یہ بات کروں تو غصہ نہ ہو جائے ۔ مجھ پر اونچا بولنے نہ لگ جائے محلے دار نہ سن لے ماں کے ساتھ کیسے رویہ رکھ رہا ہے ۔ کیسے بات کر رہا ہے۔ ماں بیچاری سہم جاتی ہے ۔ ڈر جاتی ہے اپنی رسوائی سے۔ بغیر وہ ماں اندر ہی اندر خود کو دبا لیتی ہے۔ اندر ہی اندر روتی ہے۔ اندر ہی اندر خود کو کوستی ہے ۔ کہ میں اولاد کے لیے سردیا وہی میری نہ بنی ۔ وہی آزمائش بن گئی۔ جس اولاد کے لیے امید میں تھی کہ بڑے ہو کر ماں کو سنبھال لیں گے ۔ کٹ جائیں گی یہ ہجر کی راتیں ۔ کھلی اور دن بھی لیکن اس ماں کو کیا پتا ۔ کہ شوہر بعد ان کی ہجر کی راتیں اور لمبی اور دن بھی اسی قابض جو روز بھی زیادہ انمول ہوئی ہیں ۔ جس کے حصے میں خوشیاں اور سکون کم آنا ہے ۔ ایسی ماؤں کی قربانیاں بھی زیادہ انمول ہوتی ہیں۔ جب ہر وقت آئے تو ماں خود کو پیش بچاتی اس برے وقت کو خود پر لے گی اولاد پر برا وقت نہیں آنے دے گی ۔ اپنے سارے بس لگائے گی ۔ اک ماں ہی ہے جو اولاد کی ہر برائی دیکھنے بعد بھی اولاد کے لیے کھڑی رہتی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کے مستقب سنوارنے کے لیے اپنا آپ تک گنوا دیتی ہیں ۔ صرف اولاد کے اردگرد کے دائرے میں ہی ماؤں کی سوچ گھومتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بیٹے ماؤں کے ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر حقیقت اس کے برعکس ہے ۔ ہوتے ہیں بیٹے ماؤں کے ۔

اس سرخ قالین پر چلتے ہوئے میں نے نیچے دیکھا، اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اس سنگِ مرمر کی سیڑھیوں پر تنہا قدم نہیں رکھ رہی تھی۔ میرے دائیں بائیں میرے گاؤں کے کچے آنگنوں کی وہ تمام مائیں چل رہی تھیں جن کے پاؤں میں کانٹے چبھے ہوئے تھے۔

میرے ساتھ وہ تمام بچیاں چل رہی تھیں جنہیں ونی کر کے بوڑھوں کے حوالے کر دیا گیا تھا، جن کے بستے چھین کر چولہوں میں جلا دیے گئے تھے، اور جن کے خوابوں کو غیرت کے نام پر قبروں میں دفن کر دیا گیا تھا۔

میں ان سب کی سفیر تھی، میں ان سب کی چیخ تھی جو اب ریاست کے سب سے بڑے ایوان میں گونجنے جا رہی تھی۔

جب میں نے مرکزی ہال کے سنہری دروازے کو عبور کیا اور فانوسوں کی دودھیا روشنی میرے وجود پر پڑی، تو پورے ہال کے اکابرین کی نگاہیں اس باوقار اور پرعزم بیٹی پر جم گئیں۔

یہاں نہ کوئی طبقہ تھا، نہ جاگیردار کی دھونس تھی، نہ تایا کا حقہ تھا؛ یہاں صرف علم اور سچائی کا ناقابلِ تسخیر رعب تھا جس کے آگے پورا ایوان سرنگوں تھا۔

کو لیکن بہت کم ہر ماں خوش قسمت نہیں ہوتی ۔ ہر بیٹا اپنی ماں کے لیے ایفرٹس نہیں کرتا ۔ بہت کم بیٹے ہوتے ہیں جو ماؤں کی قربانیوں محسوس کرتے ہیں ۔ ان کی تکلیفوں کو محسوس کرتا ہیں ۔ ماؤں کی عزت کرتے ہیں ۔ اپنے اپنے پن کے گھروں میں باسے جاتے ہیں ۔ اور اس معاملے میں بھی میری ماں خوش قسمت نہیں ہے۔ میں نے اپنی ماں کو کبھی سکون اور اطمینان میں نہیں دیکھا ۔ میں نے نہیں دیکھی اپنی ماں کے حصہ میں خوشیاں ۔ زندگی ضائع کر دی ہمارے لیے ۔ میں نے آج تک اپنی ماں کو پرسکون نیند سوتے نہیں دیکھا ۔ میری ماں نے ہمارے لیے اپنی زندگی کی ساری خوشیاں دفن کر دی ہیں سب برداشت کے لیے اپنی میری ماں نے ۔ لیکن کبھی میری ماں کے منہ سے اف تک نہیں نکلی۔ میں نے کبھی ان کو اپنے دکھ یا شکوے شکایت کرتے اپنے بھائیوں سے نہیں دیکھا ۔ کبھی انہوں نے اپنی تکلیفوں کا ذکر اپنے بھائیوں سے کیا ہو ۔ یا انہوں نے کہا ہو ۔ ہمیشہ ہر چیز پیٹ بنائی ۔ پیٹھ دکھائی ۔ ہمیشہ اپنے گھر اور شوہر کی عزت بنائے رکھی ۔ کبھی اپنے شوہر پر آنچ نہیں آنے دی ۔ ہمیشہ ے سے اپنے شوہر کی عزت ک اپنے مائی کروائی ۔ چاہے میرے باپ نے میری ماں کو جیسے بھی حالاتوں میں رکھا ۔ میں نے نہیں دیکھا کہ میری ماں نے کبھی میرے باپ کی کوئی دل آزاری والی بات یا کوئی ستم اپنے ماں باپ اپنے بہن بھائیوں کو بتایا ہو ۔ کوئی ان کے سامنے میرے باپ کا گلہ کیا ہو۔ ہمیشہ میرے باپ کو سراہا ان کا ساتھ دیا ۔ ہر حالات میں ۔ ایسے حالات بھی تھے ان پر جب کئی کئی دن فاقے کرتے تھے ۔ لیکن ساتھ دیا دونوں نے ایک دوسرے کا ۔ لیکن ان سب میں حالات بہت اچھے بھی آئے اور بہت برے بھی ۔ لیکن میری ماں نے ساتھ دیا ۔ کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں ۔ جہاں عورت کو چھڑ دینا بہتر لگتا ہے ۔ ان حالات میں بھی میری ماں نے میرے باپ کو چنا ۔ ایسی مائیں ایسی بیویاں بہت عظیم ہوتی ہیں ۔ آج کل ایسی مائیں ایسی بیویاں بہت کم ہیں۔ میری ماں نے مجھے ایک بات سمجھائی ہے گھر بچانے کے لیے بہت قوت برداشت چاہیے ہوتی ہے۔ آج کے دور میں جو باتیں ہمیں بہت بُری لگتی ہیں۔ وہ باتیں ان کے لیے کوئی خاص معنی نہیں رکھتی ہیں ۔ پرانے زمانے کی ماؤں عورتوں میں قوت برداشت اتنی ہے کہ تشدد بھی انہیں بے معنی لگتا ہے ۔ چپ چاپ برداشت کر لیتی ہیں۔ آج کے دور میں اولاد کے لیے ماں سے بڑھ کر کوئی رشتہ مخلص نہیں ہے ۔ ماں سے بڑھ کر اولاد کو کوئی محبت نہیں دے سکتا ۔ میری ماں نے مجھے ہمیشہ سپورٹ کیا ۔ ہر معاملے میں کیونکہ میں اپنے گھر کے حالات بدلنا چاہتی تھی ۔ سب کی سوچ ، خیالات بدلنا چاہتی تھی ۔ ایک آئیڈیل گھرانہ بنانا چاہتی تھی۔ ✦ کی بیٹی یکھانی ا یہ کہانی ہے ایک بیٹی کی ، میں وہ بیٹی ہوں جو گھر سے باہر ان خوابوں کو پورا کرنے نکلی تھی

جس نے ہمیشہ اپنے والد کو اپنے لیے کوشش کرتے دیکھا ۔ اندھے دھند مزدوری کرتے دیکھا ۔ بے پناہ محنت کرتے دیکھا ۔ مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ محنت اپنے والد نے کی ۔ اور مجھے لگتا ہے بیٹی سے بڑھ کر باپ کو کوئی محبت نہیں کر سکتا ۔ بیٹی کا ایک باپ سے ہے جو احساس ہوتا ہے وہ ہر احساس سے منفرد الگ اور حسین ہوتا ہے ۔ اور اس محبت کا کوئی ثانی نہیں ۔ اور ایک باپ کی محبت بھی بیٹی کے لیے مثالی ہوتی ہے ۔ ساری محبتوں سے زیادہ پرکشش اور حسین ہوتی ہے ۔ باپ کے ساتھ رشتہ اچھا ہو یا برا حالات جیسے بھی ہوں ۔ بیٹی پر باپ کا سایہ بہت معنی رکھتا ہے ۔ باپ کا ہونا بڑا معنی رکھتا ہے ۔ چاہے باپ بیٹی کے رشتے میں کشش کیوں نہ ہوں دوریاں کیوں نہ ہو ان دوریوں میں بھی باپ کے ہونے کا احساس ضروری ہے ۔ یہی کافی ہے ۔ میرے ابو نے ہر طرح کی مزدوری کی ہے ہر طرح کا کام کیا ہے ۔ انہوں نے کام کرنے میں کبھی شرم محسوس نہیں کی ۔ ہمیشہ حلال کمایا اور حلال کھلایا ۔ ہمارے وجود میں خون میں میرے ابو نے ایک نوالہ بھی غلط کمائی کا نہیں جانے دیا ۔ میرے ابو نے اتنی محنت کی ہے کہ وہ اپنی جوانی سے پہلے بوڑھے ہو گئے اور یہ بات مجھے حد درجے تکلیف دیتی ہے ۔ مجھے تکلیف رہی ہوتی ہے جو شاید کسی کو بتا نہیں سکتی میں اندر ہی اندر وہ باتیں انہیں کھاتی ہیں ۔ محسوس کرتی ہیں ان باتوں کو میں کبھی بھی اظہار نہیں کر پائی کہ مجھے یہ بات کتنی تکلیف دیتی ہے کہ جب میرے ابو تیز تپتی دھوپ میں رکشے کھینچتے ہیں تو میرا دیکھ کر ان کو اندر چیختا تھا ہے ۔ کہ وہ اس پر کھڑے ہو کر کام کر رہے ہیں ۔ ہمارے لیے حال ہوئے ہو رہے ہیں ۔ جوتوں گھستے ہیں تاکہ بیٹیاں سوتی رہیں ہیں ان کو سب مل جائے ۔ کہنے والوں کو کیا پتہ کہ ان بیٹیوں کے دلوں میں کتنی محبت ، احساس اور نرمی بھری ہے ۔ اندر ہی اندر وہ کتنا سوچتی ہیں ۔ کس چیز کو محسوس کرتی ہیں ۔ اندر ہی اندر وہ کتنا گھٹتی ہیں ۔ کتنی تکلیف ہوتی ہیں بیٹیوں کو کوئی نہیں جان نہیں سکتا ۔ کچھ محبتیں ایسی ہوتی ہیں ۔

جن کا اظہار نہیں ہوتا بس خاموشی سے کر جاتا ہے انسان میں ہمیشہ یہی چاہتی تھی کہ میں بڑی ہو کر ان کو ایک پرسکون زندگی دوں ۔ انکو مزید کام کام نہ کرنے دوں ۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے ابو کے بال سفید ہوں کبھی میں اپنے والد کے بال سفید ہوتے دیکھتی تھی تو مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی کہ کیوں ہو رہے ہیں ۔ جب میں اپنے ابو کے بال سفید ہوتے دیکھتی تھی تو میری اللہ تعالیٰ سے ایک ہی دعا ہوتی تھی کہ اے اللہ بس میرے کامیاب ہونے تک میرے ابو کے بال سفید نہ ہوں ۔ میرے لیے سہہ سکتے میرے ابو کے بال سفید ہوئے گئے ۔ جو مجھ برداشت نہیں ہوتے تھے ۔ میں اپنے والد کو ہمیشہ جوان دیکھنا چاہتی تھی میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے ابو کبھی بوڑھے ہوں ۔ ان کی عمر ڈھلے ۔ میں دن رات رنگ یہی سوچ میں ڈوبی رہتی کہ کب کامیاب ہوں گی کب ہوں گی ۔ کیا کروں کے اپنے امی ابو کو سنبھال لوں ۔ بس یہی سوچ سوچ کے تھکا دیا خود کو ۔ میری نظریں ہمیشہ کامیاب ہونے کے راستے ڈھونڈتی ۔ مجھے اپنے ابو کے سفید بالوں کی اس قدر تکلیف ہوتی تھی کہ وہ تکلیف میرے دل کا روگ بن گئی ۔ میں بیمار پڑنے ماہ بعد چیک اپ کرواتی6 سے لگی ۔ مجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہو رہا ہے مجھے

۔ مجھے دو تین سال گلٹی تھی جس کا میں ہر تھی لیکن ہمیشہ رپورٹ آٹی سمسٹر تھا ۔ اور مجھے 2nd رپورٹس ۔ یونیورسٹی میں میں زیر تعلیم تھی میرا شدید درد اٹھا مجھے شک ہوا میں شوکت خرجاء گئی ۔ وہاں سے میں ٹیسٹ کروائے ۔ اور ان ٹیسٹوں کی رپورٹ پوزیٹو آئی ۔ کہ جو کئی سالوں تک گلٹی تھی وہ رسولی میں تبدیل تھی جو کینسر بن رہی تھی ۔ ڈاکٹر نے مجھے فوراً علاج کروانے کی ہدایت میرے ذہن میں سو سوال تھے ۔ کہ آپریشن ہو گا جسم کا ایک حصہ کٹ جائے گا ۔ علاج مہنگا ہے کافائدہ نہیں ہے ۔ ڈرتی تھی میں خود کو کچ کٹنے سے ۔ کیونکہ میں کینسر کے ٹیگ کے ساتھ جینا نہیں چاہتی تھی ۔ لہٰذا میں نے ڈاکٹر سے بات کی کہ مجھے علاج نہیں کروانا اور یہ یہ بات ہے ۔ جس کی وجہ سے میں علاج نہیں کروانا چاہتی ۔ ڈاکٹر نے میری بات سنی اور مجھے پھر انہوں نے موٹیویٹ کیا کہ علاج کروائیں کیمو تھراپی سٹارٹ شروع کریں ۔ اللہ تعالیٰ خیر کریں گے ۔ یہ یہیں ختم ہو جائے گا آگے سٹیج تک نہیں جائے گا اور اگر آپ فوراً علاج شروع کرتی ہیں تو ہو سکتا ہے آپریشن کی نوبت نہ پڑے ۔ دل کو تھوڑا تسلی ہوئی ۔ بس پھر منہ پر سوالات اور ذہن میں گونجنے لگے کے گھر بتاؤں یا نہ اگر بتاتی ہوں تو پیسے کہاں سے ہو گا۔ میری ماں شاید برداشت نہ کر سکے ۔ لیکن فکر زیادہ والد کی تھی ۔ کہ وہ میری پڑھائی کا خرچہ بہت مشکل سے کر رہے ہیں ۔ اگر یہ بات پتا چلی تو وہ تو بہت زیادہ پریشانی میں ڈوب جائیں گے ۔ کیا ہے ابو کے پاس جو بیچ کر میرا علاج کروائیں گے ۔ کہاں سے پیسے آئیں گے کہاں سے کیسے کریں گے ۔ قرضے اٹھا کر اٹھا کر ادھار اٹھا کر علاج کروائیں تو بہتر ہے میں بتاؤں ہی نہ ۔ اور نہ علاج کرواؤں ۔ سوچتے

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 43 :گلے میں سونے کا تمغہ اور ریاست کا اعتراف

قومی پرچم کے سائے تلے، صدرِ پاکستان کے ہاتھ اور سنہری تمغے کی چمک

خلاصہ :کنونشن سینٹر کے اسٹیج پر صدرِ مملکت نے جھک کر سنہری تمغہ رجاء کے گلے میں پہنایا اور پورے ہال کی کھڑے ہو کر دی جانے والی تالیوں نے ایک کسان کی بیٹی کو قومی وقار کا استعارہ بنا دیا۔

◆ ◆ ◆

تقریب کے ناظم، ملک کے ممتاز براڈکاسٹر نے جب قومی نشان کے سائے تلے روسٹرم پر آ کر اپنا مائیک سنبھالا، تو ہال پر ایک گہرا اور مسحور کن سکوت چھا گیا۔

حضرات و خواتین "!ان کی کھنکتی ہوئی اور پرجوش آواز نے ماحول میں سنسنی پیدا کر دی " :اب ہم اس تقریب کے سب سے بڑے اور تاریخ ساز اعزاز کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ ایوارڈ جنوبی پنجاب کی ایک ایسی بیٹی کو دیا جا رہا ہے جس نے اپنے کچے آنگن کے ٹاٹ پر بیٹھ کر غربت، قبائلی جبر اور سماجی منافقت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور پوری دنیا کو دکھا دیا کہ عزمِ محکم کیا ہوتا ہے۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کی ریسرچ

اسکالر محترمہ رجاء بنتِ سجاد تشریف لائیں اور صدرِ مملکت سے 'صدارتی گولڈ میڈل 'وصول فرمائیں "!جب میرا نام پکارا گیا، تو کنونشن سینٹر کے دو ہزار شرکا کا ہال ایک دم سے گونج اٹھا۔ میں نے دھیمے، نپے تلے اور پراعتماد قدموں کے ساتھ اسٹیج کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ کامیابی کوئی منزل نہیں ہے، یہ تو صرف امتحان کا اگلا اور زیادہ سنجیدہ مرحلہ ہے۔

صدرِ پاکستان نے اپنی نشست سے آگے بڑھ کر میرا استقبال کیا۔ ان کے ہاتھ میں سبز ربن میں پرویا ہوا خالص سونے کا ایک وزنی، چمکدار تمغہ تھا جس پر ریاستِ پاکستان کا مہر اور چاند تارا کندہ تھا۔

صدر نے انتہائی احترام کے ساتھ جھک کر وہ سنہری تمغہ میرے گلے میں پہنایا، اور پھر میرے ہاتھ میں اعلیٰ ترین اعزاز کی صدارتی سند تھمائی۔

انہوں نے مائیک پر کہا " :رجاء بیٹی !آج ریاستِ پاکستان تمہارے سامنے سر جھکاتی ہے۔ تم نے اس ملک کے پسماندہ ترین طبقے کی آواز بن کر نہ صرف اپنے والدین کا بلکہ پوری قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ تم پاکستان کا روشن مستقبل ہو۔ "جب تمغہ میرے سینے پر جھولا، تو اس کی ٹھنڈی دھات نے میرے دل کے تمام پرانے زخموں کو یک لخت بھر دیا۔ سامنے بیٹھے وزرا، سفارت کار، اور چیف آف آرمی اسٹاف کے نمائندے کھڑے ہو کر خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے۔

کیمروں کی تیز روشنیاں چمک رہی تھیں اور قومی ٹیلی ویژن کے ذریعے یہ منظر اس وقت دنیا کے کونے کونے میں براہِ راست نشر ہو رہا تھا۔

وہ بیٹی جس کے وجود کو خاندان نے مٹا دینے کی سازش کی تھی، آج پاکستان کی عزت کا سب سے چمکتا ہوا استعارہ بن چکی تھی۔

جب انسان مسلسل محنت، آنسوؤں، اور قربانیوں کے بعد بالاخر اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں دنیا اسے دیکھ کر داد دینے پر مجبور ہوتی ہے، تو ایک عجیب سا سکون دل کو گھیر لیتا ہے۔ جب میری ریسرچ شائع ہوئی، جب میری کامیابی کی خبریں آئیں، تو وہ لوگ جو کل تک طعنے دیتے تھے، جنہوں نے کبھی فون کر کے خیریت نہیں پوچھی تھی، یکدم مبارکبادوں کے پیغامات بھیجنے لگے۔

لیکن کامیابی کے بعد کا سفر آسان نہیں ہوتا۔ کامیابی اپنے ساتھ حسد کا ایک نیا طوفان لے کر آتی ہے۔ جو لوگ پہلے آپ کی خاموشی کا مذاق اڑاتے تھے، اب وہ آپ کے بولنے پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ لیکن اب مجھ میں ایک تبدیلی آ چکی تھی۔ اب مجھے کسی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں تھی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 44 :قوم کے نام خطاب :ماؤں کے آنسو اور سورۃ النور

روسٹرم پر کسان کی بیٹی، براہِ راست نشریات اور باپوں کے نام تاریخی پیغام

خلاصہ :کنونشن سینٹر کے روسٹرم سے رجاء نے قوم کے نام دل دہلا دینے والا خطاب کیا :ماؤں کی خاموش قربانیوں، سورۃ النور کے الہی انصاف اور بیٹیوں کو اعتماد دینے کی تاریخی اپیل۔

◆ ◆ ◆

جب میں نے صدارتی روسٹرم کی ساگون کی لکڑی پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور سامنے لگی درجنوں ٹیلی ویژن کیمروں کی سرخ بتیوں میں دیکھا، تو مجھے معلوم تھا کہ اس وقت ملک بھر کے کروڑوں گھرانوں میں لوگ مجھے سن رہے ہیں۔

میں نے کسی روایتی سیاسی خوشامد یا رسمی شکریے سے آغاز نہیں کیا۔ میری آواز میں وہ درد تھا جو کچے کوٹھوں میں سلگتی ہوئی لکڑیوں کے دھوئیں سے پیدا ہوتا ہے۔

اے وطن کے معزز قائدین اور محترم ہم وطنو "!میں نے آغاز کیا۔"

یہ سنہری تمغہ جو آج میرے گلے میں دمک رہا ہے، یہ محض میری " ایک فرد کی محنت کا صلہ نہیں ہے۔ یہ اس دھرتی کی ان لاکھوں ماؤں کے آنسوؤں کا قطرہ ہے جو ساری عمر اپنے دالان میں مصلے پر بیٹھ کر سسکتی رہتی ہیں مگر زمانے کے خوف سے اپنے حق کے لیے بول نہیں پاتیں۔ یہ ان بیٹیوں کا لہو ہے جن کے گلے غیرت کے جھوٹے بتوں کے آگے کاٹ دیے گئے۔

میں آج اس ایوان سے اپنے ملک کے ہر باپ اور ہر بھائی سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں :آپ کب تک اپنی بیٹیوں کو کانچ کا وہ برتن "سمجھتے رہیں گے جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر بکھر جاتا ہے؟

سوچتے دن رات گزر گیا۔ پھر خوف سے نیند نہ آنے کے اگر آنکھ ملی تو شاید صبح نہ کھلے۔ گھٹن بہت ہونے لگی مجھ۔ بس پھر میں نے خود ہمت کی۔ اور اپنا علاج شروع کر دیا۔ یہی سوچا چھٹی موٹی جاب کر لیتی ہوں جہاں بھی مل جائے کر کے اپنا علاج کرواتی ہو۔ کیمپس میں نے دن میں تین چار انٹرویو دئے پاس بھی کر لئے۔ ہر روز ہزار سیلری ہے۔ میرے لیے تو یہ رقم بہت معنی35 تھی ہزار سیلری دے۔ میں بہت خوش35 انٹرویو دیتی فیل ہو جاتی کوئی رکھتی تھی۔ میں تو یقین ہو گئی کہ ہاں میں اس میں علاج بہرحال کرواؤں گی اور اللہ تعالیٰ کریں گے تو میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ چھٹی موٹی جابز کر کے اپنا علاج کرواتی رہی۔ اس عرصے میں میں نے یونیورسٹی لائف کو نہیں جیا۔ میرے سامنے ایک ہارڈ سٹرگل تھی جو مجھے کرنی تھی۔ ڈیڑھ دو سال میں نے اس تکلیف کو خود اٹھایا اور برداشت کی۔ جس میں مجھے میرے استادوں نے بہت سپورٹ کیا۔ اس دوران میں کلاس بھی مس نہیں کرتی تھی۔ جیسے تیسے کلاس بھی لینی لازمی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ طبیعت نے ساتھ دینا چھڑ دیا۔ میری طبیعت اکثر ہوسٹل میں خراب ہو جاتی اور جب کلاس لے جاتی تو میری کوشش ہوتی تھی کہ جسے نہ کلاس ہو کہ کہیں طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے خود کو ہینڈل کرنا مشکل پر قابو پانا میرے لیے مشکل ہوتا جاتا ، کلاس میں اکثر طبیعت خراب ہو جاتی تھی میری۔ جب میرے استاد محترم میری حالت دیکھتے تو وہ مجھے ہوسٹل بھیج دیتے کہ جاؤ ریسٹ کریں اور طبیعت خراب ہو تو پہلے اپنی صحت پہ غور کریں یہ ضروری ہے۔ لیکن میں پھر بھی کلاس لے چلی جاتی تھی۔ لیکن میری

طبیعت تو ویسی نہونی میں کلاس تو نہیں چھڑ سکتی تھی ، چونکہ ریگولر
پتا کو کسی کہ تھی تیچھپا میں لیکن چھاپو سے مجھ نے تھی میں ۔ student
پھر میں نے اساتذہ نہ چلے ۔ صرف دو سے تین کلاس فیلوز کو پتہ تھا ۔
کہ میرے ساتھ یہ مسئلہ ہے ۔ پھر انہوں نے میرے اساتذہ کو بتایا اور
میرے اساتذہ نے اس چیز میں مجھے بہت سپورٹ کیا ۔ میں انہیں پتا چلا
کہ اس مسئلے با وجود میں کلاس لیتی ہوں تو انہوں نے مجھ سے رپورٹس
لے کے مجھے ریسٹ دے دیا ۔ میرے ٹیچر کہتے کہ بیٹا کلاس نہ آئیں
جب آپ کی طبیعت آپ کو بہتر لگے تب آ جایا کریں لیکن پہلے آپ کی
صحت ہے ۔ صحت یاب ہوتی تو ہی کچھ کر پائیں گی ۔ اور تندرستی سے
بڑی کوئی نعمت نہیں ہے ۔ جب آپ تندرست نہیں ہوں گی تو کیسے
اپنے خواب پورا کریں گی ۔ بس پھر میں نے جان کی اور ساری توجہ خود
پر لگادی ۔ کہ اسے خود پر حاوی نہیں ہونے دینا ۔ میں نے اس چیز سے
ہر حال میں نکلنا ہے مجھ اسے شکست دینی ہے ۔ اور مجھے اس سے
کرنا ہے ۔ ہر دن خود survive سروائیو
کو یہ بات سمجھاتی کہ مجھے اسے جیتنے نہیں دینا ۔ لیکن کبھی کبھی سچ کہوں
تو میں بہت ہار جاتی تھی اندر سے ٹوٹ جاتی ۔ کبھی کبھی راتوں کو جب
سو رہی ہوتی تھی تو اچانک سے جب ذہن میں خیال آتا تو گھبراہٹ سے
دھڑپ کر اٹھ جاتی تھی ۔ اور میری آنکھیں چھت سے لگ جاتی تھی ۔
کتنی راتیں موت کا خوف مجھے سونے نہیں دیتا تھا ۔ کہ اندر میں سوچتی تو
میری پتہ نہیں صبح آنکھ نہ کھلے ۔ اس خوف سے کتنی راتیں میں نے
جاگ کر کبھی گزاری اس لیے کہ میرے بہن بھائی خواب تھے اپنے والد
کے لیے ۔ کہ انہیں زندگی میں ان کے حصے کی سکھ بنا کے دینا ہے ۔
انہیں اتنی خوشیاں دینی ہیں کہ خوشی سے ان کے فکر میں جو بال سفید
ہو گئے تھے خوشی سے پھر سے وہ بال کالے ہو جائیں ، مجھ لگتا ہے کہ
جب انسان خوش ہوتا ہے ملر سے کھلتا ہے تو وہ اپنی عمر سے کم نظر آتا
ہے ۔ بس مجھے اپنے ابو کے لیے بھی یہی چاہتے تھا کہ وہ بیٹھ کر کھائیں
۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزاریں جس عیش و عشرت سے بچپن میں
میرے ابو نے مجھے نوازا ہے اس سے بڑھ کر ان کو وہ بچپن میں
کرواؤں ۔ اور خود سے زیادہ پرسکون اور عیش و عشرت کے خواب
سجائے میں نے اپنے ابو کے لیے ۔ یہی ایک وجہ تھی جس نے مجھے اس
چیز سے لڑنے کی ہمت دی ۔ اور میں لڑی بنا ان کو یہ بتائے کہ ۔ کیوں
کہ مجھ پر لگانے کے لیے ان کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا ۔ کمزور نہیں
چاہتی تھی کہ ان کو پتا چلے ۔ اور وہ مزید زیادہ تکلیف میں آئیں ۔ آخر
کب تک چھپاتی چھپاتے چھپاتے ان چیزوں کو مجھ پر طاری خود کو زندہ
رکھنے کے لیے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے در سے چھپنا تو نہیں چھین
سکتی تھی ۔ اگر امی ، ابو کو پتہ لگتا تو وہ مجھ بھی جان نہ کرنے دیتے بس
بیڈ پر ہی بٹھا دیتے ۔ نہ دکھی صحیح نہیں تھا ۔ اس چیز سے نکلنے کے لیے
خود کو خیل کرنا ضروری ہے جسکے تھوڑے رہنا بھی ضروری ہے بیڈ پر
مکمل طور پر پڑ کے تو پھر سروائیو کرنا مشکل ہوتا ہے ۔ خود کرنا چاہ ئگی
ے اس چیز کے بنا سر پر سوار کئے ۔ میری زندگی میں ڈیڑھ دو سال
تھی رسیا میں آیا جس دن میری ہمت ٹوٹی ہو ۔ ہمیشہ اچھا تیار ہو کر ہنس
کر چہرہ ہشاش بشاش رکھ کر اپنا کام کیا ۔ اور علاج کروایا بس سچ بتاؤں تو

بہت تکلیف دہ سفر تھا یہ میرا ۔ میرے ہاتھوں پر کیمو تھراپی کے نشان میرے اندر تک اپنا درد پیدا کرتے تھے ۔ اور وہ نشان کافی دن رہے ۔ میں مجھے کلاس میں جانا پڑتا یا جاب پر تو مجھے گلوف پہنے پڑے اور اکثر میں چھپاتی تھی ان نشانوں کو کہ کسی کو پتہ نہ چلے ۔ کوئی مجھ سے ہمدردی نہ کرے کوئی مجھ پر ترس نہ کھائے ۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ کوئی بھی رسیا انسان ہمدردی کے قابل نہیں ۔ وہ مضبوط ہے ۔ اسے میں کسی ہمدردی اور یوں سہی نہیں لینی چاہیئے ۔ ہاں کبھی کبھی مجھے اپنوں کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی تھی اکیلے پڑنا اور اکیلے برداشت کرنا بہت مشکل ہے ۔ بہت تکلیف دہ مرحلہ ہے یہ ۔ آسان نہیں ہوتا ایسے پڑنا ۔

قرآن نے جب بیٹی کو رحمت کہا، تو اس نے بیٹی کے ہاتھ میں زندگی " کی آزادی تھمائی تھی۔

سورۃ النور کی آیات گواہ ہیں کہ جب منافقین نے پاک دامن بیٹی پر کیچڑ اچھالا تو آسمان سے ربِ کائنات نے اس کی بریت کی گواہی اتاری۔

میں اپنے باپ سے، اور پاکستان کے ہر باپ سے کہتی ہوں :اپنی بیٹیوں پر شک کرنا چھوڑ دیجیے !ان کی روحوں کو طعنوں کی زنجیروں میں مت جکڑیے۔ اگر آپ اپنی بیٹی کے سر پر دستِ شفقت رکھ دیں اور اسے اپنے اعتماد کی ڈھال دے دیں، تو وہ پہاڑوں کو چیر کر آپ کی پگڑی کا ایسا تاج بنا دے گی جسے دنیا کی کوئی آندھی نہیں ہلا سکے گی "!جب میرا خطاب ختم ہوا، تو ہال میں موجود کئی سفارت کار اور خواتین اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

صدرِ پاکستان دوبارہ اپنی نشست سے اٹھے اور انہوں نے آگے بڑھ کر مائیک پر کہا " :یہ اس قوم کی تاریخ کا سب سے سچا اور انقلابی خطاب تھا "!میری آواز دریا بن کر بہہ نکلی تھی، اور اس نے صدیوں کے جمود کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا تھا۔

کیلے خود کو اکیلے سنبھالنا ۔ جب کوئی رہنما بس نہ ہو نہ کوئی دلاسہ دینے والا نہ یہ کہنے والا کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی ۔ ہمت کرو ۔ ا بہت مشکل ہے ۔ روم روم چیختا ہے انسان کا ۔ لیکن مجھے ایک تسلی تھی ۔ کہ میری وجہ سے میرے والدین پریشان نہیں ہیں ۔ وہ پرسکون ہیں ۔ میرے والدین اطمینان میں ہیں کہ میں ٹھیک ہوں ۔ انہیں ایسے خوش دیکھ کر میں پرسکون ہو جاتی تھی سب بھول جاتی تھی ۔ ہر درد ہر تکلیف ۔ کہ چلو میں نے انہیں مزید کسی مشکل پریشانی اس میں گزارا میں نہیں ڈالا ۔ مجھے لگتا تھا اس ٹائم پہ کہ یہ میری زندگی کا مشکل ترین فیز ہے ۔ جبکہ میری زندگی میں آگے اس سے بھی زیادہ مشکل اور سخت فیز آئے جو اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی مشکل نہیں تھا ۔ یہ تو میری خود سے ایک لڑائی تھی ۔ جو مجھے جیتنی تھی ۔ جس کو میں نے چیلنج کیا تھا ۔ کہ میں اسے خود پر حاوی نہیں ہونے دوں گی ۔ میں پھر لڑائی طریقے سے لڑی ۔ اور اس لڑائی میں سب سے زیادہ میں اللہ تعالیٰ سے جا جڑی ۔ میں نے ہر بات اللہ سے کرنی شروع کی ۔ میں اس کی رضا میں راضی رہنے لگی ۔ میں نے پھر بس اللہ تعالیٰ کو پکارا اور اپنا بہترین دوست بنا یا ۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہی بیسٹ بن دوست مانا ۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی دل کھولتی روتی کہتی ۔ بس اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتی ۔ اسی سے فریاد کرتی ۔

اس سفر میں سنے صرف اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب پایا اور میں اللہ تعالیٰ کو قریب ہوتی گئی ۔ میرا سارا کا سارا یقین اللہ پر ۔ جو مانگتی جتنا مانگتی وہ میری ضرور سنتا اور مجھے عطا کرتا ۔ اور جب میں بار بار کچھ مانگتی جو مجھ وہ نہ ملنا تو میں سمجھ جاتی کہ اس میں میرے خیر نہیں ہے میں اسے چھڑ دیتی ۔ کیونکہ میں جب بھی کچھ مانگتی تھی ۔ تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور عطا کرتے تھے ۔ اور بہت جلد عطا کرتا ۔ اور جو چیز مجھے بار بار مانگنے پر بھی نہ ملتی تو میں فوراً سمجھ جاتی تھی ۔ بس اسی طرح میں اس کی حکمتوں کو سمجھنے لگی ۔ اور سمجھنے کی کوشش کرتی ۔ اس سفر میں مجھ اللہ سے بہت محبت ہوئی ۔ اس سے بڑی میرے لیے کائنات ہو سکتی تھی کہ وہ میری سننے والا ہے ۔ بہت اطمینان اور سکون بخش ہے اللہ تعالیٰ سے جڑنا ۔ اور سے لیتعا للھوتی ہے کسی بندے کے achievement یہ بھی کتنی بڑی لیے کہ وہ اکچھ کہے اور فوراً سے قبول ہو جائے ۔ جب ہم اللہ کے ہو جاتے ہیں نا تو تب اللہ ہمارے ہو جاتے ہیں ۔ محسوس کرنا ہے وہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہونے نہ ہونے کو ۔ منشا ہے سمجھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے جڑنے کا احساس ہر احساس سے الگ ہے ۔ اس سے حسین احساس دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا ایک بندے کے لیے کہ اللہ اس کو منشا ہے سمجھتا ہے ۔ عطا کرتا ہے ۔ بس چھ سال ، ڈیڑھ بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اس درد اور تکلیف سے نجات دلا دی جس میں مجھ لگتا ہے سب سے زیادہ اثر کرنے والے عوامل یہ ہیں ۔ سورت مزمل صبح شام تین تین مرتبہ ۔ سورت گھنٹے اس طرح سے پڑھتی تھی24 یہ کیللومرتبہ صبح شام ، سورت کوثر کا ورد اور حسئ ن ا اللہ ونعم ا8 حمٰنز ہو فیکا لیے کے حسئ ن ا اللہ ونعم الوکیل :اے میرے اللہ میرے ہر درد اور تکلیف کے لیے تو کافی ہو جا ۔ اور اسی طرح اللہ میرے اس درد کر تنیگئی کینسر کوئی بیماری نہیں ہے بس اس سے survive گیا ۔ اور میں لڑنے کے لیے دماغ کو پرسکون رکھنا ضروری ہے ۔ حاوی نہیں کرنا خود پر کے ہائے مجھے یہ ا بڑی بیماری ہو گئی ہے ۔ پتہ نہیں کیا بنے گا ۔ کچھ بھی نہیں ہے یہ ، آپ اللہ کو اپنی بھی اس سے رشتے نہ سنا ہے ۔ اپنے دماغ کو مضبوط کر کے ۔ چلیں پھریں ۔ ورک کریں ۔ تھک گئے ہیں تب بھی چلیں ۔ کیونکہ اگر آپ بیٹھ گئے تو درد آپ کے وجود کو جکڑ لے گا ۔ اپنے وجود کو عادت ڈالنی چاہیے کہ درد جسم میں رہے نا ۔ سمجھنے سے مجہول سوچنے سے بیماری جسم میں رچ بس جاتی ہے ۔ وہ تب خطرناک ہوتی ہے ۔ جب تک آپ اپنے دماغ سے اس سے لڑیں گے بنا کسی کی للھکر جاتیں گے ۔ یہ ا تعالیٰ کی آزمائش survive مدد لیے بنائے آپ ہوتی ہے ۔ جس میں ہمیں صبر اور شکر ادا کرنا چاہئے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قابل سمجھا ۔ وہ اپنے محبوب بندوں کو ہی آزماتا ہے ۔ کبھی بھی اللہ ہمارا سہارا نہیں چھڑے گا ۔ نہ اکیلا ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہماری مدد نہیں کرے گا ۔ کہ ہمارے ارادے سے نا کر کرے گا ۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ہمیں اتنا صبر دے دے کہ ہم اس پہاڑ پر چڑھنے کے قابل ہو جائیں ۔ اور اس پہاڑ کی بلندی تک چڑھ کر اپنا راستہ خود بنا لیں ۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ہمیں آزمائشوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے ۔ تاکہ ہم مضبوط ہو جائیں ۔ ہمارا حوصلہ بلند ہو جائے ۔ ہمارا دل مضبوط ہو جائے ۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے راستے

میں مشکلات ڈال رہا ہے تو یقین رکھیں وہ آپ کو ان سے لڑنے کی قوت بھی دے گا ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے راستے مشکل کر دئے ہیں تو یقین رکھیں وہ آپ کا ساتھ بھی دے گا ۔ کوئی راستہ بھی رکھا ہو گا جو آپ کے لیے بہترین ہو گا ۔ وہ وسیلہ بھی بنائیے گا اور بہترین راستے بھی دکھاتا ہے ۔ جہاں سب یونیورسٹی لائف کو انجوائے کر رہے تھے ۔ شاید میں قسمت سے لڑ رہی تھی ۔ میں نے یونیورسٹی لائف بالکل کی ڈنر پر گئی تھی ۔ annual بھی انجوائے نہیں کی ۔ ایک بار پہلے والے کبھی بعد کے gatheringاور سپورٹ گالا اور ایک دو جو پوری کلاس ہوتی ہے ۔ ایک یا دو جو اٹینڈ کی تھی ۔ اس مجھ یاد نہیں آتا کہ میں نے کے کیمو یا تھی سنبھلتی طبیعت جب تھی تیجا کم attend کبھی کوئی ایونٹ کم کبھی کیا ہو گا ۔نشانات بالکل مدھم پڑ جاتے ۔ تب جاتی تھی ۔ یہ تھی میں پیکرنے کے بعد مجھ میں ہمت ہی survive میری یونیورسٹی لائف ۔ نہیں ہوتی کلاس لینے کی ۔ جسم تھک سا جاتا ہے ۔ وجود کھوکھلا ہو جاتا ہے ۔ کیمو تھرا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 45 :گاؤں میں براہِ راست نشریات اور حاسدوں کا سکوت

چائے کا ہوٹل، رنگین ٹی وی کی اسکرین اور تایا جی کے ہاتھ سے گرتا حقہ

خلاصہ :جب اسلام آباد کی تقریب گاؤں کے چوک کے چائے خانے میں لائیو نشر ہوئی، تو سارا گاؤں مبہوت کھڑا رہ گیا؛ تایا حکیم خان اور شبانہ پھوپھی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور حاسدین پر لرزہ طاری ہو گیا۔

◆ ◆ ◆

جس وقت اسلام آباد کے کنونشن سینٹر میں فانوس جگمگا رہے تھے اور صدرِ پاکستان میرے گلے میں گولڈ میڈل ڈال رہے تھے، اس وقت تین سو میل دور ہمارے آبائی گاؤں کے چوک پر تاریخ کا سب سے بڑا تماشا برپا تھا۔

گاؤں کے مرکزی اڈے پر ملک نواز کے چائے کے ہوٹل پر ایک پرانا رنگین ٹیلی ویژن رکھا تھا، جہاں شام کو زمیندار اور دیہاتی خبریں سننے جمع ہوتے تھے۔

اس شام، پی ٹی وی نیوز کی خصوصی براہِ راست نشریات کے دوران اچانک اسکرین پر جلی سرخی ابھری ' :جنوبی پنجاب کی ہونہار بیٹی رجاء بنتِ سجاد نے صدارتی گولڈ میڈل جیت لیا'۔ ہوٹل پر بیٹھے درجنوں افراد کی چائے کی پیالیاں ان کے ہونٹوں پر ہی رک گئیں۔

اسکرین پر جب صدرِ مملکت کو جھک کر میڈل پہناتے دکھایا گیا، اور پھر سیاہ باوقار چادر اوڑھے کسان سجاد کی بیٹی نے مائیک پر آ کر للکارا، تو پورا بازار سکتہ کے عالم میں آ گیا۔

تایا حکیم خان اس وقت ہوٹل کے تخت پر بیٹھے اپنے پیتل کے حقے سے کش لگا رہے تھے، ان کے ساتھ ارسلان اور حمزہ کے سسرال والے بھی موجود تھے۔

کامیابی کے بعد سب سے خوبصورت لمحہ وہ تھا جب میں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں اطمینان کے وہ آنسو دیکھے جو سالوں کے دکھوں کے بعد پہلی بار بہے تھے۔ اور میرے باپ کا وہ جھکا ہوا سر، جو اب فخر سے بلند ہو چکا تھا، جنہوں نے اگرچہ زبان سے کچھ زیادہ نہیں کہا، لیکن ان کے چہرے کی مسکراہٹ نے سب کچھ کہہ دیا۔

جب ٹی وی پر رجاء کی تصویر آئی اور اینکر نے اس کے تاریخی ریسرچ ورک اور اس کے والد سجاد کی غیر متزلزل قربانیوں کا اعلان کیا، تو تایا حکیم خان کی انگلیاں لرز اٹھیں۔ ان کے ہاتھ سے پیتل کی چلم چھوٹی اور اینٹوں کے فرش پر گر کر جلتے ہوئے کوئلے بکھر گئے۔

پورے اڈے پر موجود نوجوانوں نے نعرے بازی شروع کر دی " :سجاد چاچا کی بیٹی زندہ باد !ہمارے گاؤں کا نام روشن ہو گیا!"

دیکھتے ہی دیکھتے مٹھائی کے تھال منگوائے جانے لگے، اور وہ لوگ جو کل تک سجاد کو دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے، اب بھاگتے ہوئے ہمارے کچے گھر کی طرف دوڑ رہے تھے تاکہ مبارکباد دے سکیں۔ تایا حکیم خان اپنی چادر سمیٹ کر چوروں کی طرح اٹھ کر گلی کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

شبانہ پھوپھی کے گھر میں صفِ ماتم بچھ چکی تھی۔ وہ جس بیٹی کو گلی کے آوارہ لونڈوں کے برابر ثابت کرنے چلی تھیں، آج اسی بیٹی کی تصویر پر پاکستان کی مسلح افواج اور ریاست کے سربراہ سلامی پیش کر رہے تھے۔

باطل کا سر نیچا ہو چکا تھا اور حق کی روشنی نے پورے گاؤں کو منور کر دیا تھا۔

زندگی کا سفر اب رکنے والا نہیں تھا۔ اب میں جان چکی تھی کہ وقار کسی سے مانگا نہیں جاتا، وقار اپنے علم، اپنے کردار، اور اپنی استقامت سے چھینا جاتا ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 46 :ریلوے پلیٹ فارم کا کُہرا اور تنہا کھڑے ابا

شالیمار ایکسپریس، دھند کا سفید کفن اور کچے پلیٹ فارم پر تنہا کھڑے بزرگ باپ

خلاصہ :اسلام آباد سے واپسی پر جب شالیمار ایکسپریس نے ہوم ٹاؤن کے ریلوے پلیٹ فارم پر بریک لگائی، تو دھند کے سفید پردے میں انتظامیہ اور عوام کے ہجوم کے بیچ ابا اینٹوں کے ستون کے پاس تنہا کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔

◆ ◆ ◆

راولپنڈی سے رات کو روانہ ہونے والی شالیمار ایکسپریس نے جب صبح چھ بجے جنوبی پنجاب کے ہمارے ریلوے جنکشن پر وسل دی، تو باہر دودھیا کُہرے نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ٹرین کے ائیر کنڈیشنڈ ڈبے سے جب میں نے نیچے قدم رکھا، تو پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔

ڈپٹی کمشنر، ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر، یونیورسٹی کے وائس چانسلر، پریس کلب کے صحافی اور سینکڑوں دیہاتی پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے اور ڈھول باجے لے کر کھڑے تھے۔

جب مجسٹریٹ نے آگے بڑھ کر گلے میں گلاب کے ہار ڈالے اور پولیس کے چاق و چوبند دستے نے سلیوٹ پیش کیا، تو میری نگاہیں اس پروٹوکول کے ہجوم میں صرف ایک ہی وجود کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ میرے ابا تھے۔

وہ اس پُرہجوم اسٹیج پر آگے نہیں بڑھے تھے۔ وہ پلیٹ فارم کے آخری کنارے پر، اینٹوں کے ایک پرانے ستون کے سائے میں، اپنی پرانی چادر لپیٹے چپ چاپ تنہا کھڑے تھے۔

ما کچھ پھر پہلے جیسی طاقت نہیں رہتی انسان میں ۔ پھر کچھ مجبوریوں کے لیے ہر چیز سے بریک لیا۔ جاب سے یونیورسٹی سے ۔ ریسٹ کیا۔ہ بعد ٹیسٹ کروائے تو پتہ چلا کہا پہلا ٹائٹل پوزیٹو ہے ۔ پھر تین ماہ میں نے ہمئےن ا ٹائٹس کا علاج کروایا۔ گرم ٹھنڈے سیشن استعمال کرنے سے اکثر ہو جاتا ہے ۔ یہ بھی کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ جب تک سکتا ہے لڑنے کی ۔ تب تک لڑو ۔ اور جب ختم ہو جائے سکتا تو خاموشی بہتر ہے تب پیسے extra ۔ جب مجھے ہمئےن ا ٹائٹس ہوا تو میں نے گھر سے منگوائے تھے ۔ تو خوشی سے ملے لیکن بعد میں کہیں نہ کہیں گھر والوں کو میری دوست نے بتایا یا جو بھی ہوا ۔ ان پیسوں کی وجہ سے ۔ مجھ پر میرے گھر والوں نے بہت سے گھٹیا الزامات عائد کئے اور بہت کچھ سنا ۔ میں نے خود سے بے بہاں درد میں بات کہملنےا جائیوں کی امرٹونی والدین بھی اس کو بڑھتے ہیں تو وہ ضرور اس بات کو سمجھیں گے اگر آپ کی بیٹی نے آپ سے رابطہ پر پیسے مانگے ہیں ۔ پیسے بھی تو بیٹیوں کو غلط مت سمجھیں اگر وہ کچھ چھپا رہی ہیں یا لے رہی ہیں تو اس کے پیچھے کی وجہ دیکھا کریں کہ اگر پیسے زیادہ لیے ہیں تو کوئی ہو گا مسئلہ ۔ ضروری نہیں کہ وہ غلط کاموں میں یا عیاشیاں کرنے کے لیے لئے ہیں ۔ ہر بات کے پیچھے اک ٹارگٹ ہے ۔ تب میں واپس نہیں کرنا چاہتی تھی نہ بتاتی تھی اس نئے پیسے ۔ وہ میری غلطی ہے ۔ لیکن میں میں خود کو پریشان تھی اب گھر والوں کو کیا پریشان کرتی ۔ لیکن وہ مجھے نہیں سمجھ ۔ مجھے دکھ نہیں ہے اس بات کا ۔ لیکن والدین کو اعتبار ہونا چاہیے ۔ اگر وہ خود لڑ رہی ہیں تو لڑنے دیں ۔ ہر کہانی کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔ اگر والدین کو کبھی پتہ چل جائے کہ ان کے بچوں نے کتنے درد اپنے اندر سمیٹ رکھے ہیں کتنے دکھ کتنی اذیتیں اور وہ کیسے جی رہے ہیں اگر والدین کو ان سب کا اند ازہ ہو جائے تو ان والدین کے دل غم سے پھٹ جائیں جو ان کے بچوں نے سہہ رکھے ہیں ۔ وہ بے تو آپ کے لیے جی رہے ہیں ۔ اندر سے پتا نہیں وہ کب کے وفات پا چکے ہوتے ہیں ۔ والدین اپنے بچوں کو سمجھا کریں ۔ بہت ضروری ہے والدین کا اپنے بچوں کو سمجھنا ۔ اگر والدین دوست بن کر کبھی اپنے بچوں کے پاس بیٹھیں اور ان کے دل کا حال سنیں تو یقین کریں ہیں والدین کا نہ جگر رہے گا اور نہ دل ۔ والدین کبھی برداشت نہیں کر پائیں گے جو دکھ انہوں نے اپنے اندر سما رکھے ہیں ۔ اور جس طرح وہ جی رہے ہیں ۔ جس طرح وہ زندگی کو گھسیٹ رہے ہیں ۔ والدین کو کیا پتہ ۔ بیٹیوں کے درد بڑے

معصومانہ ہوتے ہیں ۔ وہ اسی کوشش میں جینے رہتی ہیں کہ ہمارے گھر والے ہمارے ساتھ جڑے رہیں ہم سے خوش رہیں ہمیشہ دوسروں کی خوشی پہ کام کرتی ہیں ۔ ایسا کریں گی تو ماں باپ خوش ہوں گے ۔ یہ کریں گی تو رشتہ دار خوش ہو جائیں گے ۔ یہ کام ایسا کریں گی تو بھائی خوش ہو جائیں گے ۔ ہمیشہ دوسروں کی خوشی کا خیال رکھنا ہے دوسروں کا سوچنا پہلے سب سے لے کچھ کرنا ہے ۔ ہر رشتے کے الگ ہو ھناپڑ کا حصے کے تک نہیں پوچھا گیا ۔ میں یہاں والدین کو کہنا چاہوں گی کہ دوسروں کے آئے اس کی کلاس میں نہیں بیٹھنا ہوتا نہ استا ہے ۔ لہٰذا اسے بچوں کو یہ حق دیں کہ وہ فیصلہ کرے کہ انہیں کیا پڑھنا ہے ۔ انہیں اپنے مائنڈ کے مطابق ڈگری چوز کرنے دیا کریں ۔ تاکہ رزلٹ آنے پر وہ بھی مطمئن ہوں اور آپ بھی ۔ جب آپ والدین دے بچے کو اس کے انٹرسٹ کے آکارڈنگ الگ اسے زبر دستی کسی سبجیکٹ میں ڈالیں گے تو وہ کیا خاک نمبرز لائے گا ۔ پھر رزلٹ آنے پر والدین کا ڈنڈا سر پر ہوتا ہے ۔ بچوں کو ان کے انٹرسٹ کے حساب سے پڑھائیں ۔ وہ کچھ بہت کچھ حاصل کرلے گا ۔ چاہے سٹوڈنٹ نارمل بھی ہوں ۔ وہ ان میں بھی بہت کچھ حاصل کر لے گا ۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان سے بہت مختلف پیدا کیا ہے ۔ دماغ الگ ہے ۔ سوچ الگ ہے ۔ پھر دوسروں سے کمن ئےر یزن کیوں کرنا ۔ قرآن مجید میں اس پر احکامات بھی ہیں ۔ اور جو لوگ اپنی بیٹیوں کو کسی دوسرے کی بیٹی سے نواز نہ کریں تو وہ انہیں اللہ کے نزدیک سزا ملے گی ۔ سورہ نور ۔ اور جو لوگ اپنی بیٹیوں کو کسی دوسرے کی بیٹیوں سے موازنہ کریں تو وہ اللہ کے نزدیک فاسق ہیں ۔ سورۃ 12 صل لگآیت نمبر ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایک احیت ، دماغ ، سوچ ، ذہانت سب 11 سے حجررات آیت نمبر الگ الگ رکھا ہے ۔ ہر انسان اپنی صلحیتوں کے مطابق نکھرے گا ۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان مختلف بنایا ہے ۔ پھر والدین کا ایک بچے کا دوسروں کے بچوں کے ساتھ موازنہ کرنا بنتا ہی نہیں ہے ۔ موازنہ بہت خطرناک چیز ہے ۔ جو آپ کے بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرتا ہے ۔ وہ بچہ اپنی صلحیتوں کو کھونے لگتا ہے ۔ ڈرنے لگتا ہے ۔ آگے بڑھنے سے کہ وہ پتہ نہیں یہ کر پائے گا یا نہیں ۔ اس سے ہوگا یا نہیں ، اعتماد کی کمی پیدا ہوتی ہے بچوں میں بے اعتمادی جب کسی بچے میں پیدا ہو جائے تو اس کی صلحیتیں دب جاتی ہیں ۔ کھو دیتا ہے وہ بچہ اپنی صلحیتوں کو ۔ یہ موازنہ بعض اوقات بچوں کو موت کی کاگار پر لے جاتا ہے ۔ میں اپنی بات کرتی ہوں یہاں کہ مجھ میں ہر کرنے کا ، ڈاکٹر بننے کا کہ ڈاکٹر بن جائی ۔ ان ج ن نکر CSL قسم کے میں ، بنیں سکتی ہے ۔ اس بات پر روز میری عدالتی پیشی سے AC، Dc کھڑے اس بات پر ۔ ڈی سی سب کو پروٹوکول نظر آتا ہے ۔ آگے پیچھے گاڑیاں نظر آتی ہیں ۔ لوگوں کے سورت بھائی کی سوچ ہے حالانکہ میں نکمی ہوں مجھے آج تک یہی بتایا گیا ۔ وہ ذہن فین ہے ہمارے مجھ سے یہ ڈنڈا ccs خاندان کا وہ2 میر ہیں تے نظر آے بنیں ، بتاؤ ٹھیک کرو ۔ میں نہیں کر سکتی ۔ ایک چیز میرے لئے بنی نہیں ہے میں ccs اسے کیوں مجھ جو لوگ اتنے بچوں کی پریشر ڈالتے ہیں وہ ایک بار گیندکے csc گنتا ہے ccs کی سمجھ نظر ڈالیں ۔ ساری میں جان نکال کر

اسے باتوں سے نہیں ہوتا تھا ۔ ذہنی سکون جاتا ۔ مجھ اس ، میڈیا کروس پہلے اپنے کے بعد اس انسان کی اپنی کوئی ز

ان کے بال دھند کی نمی سے تر تھے، ان کا قد جھکا ہوا تھا، اور ان کے سوکھے، بوڑھے گالوں پر آنسوؤں کی دو مسلسل ندیاں بہہ رہی تھیں۔

ان کی نگاہیں بار بار میرے گلے میں جھولتے ہوئے سبز ربن والے گولڈ میڈل اور میری پیشانی پر جم جاتی تھیں، مگر ان کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سرکاری افسروں کے پروٹوکول کو چیر کر آگے بڑھ سکیں۔

وہ شاید اب بھی اس شرمندگی کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے جس نے انہیں سالہا سال سے میری طرف سے آنکھیں چرانے پر مجبور کیا تھا۔

میں نے افسران کے گلدستے آہستہ سے ایک اہلکار کو تھمائے، اپنے استقبالی ہجوم کو ایک طرف ہٹایا، اور اس کچے پلیٹ فارم کی نم زمین پر اپنے ابا کے ستون کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے قدموں کی چاپ سن کر ابا نے چونک کر سر اٹھایا، اور ان کے لب کانپنے لگے :

"!رجاء ...میری دھی"

سکتے چلا نہیں ضمیر پنینہیں رہتی ۔ نہ کوئی پرسنل لائف ۔ نہ آپ اپنی مرضی سے کہیں آ جا سکتے ہیں نہ کسی سے ملان کر سکتے ہیں آپ اجنہوں نے اتنا پروٹوکول دیا ہے انہوں نے کام کسی حد تک لینا ہے کبھی یہ ٹیکو سے ضمیر پنیکر کے اپنی اصلی ملاؤ ccs سوچنا ۔ لوگ رگڑ لئے ہیں دی کے آپ کی مرضی ختم ہو جاتی ہے ۔ آپ ا فیصلہ نہیں کر سکتے ۔ جو مجھے سے حکم آئے گا وہی کرنا ہو گا ۔ چاہے سچ یا غلط کرنا وہی ہے جو پچھلی کار ہوئے گی اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری ۔ جابز ہیں ۔ بس اس میں جو یوں نہیں جاتے سوچ پر ٹوٹول ہے ۔ جو لوگ اس چیز کو یا کسی دوسرے کو پریشر ائز کرتے ہیں ۔ وہ خود کریں ۔ آپ کو یہ چیزیں اتنی پسند ہیں تو خود لے لو دوسروں کے سر پر تلوار کیوں لٹکانی ۔ میرے بھائی نے مجھے کہا کہ ہم نے تمہیں پڑھایا ہے تم پر پیسہ لگایا ہے تم پر کو پروٹوکول ہو ۔ تمہاری گاڑی چار روز گارڈ گھومیں ccs خرچ کیا ہے تم ۔ تو میں دل میں ہنس دی ۔ بس سوچ پر کہ لوگوں کے لئے کچھ نہیں کرنا مفاد دیکھنا ہے اوروں کو خوش کرنا ہے ۔ اس لئے کرنا ہے تو پھر میں ، نا اگر اتنا پڑھ لکھ کر میں یہ سوچ رکھتی ہوں کہ میرا دروازہ گارڈ کھولیں تو میں سے صرف نقطہ نظر میں جاہل دیکھ نہیں کیا ۔ ان کتابوں سے ۔ میں سمجھتی ہوں اس مقام تک پہنچ کر اگر میری سوچ یہ بنتی ہے کہ میں اپنی گاڑی کا دروازہ نہیں کھول سکتی تو مطلب میں انسانیت کے دائرے سے نکل گئی ۔ یہ غرور ہے تکبر ہے حقارت کہ انسان کو انسان نہ سمجھنا کسی کی عزت نفس کو روندنا کہ وہ یہ بتانا کہ میں کوئی بہت بڑی چیز بن گئی ہوں ۔ میں سے کیا ہو گا لوگ میری عزت کریں گے میری واہ واہ ہو گی میرے خاندان کا نام روشن ہو گا ۔ لوگوں کو خوش کرنے کیا کرو تو یہ میری خود کے ساتھ اور achive کے لئے میں یہ چیزیں عوام کے ساتھ نا انصافی ہے میری ۔ کرنا ہے ایسا پروٹوکول کو لیکر جو مجھے انسانیت کے درجے سے گراد جب کوئی غریب مڈل کلاس کا کوئی قنطا کرنا ہے جو نا نا حقدار دویت ، پیسہ ، مل یہ achive بھی اس کو چیزیں نئ نئ ملتی ہیں تو انسان اس کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتا کم ہی

لوگ صحیح معنوں میں اس کا استعمال کرتے ہیں پھر ان لوگوں کو زمین پر چلنے والے انسان کیڑے مکوڑے لگتے ہیں ۔ جسے مرضی روندتے جائیں ۔ انسان کی آنکھوں کے آگے پٹی آجاتی ہے ۔ صحیح غلط کچھ نظر نہیں آتا ۔ اقتدار بہت خطرناک چیز ہے ۔ اسے صحیح طریقے سے سنبھالنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے ۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے ۔ جو کوئی بھی منصفانہ طریقے سے پوری نہیں کر لاکھ کا کرنا15 سکتا میناور جو کرے گا وہ مارا جائے گا ۔ پاکستان میں تو یہ بالکل نہ ممکن ہے لاکھو کا میں سے بس ایک مجھے ہے ۔ کوئی ونڈرا کئی غریب کی ز کے کاغذات ہے آیا ہے جو مجھے ہر حال میں سائن کرنے ہیں کسی بھی طرح یہ ہڑپ کرواتی ہے ۔

کر نہیں تو پشنکر یہ کہیں کہ والے کی کروڑ کی گاڑی میں بیٹھ protocol کے میں ایک ، ہیکر والی اور ریز والی والے کو چیک کرنے پہنچی ڈوڑی ہوں رہے کہیں یہ سوٹ مار تو نہیں کر رہے ۔ اصل کرپشن کون ہوا میں یا وہ ۔ اصل کرپشن میں ہوں جس کے پاس کروڑ کی گاڑی ہے ۔ غریب ہیں اندھا دھند کرپشن کرنے کا حق سرکاری افسران کو ہی نہیں ہے ۔ گورنمنٹ کر سکتی ہے سرکاری اہلکار افسران کر سکتے ہیں آرمی کر سکتی ہے ۔ جہاں اتنی کرپشن برداشت کرتے ہیں ہم وہاں ایک سو ، دو دو سو کی100 سو کی کرپشن کوئی مزدور کر لے تو اتنی تاریخ پڑتال کیوں ۔ اربوں کی کرپشن پر پردہ ڈھک سکتی ہے تو کیوں تکلیف ہو جاتی ہے ۔ غریب نے بھی تو کسی طرح پیٹ پالنا ہے نہ ۔ میں نے کئی ماہ پہلے ہسپتال میں کچھ دن گزارا دیکھا وہاں زیادہ تر عملہ ڈاکٹرز کا چھٹی پر اور کو بندے اپنی جگہ ڈیوٹی پر رکھتے unexperianed ٹرائینز اپنی جگہ کسی غائب ہوتے ہیں ۔ کسی دیکھ بھال کوئی مریضوں کی ۔ زیادہ تر عملہ وہاں پہو بچا پیسے دے دھو والے ہوتا ۔ میں مجھ انٹرن کچھ ہاؤس جوبین جو مریضوں کی دیکھ بھال کر رہے ہوتے ہیں جو مریض بچنا بھی ہو گا وہ بھی ۔ پس بچے گا وہاں ۔ کسی نے غلط رن سے کوئی فرق نہیں پڑتا کسی کو وہاں ۔ کسی نے غلط انجکشن لگا دیا کسی نے غلط ڈرپ لگادی کسی نے غلط میڈیسن دے دی کسی نے کچھ کر دیا مریض بیچارا اللہ کو پیارا ہو گیا ۔ غریبوں کو یاد یتیم کیا ہوا بلڈ ان کے ساتھ ۔ انہیں تو کچھ سمجھ نہیں ہوتی وہ نہ پڑھے لکھے ہوتے ہیں نہ ان بچاروں کو غلط دوائیوں کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ سب دیکھ کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ جب میں نے قتل کو کیا ۔ انسان کی observe ہسپتال جائے ان چیزوں کو خود سے جان کی رتی جتنی قیمت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے کسی انسان کو قتل کیا اُس نے گویا تمام انسانوں کیا ۔ اتنے سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں قرآن پاک میں ۔ لیکن انسان بہت بے حس ہے۔ نہ جانے ڈاکٹرز کی لا پرواہی سے کتنے انسان اپنی جان گوا بیٹھتے ہیں ۔ اور ان کو احساس تک نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا سوال ہے۔ کالا کوٹ کا بھی سفید کوٹ کا بھی اور سفید کندھوں پر لگے سٹارز کا بھی ان سب کو لے ، کر اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے ان کی ذمہ داریوں کا سوال کرنا ہے ۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ انسان جس بھی شعبہ میں قدم رکھے ۔ وہاں منصفانہ طرح سے کام کرے ۔ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح معنوں میں انجام دے ۔ لیکن آج کل کے معاشرے میں یہ بہت مشکل ہے ۔ اور اس

کے علاوہ بھی ان کے کچھ اور بھی بہت سارے حقائق ہیں جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتے ۔ ہم نے ہر چیز کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور کے نے پا غلبہ پر لوگ کیوں بننا AC اصل مقصد بھول جاتے ہیں ۔ چاہتے ہیں لوگوں

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 47 :ابا کی سفید پگڑی، بھیگے گال اور معافی

پگڑی کا اترنا، سر پر سجنا اور باپ کا بیٹی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رونا

خلاصہ :تاریخ کا سب سے پر تاثیر اور لرزہ خیز لمحہ :مجمع عام کے سامنے ابا نے اپنے سر سے روایتی سفید پگڑی اتاری اور رجاء کے سر پر رکھ دی، اور روتے ہوئے اپنی بیٹی سے برسوں کے شکوک کی معافی مانگی۔

◆ ◆ ◆

میں نے جا کر ابا کے گھٹنوں کو چھو لیا۔ ان کے کھردہرے، مٹی میں لتھڑے ہاتھ جب میرے بالوں پر پڑے تو وہ ایک لمحے میں بے قابو ہو گئے اور پھوٹ پھوٹ کر چھوٹے بچوں کی طرح رونے لگے۔ پورے پلیٹ فارم پر موجود افسران، صحافی اور دیہاتی سانس روکے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک ابا نے وہ کام کیا جس نے وہاں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں خون اور آنسو بھر دیے۔

انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کی وہ سفید، روایتی پگڑی اتاری : وہ پگڑی جس کی عزت کی قسمیں وہ چالیس سال سے کھاتے آئے تھے، جس کی حفاظت کے خوف نے انہیں اپنی بیٹی کو قید کرنے پر مجبور کیا تھا، اور جسے ان کے تایا اور برادری کے چوہدری نسل در نسل اپنی جاگیرداری کا تاج مانتے تھے!

انہوں نے وہ بھاری سفید پگڑی دونوں ہاتھوں سے اٹھائی اور انتہائی عقیدت اور احترام کے ساتھ میرے سر پر، میری سیاہ چادر کے اوپر رکھ دی!

یہ سفر صرف میرا نہیں تھا۔ یہ میرے باپ کی اس سخت جدوجہد کا سفر تھا جو انہوں نے شدید حالات میں اپنے بچوں کو عزت کی روٹی کھلانے کے لیے کی، اور میری ماں کی اس خاموش ممتا کا نتیجہ تھا جس نے ہر طوفان کے آگے دعا کی ڈھال کھڑی کر رکھی تھی۔ اب جب میں مڑ کر دیکھتی ہوں، تو مجھے اپنے دکھوں پر ملال نہیں ہوتا، کیونکہ انہی دکھوں نے مجھے رجاء بنایا :وہ رجاء جو امید کا استعارہ ہے، جو بھروسے کا نام ہے، اور جس کی ڈوری اپنے رب کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

کرو گی کتنی بار ، سو بار ناکام ہو جاؤں گی۔ لیکن ہو جاؤں گی کامیاب۔ آخر قسمت کب تک گھٹنے نہیں ٹیکے گی۔ باپ10, 20 ہو تلقا ناکامیاں آجائیں گی قاتل باپ بھی بیٹی کے لیے سخت ہو سکتا ہے۔ لیکن بیٹی کا دل کبھی باپ کے لیے سخت نہیں ہو سکتا۔ میں جس میں جتنا جتنا تو میں اپنے باپ کو راجہ بنا کے رکھتی ہیں بس مجھے تو میں ان کو زمین سے نہیں ٹکانے رکھنے دو۔ اس پے کامیاب ہونے کا جنون ہے مجھے۔ لیکن میں ہی

ماب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ مجھے ہر چیز کامیابی وقت سے پہلے چاہئے۔ مقررہ وقت سے پہلے تو آپ کو کچھ نہیں ملتا۔ چاہئے آپ پاگل پن کی حد تک کوشش کریں یا جنون کی حد تک ایڑیاں رگڑیں جن کی کا زور لگا دیں وقت سے پہلے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ جو آپ کا وقت مقرر ہے۔ مقررہ وقت پر ہی آپ کو وہ چیز ملے گی مقررہ کردہ وقت پر ہی کامیابی ملے گی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کوشش کرنا چھڑ دیں کوشش کریں اور بھرپور کریں تاکہ آپ کا وقت مقرر ہو سکے کامیابی کا خوبیاں اور خامیاں پرفیکٹ ں دنیا میں کوئی بھی انسا ن پرفیکٹ نہیں ہے۔ ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کمی ضرور رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا ایک منفرد مزاج رکھا ہے۔ جیسے پھول مختلف قسم کے ہوتے ہیں اسی طرح انسان بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہر کسی کے سوچنے کا سمجھنے کا فہم رکھنا چلنا پھرنا بات کرنے رہنے کا طریقہ الگ الگ ہوتا ہے۔ انسان کو بس پرفیکٹ چیزیں نہیں ڈھونڈنی چاہئے۔ پرفیکٹ چیزوں کے ساتھ پرفیکٹ انسانوں کے ساتھ لوگوں کے ساتھ سبھی خوش رہتے ہیں۔ لیکن یہ وصل نہیں ہے۔ مزہ تو تب ہے جب کوئی آپ کی خوبیوں سے زیادہ آپ کی خامیوں کو اپنائے۔ جو لوگ ہر پرفیکٹ چیزیں ڈھونڈتے ہیں پرفیکٹ انسان ڈھونڈتے ہیں کہ اس میں یہ عادت بھی نہ ہو .اس میں یہ کمی نہ ہو .وہ بس ڈھونڈتے ہی رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ملتا سب سے کمتر ہی ہے۔ جنہیں بس پرفیکٹ انسان چاہئے ہوتا ہے۔ دراصل وہ بزدل ہوتا ہے۔ وہ ظرف والا نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ صرف اپنی خوشی اپنا کمفرٹ زون دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی خوش نہیں رہتے کیونکہ اگر اس انسان سے ذرا سی غلطی ہو جائے یا ذرا سی اونچ نیچ ہو جائے تو ایسے لوگ پھر سے پرفیکٹ انسان کو ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ کہ اس سے بہتر مزید بہتر مزید زیادہ اچھا۔ ایسے لوگ ہمیشہ بس یو ں کھو دیتے ہیں۔ اور پھر ساری زندگی کشتی کی سواری میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگیوں سے سکون چلا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا رشتہ سکون اختیار نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اپنے رشتوں کو ٹ ٹائم دیتے ہیں۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ پرفیکٹ چیزیں آپ کو کبھی خوشی اور سکون نہیں دیتیں نہ انسان۔

مجمع میں ایک اجتماعی چیخ اور ہچکی گونج اٹھی۔ مشرقی معاشرے کی تاریخ میں کسی باپ کا اپنی بیٹی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دینا ایک ایسا معجزہ تھا جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی تھی۔

ابا میرے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے دونوں کانپتے ہاتھ میرے سامنے جوڑ دیے " :رجاء !مجھے معاف کر دے، میری بچی "!ان کی رندھی ہوئی آواز پورے جنکشن پر گونج رہی تھی " :میں اندھا تھا، میں کان کا کچا تھا !میں نے حکیم خان اور شبانہ کی زہریلی باتوں پر تجھ جیسی پاک دامن اور باوقار بیٹی پر شک کیا۔ میں تجھے کانچ کا برتن سمجھتا رہا، اور تو میرے خاندان کی ایسی مضبوط چٹان نکلی جس نے میری نسلوں کے گناہوں کو دھو ڈالا۔

آج کے بعد اس سجاد کا کوئی اور فخر نہیں ہے، میرا فخر صرف تو ہے رجاء !تو نے میری پگڑی کو مٹی میں نہیں ملنے دیا، تو نے اس پگڑی کو "!آسمان کا تاج بنا دیا ہے

میں بھی ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئی، میں نے ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو چوما اور اپنے بھیگے گال ان کے سینے سے لگا دیے۔

برسوں کی جلی ہوئی روح پر باپ کے آنسوؤں نے جنت کی ٹھنڈک ڈال دی تھی۔ میری جنگ ختم ہو چکی تھی؛ دنیا کا سب سے بڑا اعزاز مجھے مل چکا تھا۔

کیونکہ ایسے لوگوں کو ہر چیز میں نقطہ چینی کرنی ہوتی ہے۔ معمولی باتوں پر اگر یہ ہو نا .غصہ کرنا ان کی عادت ہوتی ہے ایسے لوگوں کی ہر چیز میں نقص نکالنے کی عادت ہوتی ہے۔ سوچیں جو انسان آپ کے ساتھ ہو کر رہ کر وہ آپ میں نقص نکالے تو زندگی کیسی ہو گی۔ تم یہ تم وہ تم ایسی تم ویسی .تم نے یہ غلط کیا تم نے یہ ٹھیک نہیں کیا .اس کو ایسے اس ویسے کرنا تھا۔ ایسی پرفیکٹ ں کا کیا فائدہ جو آپ کو ذہنی سکون نہ دے۔ جو آپ کو اندر سے خوش نہ کرے۔ آپ ہر ٹائم سٹریس میں رہیں پرفیکٹ انسان ڈھونڈنے کے چکر میں ہم پرفیکٹ اور بہترین انسان اپنی زندگی میں کھو دیتے ہیں گنوا چکے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو ایک با ر ہی پرفیکٹ انسان سے ملواتے ہیں۔ لیکن تب ہمیں لگتا ہے کہ ے deserve اس سے میرے لیے اتنا کیا ہے تو میں اس سے بھی بہتر کرتا ہوں۔ تو وہ اسے چھڑ کر پھر اس سے بہتر کی تلاش میں جو ب کلی ہیں۔ وہ ساری زندگی بھٹکتے ہیں۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی لوگ حاصل ہوتی چیزوں کو بے کار کیوں سمجھتے ہیں۔ ہر دن کو چھڑ کے اس سے بہترین کی تلاش میں کیوں نکل جاتے ہیں۔ لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ روح زمین پر انسان ہیں جو خطا کار ہیں۔ جو غلطی کے پتلے ہیں۔ لوگ کیوں نہیں سمجھتے روح زمین پر فرشتے نہیں بسا کرتے۔ اگر انسان غلطی نہیں کرے گا تو وہ شعور کیسے پائے گا اس میں سمجھ بوجھ کیسے پیدا ہو گی۔ وہ اللہ سے رجوع کیسے کرے گا۔ یہ خامیاں ہی تو ہیں جو انسان کو اللہ کے قریب لے جاتی ہیں۔ جو لوگ خود کو پرفیکٹ ں میں لے آتے ہیں میں نے انہیں رشتوں کے سامنے جھکتے نہیں دیکھا ان کے دلوں میں میں نے صرف تکبر دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا۔ اور نہ ہی وہ رکھتے ہیں۔ میں نے لوگوں کو سامنے سے کہتے سنا ہے کہ میرا کوئی کیا بگاڑے گا۔ میرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس پیسہ ہے میرا کوئی کیا بگاڑے گا۔ میں کمزور نہیں ہوں۔ ایسے لوگ ہمیں کیا دیں گے جن کے دلوں پر اللہ نے تکبر کی مہر لگادی ہو۔ ایسا انسان آپ کو کچھ نہیں دے سکتا سوائے اذیت کے۔ سوچیں کتنا بے باک ہو گئے وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر نہیں ہوتا۔ وہ عورت کے معاملے میں کیا ڈریں گے۔ جو اللہ کا ڈر نہیں رکھتے۔

ہیں میں سمجھتی ہوں کہ اس دنیا کی ہر چیز خاک ہے۔ پیسہ، اقتدار، رتبہ، جان، مال محل ہر چیز خاک ہے۔ اللہ ہی باقی رہے گا ہم خو خاک۔ فنا ہیں۔ جن دلوں میں تکبر ہو ان دلوں میں رشتہ نہیں بستا۔ ان کے دلوں میں شک اور کفر ہوتا ہے۔ اور وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسے مردہ دل آپ کے دل کو کیا آباد کریں گے۔ ایسے انسان سے جڑیں گی تو وہ تمہاری روح کو بھی مردہ کر دے گا۔ قرآن مجید میں اللہ فرماتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کے کانوں میں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دلوں7 سیسہ پگھلا دیا ہے اور ان کی

آنکھوں میں پردہ ڈال دیا ہے۔ سورۃ البقرہ :آیت نمبر میں اللہ نہیں بستا ان کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔ اور ایسے لوگ حق کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور جو انسان حق کو نا دیکھ سکے۔ وہ آپ کے حق میں سیدھے ثابت ہو سکتا ہے۔ عورت کے لیے بہت ضروری ہے کہ جب وہ کسی مرد سے جڑے تو وہ پہلے اسے دیکھے کہ اس کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔ اس کے دل میں اللہ کا خوف کتنا ہے۔ وہ عادل ہے یا نہیں۔ وہ عادل کتنا ہے۔ عورت کے لیے یہ دیکھنا بہت ضروری ہے۔ اور سمجھنا بھی۔ کہ کیا وہ جن کانوں سے سن رہا ہے وہ اس کے اپنے ہیں یا کسی اور کے۔ اس کا دماغ اس کے کنٹرول میں ہے۔ یا کسی اور کے۔ کیونکہ ایسے مرد آپ کو آخری کی دوزخ سے پہلے دوزخ دکھا دیتیں گے۔ جو دوسروں کے کانوں سے سنتے ہوں اور دوسروں کے عقل سے چلتے ہوں۔ جن کے پاس اپنا فہم و شعور نا ہو۔ جن کے دل اور دماغ اپنے فہم و شعور سے سوچنے سمجھنے سے قاصر ہو۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنا یا سوچنا ایسے ہے جیسے صحیح جسے پوائزن کو اپنے اندر گھولنا ہے۔ جو مرد Slow آپ نے سلو خود کے لیے نہیں لڑ سکتا۔ وہ آپ کے لیے کیا بولے گا۔ آپ کے حق میں کیسے بولے گا۔اور غلط کی پہچان نہیں ہے۔ وہ کیسے آپ کے ساتھ انصاف کرے گا۔ کبھی نہیں کرے گا۔ کبھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ لڑکیوں کو ہمیشہ اپنے لیے ایسے انسان کا انتخاب کرنا چاہیے جو دوسرے لوگوں کے سامنے ان کی عزت کرے۔ جسے دوسروں کے سامنے آپ کے سامنے جھکنے میں شرم محسوس نہ ہو۔ جو دوسرے لوگوں کے سامنے بھی بتا سکے کہ آپ اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کی زندگی میں آپ کے پاس کس طرح مقام ہے۔ جو دوسروں کے سامنے آپ کو یہ اظہار کرنے میں چھٹا محسوس نہ کرے۔ انا والا مرد نہ ہو عورت کی زندگی میں۔

کو ہے کہ میں کوئی چیز ہوں۔ میں کیوں اس کے سامنے جھکوں۔ میں کیوں سب کے سامنے بیٹھو کہ اسے اسپیشل فیل کرواؤ۔ میرا اپنا کوئی مقامئ عزت ہے۔ سب کیا سوچیں گے۔ میرے دوست کیا کہیں گے۔ کہ میں نے اس کا بائیک رکھا لیا۔ میں نے اس کے لیے یہ کر دیا۔ نہیں نہیں۔ ایسے مرد محبت نہیں کرتے۔ محبت جھکنے کا نام ہے۔ محبت میں انائیں نہیں ہوتی۔ اور جہاں انائیں ہوں۔ جو خود کو بڑا سمجھے اسے محبت کے معنی نہیں پتہ۔ وہ کیا آپ کو محبت و عزت دے گا۔ خالی مرد کسی عورت کو کیا محبت و عزت دیں گے۔ اصل میں جو ہم سڑکیاں پرفیکٹ مرد ڈھونڈتی ہیں۔ وہ دراصل ایسے ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر خاندانی مرد ایسے ہوتے ہیں۔ چاہیئے کہ کس کے، اس بندے کو ایک زور دار تھپڑ رسید کرے۔ اور تھوڑا ذلیل کرے پھر دیکھے کہ وہ کتنا خاندانی ہے۔ سارا کچھ نکل آئے گا۔ کہ وہ کتنا خاندانی ہے۔ لڑکوں یاد رکھنا خاندانی مرد شور نہیں کرتے۔ شور تو کھوکھلے برتن مچاتے خاندانی۔ خاندانی لوگ کبھی شور نہیں کرتے ڈھنڈورا نہیں پیٹت بار بار خاندانی ہونے کا نسلی ہونے کا۔ لڑکیوں کو میری نظر میں کبھی ایسے مرد پر یقین نہیں کرنا چاہئے جو ایسی باتیں کریں اور عمل سے ثابت نہ کریں۔ جو عمل سے ثابت کرے وہی اعتبار کے قابل ہیں۔ ہماری سوسائٹی کے زیادہ تر مردوں نے خاندانی نسلی ہونے کا نقاب پہن رکھا ہے۔ باتوں کا۔ جو مرد

عمل سے ثابت کرے وہی آپ کے قابل ہے۔ باتوں سے تو ہر انسان پارسا ہے۔ میرے نزدیک یہ جو آج کل کے مرد نسلی، خاندانی فیملی پ نے گلز اونڈ کا ڈر اور سید ہونے کا ڈھنڈورا پیٹت ہیں نا وہی سب سے نیچ اور گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عورت نیچ ذات ہے۔ عورت یہ ہے۔ عورت خراب ہے۔ عورت جیسی بھی ہے۔ اس نے سید لڑکی کو بدنام نہیں کیا۔ آج کل کے مرد اتنے بے باک ہیں کہ کسی کو اعتبار میں پنڈ کے بے خود کو سید بتاتے ہیں۔ میں سید ہوں، سید گھرانے سے تعلق ہے میرا میری ذات سے آپ کو تکلیف نہیں پہنچے گی مرد کی وہ سیدی کہا جاتی ہے۔ یہاں کیا اس کا سید ہونا۔ جو عورت کو تہجدوں میں رونے کے لیے چھڑ گیا۔ شاید مرد کو اندازہ نہیں ہے کہ سید ہونا کیا ہوتا ہے۔ سیدوں کا مقام کیا ہے۔ سیدوں کا رتبہ کیا ہے۔ سید ان ہیں کون۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 48 :ماں کے قدموں کی مٹی اور سجدہ شکر

کچے دالان میں سجدہ، گلے سے اترا سونے کا تمغہ اور ماں کے پھٹے پیروں کی مٹی

خلاصہ :گھر پہنچ کر رجاء نے صدارتی گولڈ میڈل ماں کے قدموں میں نچھاور کر دیا، دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے سے لپٹ کر رو پڑیں اور دالان کی مٹی پر زندگی کا طویل ترین سجدۂ شکر ادا کیا۔

◆ ◆ ◆

اسٹیشن سے ہمارے آبائی گھر تک کا سفر کسی فاتح جرنیل کے جلوس جیسا تھا۔

گاؤں کے نوجوانوں نے ہماری کھلی جیپ کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈالے جا رہے تھے اور گلیوں کے چھتوں پر کھڑی عورتیں گلاب کی پتیاں برسا رہی تھیں۔

جب گاڑی ہمارے کچے گھر کی دہلیز پر رکی، تو میں نے کسی کا ہاتھ نہیں تھاما۔ میں تیزی سے دروازے کو دھکیل کر سیدھی اندر دالان میں داخل ہو گئی۔ دالان کے وسط میں، نیم کے درخت کے تلے، امی کھڑی میرا انتظار کر رہی تھیں۔

ان کے ہاتھوں میں وہی نانی کا پرانا قلمی قرآن تھا، اور ان کا بوڑھا، جھریوں زدہ چہرہ آنسوؤں کے سمندر میں نہایا ہوا تھا۔

میں نے بنا کسی توقف کے سیدھا جا کر ماں کے قدموں میں اپنا ماتھا ٹیک دیا۔ میں نے ان کے پھٹے ہوئے، کھردہرے پیروں کی خاک کو اپنے ہونٹوں سے چھوا۔

ہے کیا لئے غریبوں کے دلوں میں اپنا خوف پیدا کرنے کے لیے اپنا دکھاوا بٹھانے کے لئے ۔ واہ واہ اور سب کچھ لیکن اس کی ذمہ داریاں۔ یہ وردی آپ سے کہتی کیا ہے چاہتی کیا ہے ۔ وہ نہیں معلوم ۔ ڈاکٹر بننا ہے تو سوچ صرف پیسہ کمانے تک ہے کہ ڈاکٹر بن کے پیسہ کمانا ہے۔ سفید کوٹ کی ذمہ داری کیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا ۔ میں جانتی ہوں کہ پیسہ کمانا آج کے دور میں بہت ضروری ہے ۔ بہت ضروری ہے ۔ پیسے

کے بغیر آپ میں کچھ نہیں ہیں ۔ ہر جگہ اب پیسہ چلتا ہے۔ پیسہ ضروری ہے میں مانتی ہوں لیکن اتنا کہ آپ پر سکون زندگی بسر کرنے کے لیے جو ضروریات ہیں وہ پوری ہوں ۔ آپ کے پاس ایک اچھا گھر ہے۔ جس میں ہر سہولت میسر ہے ۔ ایک اچھی گاڑی ہے اور زندگی کی چھٹی چھٹی خوشیات اور ضروریات پوری ہو رہی ہیں آسانی کے ساتھ تو کافی ہے اتنا پیسہ ۔ دوسروں کی حق تلفی کر کے لوٹ مار کر کے اکٹھا کرنا اور مزید حرس کرنے جانا کہ یہ بھی آجائے یہ بھی بنا لو یہ بھی لے لو کیا کریں گے اتنا کچھ اکٹھا کر کے قبر میں اترتے ہی نام نشان تک نہیں رہے گا۔ کہ وہ شخص دنیا میں آیا بھی تھا یا نہیں ۔ اور نہ ہی اس کے اپنے سگے بہن بھائی دوست یا کوئی نام لے گا ۔ مرنے کے بعد ہمارے ساتھ اتنی دعا ملے تو ہوں کہ ہمارا کفن کو ملے ہوئے میں عر ملتے ہے ۔ دنیا بہت عارضی ہے اس دنیا میں کسی کا کچھ نہیں ہے ۔ سب خالی ہاتھ ہیں خالی بنا غلط ہے میں AC ہاتھ ہے میں یہ نہیں کہتی کہ ڈاکٹر ، انجینئر وکیل کوئی فتویٰ نہیں دے رہی چاہے ہر شعبے میں لوگوں کو ہونا چاہ نکی ے لیکن ان لوگوں میں جو یہ مائنڈ رکھ کے پڑھتے ہیں ۔ جو ان میں دلچسپی رکھتے ہیں ۔ جنہوں نے دور سے یہ سوچا رکھا ہو کہ میں نے یہ بننا ہے۔ ان کو بننا چاہئے۔ لیکن زبردستی کچھ نہ کچھ لوگوں بچوں پر نہ ڈالیں اور نہ ان کو طعنہ دیں کہ فلاں یہ بن گیا ہے تو تم بھی وہی بنو یہ غلط ہے ۔ ہر بچے نے اپنی زندگی کو اسے اس گول سیٹ کے لئے ہوتے ہیں ۔ جن پر وہ زیادہ دل سے اور خوشی سے دلچسپی سے ان پر کام کریں گے ، اگر اس کا بچہ ان میں سے کچھ نہیں بنا تو یقین رکھیں وہ ان سے بھی زیادہ اچھا اور ان سے زیادہ بہتر کچھ کرے گا ۔ اپنے بچوں کا ساتھ دیں انکو سکتا جا کیا شنبن کر نام روشن کیا Ac سمجھیں ضروری نہیں کہ ایک ڈاکٹر جائے ۔ یتیموں غریبوں کے سہارا لوگوں پر کام کر کے بھی نام رو ہے۔ سوچیں جو اس کی مخلوق اور اس کے بندوں کے لیے خود کو دے گا۔ کیا اللہ دنیا میں اس کا نام روشن نہیں کرے گا ۔ کیا اللہ تعالیٰ اسے انعام نہیں دے گا ۔ جو انسان اللہ کے بندوں اور اس کی مخلوق کے لئے خود کو سرو کرے گا ۔ اللہ دنیا میں بھی اسے عزت دے گا۔ اور آخرت میں بھی ۔ کیا خوب ہو کہ وہ انسان اپنی دنیا اور

میں ئیں جا کر قمآخرت دونوں آسان کر لے ۔ کیا خوب ہو کہ ان سے بہتر بھی وہ پچھلے لوگوں کے دلوں میں زندہ رہیں اور اپنی ایک تاریخ ر میں عمر کی سال17 نے AC نے اپنی زندگی میں کبھی بھی ڈاکٹر انجینئر میں کیا تھا کہ میں یہ decideمیں چاسو نہیں کا بننے بھی کچھ یساوکیل ا میں کام کروں گی ۔ Ngos 6 Organizationsنہیں بنوں گی ۔ کے پر کام کروں گی ۔ اور اپنی محنت سے ایک child 5 womensاور یتیم خانہ اور ایک اولڈ ایج ہوم بناؤں گی ۔ میں اندھی سوچ کے اس اردگرد گھومتی تھی اپنی چیزوں کے ۔ اصل میں میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ لے ۔ لیکن اپنوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے جو نہیں ملا ۔ ان کی سوچ لاکھ والی کیوں نہ Business تواری سے اردگرد گھومتی ہے ۔ اور میری چھٹا سا بھی ہو تو Businessہو ۔2 ہے چاہے تیہو ہی یلکے ۔ نوکری تو ا Business اپنا ہوتا ہے سر پر کوئی ڈنڈا نہیں ہوتا ۔ اس لئے میں ہمیشہ کے کا سوچا ۔ اور کروں بھی ۔ سر پر اپنا ہے بندہ اپنی مان نہیں رکھ سکتا

۔ خود سے اپنے ملازمین سوچتی ہوں ۔ خود ہی پلٹ کرتی ہوں ۔ پڑھائیاں سب کر سکتی میں ۔ نیا سپورٹ کے بھی میں بھی کر رہی ہوں ۔ میں تھوڑا لیٹ میں تھوڑا وقت لگے گا۔ لیکن ہو جاؤں گی ۔ اس لئے میری سوچ یتیم خانے بنانے اور اولڈ ایج ہوم بنانے میں رہتی ہے ۔ لیکن اب میں نے دیکھا ہے کہ یتیم خانے بھی ہیں ۔ اور اولڈ ایج ہوم ئیکو بھی نہیں ہے ۔ کوئی center بھی ہیں ۔ لیکن عورتوں کے لئے کوئی گھر نہیں ہے کہ ہم جیسی بیٹیاں اور بیویاں جن پر یا جو بن بیاہی ہوں ان کے طعنوں سے بچنے کے لئے ان کو پاس گھر نہیں ۔ تو میں نے یہی کے بچا بناؤں گی Divorced Home women سوچا ہے کہ میں ایک ۔ جہاں ان کو بنا طعنہ کے کوئی ملے جہاں وہ عزت کے نام پر مرنے کی بجائے اپنی جان وہاں جہاں ان کو عزت کے نام پر کوئی قتل نہ کر سکے ۔ جہاں کوئی ان کو کردار کا طعنہ نہ دے ۔ جہاں وہ اپنی مرضی سے نوکری کر کے کما سکے ۔ میں انشاء اللہ وہاں ایک لڑکی کو کمانے کے قابل بناؤں گی ۔ لڑکی کو دوسری طرف رجاء کا بھائی تھا ۔ اور اس میں لرزش تھی " : رجاء پلیز ہماری بہن لے چلوباپ دشمن کے ہاتھ جوڑے ادو وہ صرف تمہا ری سنتی ہے تمہاری مانتی ہے ۔ سارا دن تمہارا نام لیتی رہتی ہے ۔ رجاء رجاء کرتی رہتی ہے ۔ رجاء نے میرے سے یہ کہا ۔ رجاء نے میرے سے وہ کہا ۔ رجاء ایسی ہے ۔ رجاء ویسی ہے ۔ پلیز ہمیں ملوادو وہ تمہاری بات ضرور سنے گی "میں سُن ہو گئی اس کی ماں اور بھائی میرے آگے بار بار منت کر رہے تھے ۔ دونوں میرے آگے ہاتھ جو ڑ کر کھڑے تھے ۔ ماں رو

میں نے اپنے گلے سے وہ صدارتی گولڈ میڈل اتارا اور اس وزنی تمغے کو ماں کے ان ہی خاک آلود پیروں کے اوپر رکھ دیا۔

امی !یہ فتح آپ کی ہے، "میری آواز میں سجدے کی عاجزی اور تشکر کا " طوفان تھا " :اگر اس تاریک رات آپ نے نانی کا قرآن میرے سر پر نہ رکھا ہوتا، اگر آپ نے اپنے آنسوؤں کا حصار میرے اردگرد نہ باندھا ہوتا اور مجھے سورۃ النور کی پناہ میں نہ دیا ہوتا، تو آج رجاء کا وجود راکھ کا ڈھیر ہوتا۔ یہ تمغہ ریاست نے مجھے نہیں، آپ کے صبر اور آپ کے سجدوں کو دیا ہے "!امی نے مجھے اٹھا کر اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ ان کی ہچکیوں نے دالان کے در و دیوار کو لرزا دیا۔

پھر مغرب کی اذان کے ساتھ، ہم دونوں ماں بیٹی نے اسی کچے فرش پر اپنا مصلّیٰ بچھایا اور اپنے رب کے حضور وہ طویل سجدہ ادا کیا جس میں الفاظ ختم ہو جاتے ہیں اور روح اپنے خالق کے حضور گنگ ہو جاتی ہے۔ اس سجدے نے ثابت کر دیا کہ جس کے پیچھے ماں کی سچی دعا ہو، کائنات کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

ایوانِ صدر اسلام آباد کے پرشکوہ ہال سے نکل کر جب میں اپنے گاؤں کی مٹی پر اتری، تو میری آنکھوں میں فتح کا کوئی تکبر نہ تھا بلکہ ایک عاجزانہ بندگی کا احساس تھا۔ گاڑی جیسے ہی ہمارے کچے گھر کے سامنے رکی، میں نے سرکاری پروٹوکول اور صحافیوں کے کیمروں کو پیچھے چھوڑا اور سیدھی اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ امی دالان کے کونے میں اسی پھٹی ہوئی جائے نماز پر بیٹھی اپنے رب کے حضور آنسو بہا رہی تھیں۔

میں نے اپنا سنہری تمغہ ان کے قدموں میں رکھا اور اپنا سر ان کے خاک آلود پاؤں پر ٹیک دیا۔ امی نے روتے ہوئے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ان کے آنسو میرے بالوں پر گر رہے تھے، اور وہ وہ آنسو تھے جن میں سالہا سال کی ذلت، فاقہ کشی، طعنوں اور راتوں کی سسکیوں کا مداوا سمٹ آیا تھا۔ اس کے بعد میں نے وہیں فرش پر سجدہ شکر ادا کیا۔

سجدے کی اس طویل اور پرنور حالت میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان کے تمام فرشتے اس ماں بیٹی کے صبر اور ربِ کریم کے بے پایاں فضل پر گواہ بن چکے ہوں۔ یہ وہ سچی فتح تھی جس کے آگے دنیا کی تمام شاہی مسندیں اور اعزازات ماند پڑ جاتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 49 :تایا حکیم خان اور شبانہ پھوپھی کی خاموش شکست

شرمندگی کی مہر، سر جھکائے بیٹھے پنچایتی اور حمزہ کا گھٹنوں کے بل معافی مانگنا

خلاصہ :شام کو تایا حکیم خان اور شبانہ پھوپھی سر جھکائے دالان میں معافی مانگنے پہنچے، بھائی حمزہ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنی بہن کے پاؤں چھو لیے اور صدیوں کا خاندانی جبر ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا۔

◆ ◆ ◆

شام ڈھلے جب مبارکباد دینے والوں کا ہجوم رخصت ہوا اور دالان میں چراغوں کی روشنی پھیل گئی، تو ہمارے گھر کا لکڑی کا بھاری پھاٹک آہستہ سے کھلا۔ تین سائے نہایت لرزتے اور چور قدموں کے ساتھ دہلیز پار کر کے اندر داخل ہوئے۔ وہ تایا حکیم خان، شبانہ پھوپھی اور میرا بھائی حمزہ تھے۔

تایا حکیم خان کا وہ پرغرور چہرہ، وہ حقے کا دھواں اور وہ پنچایتی رعب آج مٹی میں مل چکا تھا۔ ان کی نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں اور وہ مجھ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں تھے۔ شبانہ پھوپھی کا دوپٹہ ان کے چہرے پر اس طرح لپٹا ہوا تھا جیسے وہ دنیا کی سب سے بڑی مجرم ہوں۔

حمزہ تین قدم آگے بڑھا، اور اس نے بنا کسی جھجک کے میرے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میرے پاؤں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا۔

رتبہ باپ کہ سیدان کی لڑکی کو خراب کیا۔ ایک معمولی سی خواہش کے پیچھے۔ اتنی بے باکی۔ سوچو لڑکیوں اس کے وجود میں کتنی گندگی بھری ہوگی۔ اپنے لیے کوئی سید کا بچہ ڈھونڈا کریں۔ جگر رکھنے والا جس میں اصل والا حلال خون ہو۔ جس کے اندر حلال خون کی گردش ہو۔ ایک حلال طریقے سے پیدا ہوا مرد ہی تمہیں حلال رشتے میں لے جائے گا۔ جس مرد کے اندر مکس خون کی گردش ہوگی وہ تمہارے سر پر کبھی چادر نہیں دے گا۔ گندگی سے پیدا ہوئے مرد صرف گند کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو ہمیشہ ایسے مرد ڈھونڈنے چاہئے جو ان کے ارمان کو مکمل کرے۔ نور

ننگا ہو وہ کیا سمجھے گا عورت کی نزاکت کو۔ جو خود کو سید نہیں کہتے میں نے دیکھا ہے کہ وہ عورت کے معاملے میں ے ہیں میں نے خود یہ چیزیں دیکھی ہیں۔ اس لیے میں یہ بات کر رہی ہو اتنا برا نہیں ب کلی ے جتنا یہ سیدان عورت کے معاملے میں ظالم ب کلی ں کہ جو کل میرے بھی کچھ پیش لیکن سیدان کہلانے والوں نے تو دین اسلام قرآن سب کو چیلنج کر گئے۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ سید کہنے والے اتنے بڑے نافرمان اللہ اور رسول کے۔ جب گند ہی کرنا ہے تو پھر سید کا نام استعمال کیوں کرنا۔ سیدان تو بڑی پاک ذات ہے۔ ان کے نام پر اس طرح کا مذاق کفر سمجھتی ہوں میں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اسلام میں بہت سخت احکامات ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :اور جن انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ (قرآن)تیرے پاس سے ہے تو اس پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب نازل کر (سورۃ انفال آیت نمبر (اور ایک جگہ حدیث شریف میں ہے :جو شخص کسی غیر سید کو سید کہے یا کسی غیر سید کو اپنا والد کہے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہیں ۔ (بخاری شریف)اسلام میں ایسے لوگوں کے لئے سخت وعیدیں ہیں جو لوگ سید کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔ سید ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ لیکن سید کے نام پر دھوکہ دینا بہت بڑا جرم ہے۔ جو کہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ قبیح فعل ہے یہ ایسے مردوں کو توبہ کرنی چاہئے۔ (ایسے مردوں کو فریب کاری اور جھوٹی شان و شوکت)ہی نہیں نا ممکن ہے کچھ حد تک کوئی ایکا دوکا۔

ینامیں نے بہت زیادہ ہیں بلکہ دیکھ ہی ایسے مرد ہیں۔ جو لڑکیوں کے دلوں میں محبت تو پیدا کر دیتے ہیں۔ بار بار ان کے دلوں پر دستک د، اعتبار دلانا، اور جب وہ کر جائیں تو پھر ماں باپ بیچ آ جاتے ہیں۔ یا پھر کہتے ہیں کہ ہم اپنے گھر والوں کے خلاف جا کے نہیں کر سکتے نکاح تو بیٹا بندہ ان سے پوچھے کہ جب بار بار اس کے دل پہ دستک دے رہے تھے اعتبار دلا رہے تھے۔ تب وہ ماں باپ کہاں تھے۔ تب کیوں یاد نہیں آتا کہ مرد کو کہ ہماری گھر اتنی اوقات نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے سانس لیں تو ملا دوسروں کی زندگی مشکل کر کے آزار ہو جاتے ہیں۔ سید ہو سید ہی لوگ ایسا۔ عدد مجرے ، مہندی کے، گاسین چوڑوں کے دے کے فوراً 4 ،3 فعایسی لڑکیوں کو رونے کی بجائے ان مردوں کو کوئی د کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ان کو اندازہ ہو ایسے مردوں کو کہ وہ آج کی عورت سے ہیں زیادہ کمزور ہے۔ آج کی عورت کہیں عورت تو ویسے ہی بہادر ہے۔ لیکن ایسے ایسے کمزور مردوں کے ہاتھوں لگنے سے اسے بھی کمزور کر دیا ہے۔ عورت مرد سے کہیں زیادہ بہادر ہے۔ مرد اپنی اوقات کا اندازہ تبھی لگالے جب وہ کہتا ہے کہ کوئی مانے گا نہیں۔ اور عورت سب کو منا لیتی ہے۔ تو میرے خیال سے ایسے مردوں کو لمبی لمبی چھڑنی چاہیئے۔ ہم پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے۔ لیکن خود کو تو پتہ ہونا چاہیئے اندر سے تو خود کا پتہ ہو گا کہ وہ کتنا مرد ہے۔ کہ آج کے مردوں میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ان دو چیزوں کا وزن اٹھا سکے۔ یہ تو کوئی حقیقی معنوں والا مرد ہی ان دو چیزوں کے معنی جان سکتا ہے۔ کوئی اعلیٰ ظرف رکھنے والا، اعلیٰ ظرف وہی سنبھال سکتا ہے ایسی عورت کو۔ میرے نزدیک

اصل اور حقیقی معنوں میں جو مرد کی تعریف ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ مرد وہ ہے جو ایسی عورت کو اپنائے جسے ہمارا معاشرہ یا معاشرے کے لوگ اپنانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک وہی اصل مرد ہے۔

رجاء ...میری بہن "!حمزہ کی آواز سسکیوں میں ٹوٹ رہی تھی " :مجھے " گولی مار دے، مگر مجھے معاف کر دے !میں تایا اور پھوپھی کے بہکاوے میں آ کر شیطان بن گیا تھا۔ میں نے اس سیڑھی پر تجھ پر بندوق تانی تھی ...کاش اس دن میرے ہاتھ کٹ جاتے۔ تو نے مجھے اور میرے باپ کو وہ عزت دی ہے جو میں سو جنم لے کر بھی نہیں دے سکتا "تھا۔

میں نے حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اوپر اٹھایا اور اس کے ماتھے کو چوما " :اٹھو حمزہ !تم میرے بھائی ہو۔ میں نے تم سب کو اسی دن معاف کر دیا تھا جس دن میں نے اللہ کی عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کیا تھا۔ میری جنگ تم سے نہیں تھی، میری جنگ اس جہالت سے تھی "جس نے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔

تایا حکیم خان نے لرزتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر میرے سر پر رکھے " :بیٹی رجاء !ہم ہار گئے، اور تمہارا سچ جیت گیا۔ اب اس خاندان میں کسی بیٹی کی تقدیر پر کوئی پنچایت نہیں بیٹھے گی۔ "اس رات ہمارے آنگن میں جبر کی صدیوں پرانی فصیلیں ہمیشہ کے لیے مسمار ہو گئیں۔

نڈیمایہ کیسا مرد ہے آج کا جو عورت کے بدلنے پر اس کا ماضی اٹھا کے عورت کے منہ پے مار دے۔ مرد ایسا تو نہیں ہوتا۔ ٹرک سامان کی ڈ وہ کیسے پوری 3 کا اپنے وجود آدھا حصہ کاٹ کر بیٹی دیتے ہیں۔ لے کر کریں۔ کیا یہ کم ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی دی۔ جس پہ جہیز والا نقطہ نظر غور کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں ہے کوئی غریب ہے۔ جہیز ظلم ہے۔ مردوں کو ہر چیز میں اسلام یاد آجاتا ہے۔ کپڑے دھونے پر کھانا بنانے پر جہیز میں یہ اسلام مردوں اور اس کے گھر والوں کو کیوں نظر نہیں آتا۔ کیا اس سے پہلے وہ کسی کمرے میں پلیٹ یا برتن میں کھاتے نہیں ہیں۔ یا پھر ان کے گھروں میں ضرورت کی چیزیں نہیں ہوتی ہے۔ عورت پر حالانکہ کھانا پکانے کپڑے دھونے کام کاج کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں کی اسلام نے۔ وہ اپنا فرض سمجھتی اسلام کو بُرا انسان بنایا ہے۔ بہت سیدھا معاشرہ سے لوگوں نے اس کو مشکل بنا دیا ہے۔ ہمارے اسلام میں صرف آسانیاں دی گئی ہیں۔ ہمارے معاشرے کا ایک گندہ رواج جو بہت عروج میں ہے۔ جہیز۔ اسلام میں جہیز کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جہیز یا جہیز جیسے لفظ کو میں نے نہیں پڑھا۔ یہ ہمارے معاشرے اور لوگوں کا اپنی طرف سے نکالا ہوا اجتماعی رواج ہے۔ جہیز جیسی چیز کا اسلام اور قرآن دونوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں لوگوں میں جہیز کی ڈیمانڈ عام ہے۔ کوئی شرم کوئی لحاظ نہیں ہے۔ جہیز ناجائز چیز ہے اور یہ میری نظر میں گناہ ہے ظلم ہے۔ ماں باپ ہم اسلام کے نام میں لوگوں کو غلط گائیڈ کر رہے ہیں۔ اگر کسی پر کہیں ظلم ہو رہا ہے تو کہتے ہیں صبر کرو برداشت کر و۔ کیو

نکہ قرآن میں صبر کا بتایا ہے۔ لیکن یہ آج تک کسی نے نہیں بتایا کہ قرآن میں ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کو صبر بتایا گیا ہے۔ نہ کہ ظلم کو برداشت کرنے کو صبر مانا گیا ہے۔ ہر چیز پر صبر نہیں آتا کچھ ستم قابل صبر نہیں ہوتے زنا ہے۔ صبر یہ نہیں کہ عورت نے سہنا ہے۔ اور بار بار سہنا ہے۔ یہ ہمیں کیا صبر سکھایا جاتا ہے جو ہمیں موت سے ملاتا ہے۔ جو ہمیں کھوکھلا کر دے یہ کیسا صبر ہے۔ ہمیں سب غلط بتایا گیا ہے۔ سمجھایا گیا ہے بنایا گیا ہے۔ اصل صبر یہ نہیں ہے۔ اللہ نے دین گناہ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو چیز جس طرح بیان کی ہے۔ اسی طرح اور وہی چیز لوگوں کو بیان کرنی چاہیے۔ لیکن لوگوں نے پتہ نہیں کیا کیا اس میں اپنی طرف سے روایتیں نکال کے

لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رسول نے فرمایا !جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔ (صحیح بخاری)اگر لوگوں کو قرآنی زبان سمجھنے میں ناکام ہیں تو وہ علماء یا مفتیان سے رجوع کریں۔ ناکہ اپنی طرف سے اس میں مواد ایڈ کر کے لوگوں کو غلط گائیڈ کریں۔ قرآن میں ہر چیز کے لیے واضح احکام ہیں۔ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ بیٹی کو غیرت کے نام پر قتل کیا جا سکتا ہے۔ یا اس کی بدی سن کر اس پر اندھا دھند تشدد کرنے کا حکم ہو۔ میں نے نہیں پڑھا قرآن میں، میں نے نہیں پڑھا قرآن میں کہ گھر میں مردوں کی آواز گھروں میں جا سکتی ہے۔ میں نے کہیں10 کر نکل سے عورتوں سے اونچی ہو یا مردوں کی آواز گھر کے دیوار محلے کے نہیں پڑھا یہ اسلام یہ دین سورۃ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو اس کا اس آیت میں بیٹی کے نام پر بیٹی کا 58 تشد پر چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ غم سے چور ہو جاتا ہے۔ سورت النحل آیت قتل کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ نہ کہ بیٹی کی بدی سن کر اسد کا حکم دیا گیا ہے۔ جو حوالہ اور اس حوالے سے کہ لوگوں دین اسلام ہمیں دے رہے ہیں۔ میں یہ دین اسلام قرآن میں نہیں پڑھا قرآن میں تو اس اسلام کا دن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں یہ دین کس کا بنایا ہوا ہے۔ قرآن میں تو نہیں ہے۔ ویسا کچھ قرآنی زبان میں یا سورتوں میں خود سے کوئی مواد ایڈ کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوئی اور اس جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی و تحریف نہیں ہے۔ وہ بالکل مکمل ہے تو اسے باتیں ایڈ کر کے لوگوں پر تھوپنا

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 50 :رجاء کا ابدی سحر اور پاکستان کی بیٹیوں کا علم

کچی دہلیز پر طلوع ہوتا سورج، امید کا پرچم اور قوم کی ہر بیٹی کے نام الوداعی نغمہ

خلاصہ :ناول کا گرینڈ فائنل :کچے گھر کی دہلیز پر طلوع ہوتے سورج کے سامنے کھڑی رجاء نے پاکستان کی ہر بیٹی کے لیے خودداری، شجاعت اور علم کی مشعل روشن رکھنے کا ابدی عہد کیا۔

◆ ◆ ◆

اس عظیم صلح کے بعد کی اگلی صبح جب جنوبی پنجاب کے افق پر پو پھوٹی، تو پوری کائنات ایک لاثانی، جادوئی نور میں نہائی ہوئی تھی۔ ہوا میں نہ کوئی خوف تھا، نہ کسی بندوق کا سایہ تھا اور نہ کسی طعنے کی سرگوشی۔ میں فجر کی نماز کے بعد اپنے کچے گھر کی اسی دہلیز پر آ کر کھڑی ہو گئی جہاں سے میرا سفر شروع ہوا تھا۔

میرے سر پر باپ کی دی ہوئی سفید پگڑی کا تاج تھا، میرے سینے پر صدارتی گولڈ میڈل کی سنہری دمک تھی، اور میرے ہاتھ میں میری ڈگری اور میرے ریسرچ مقالے کی فائل تھی۔

مشرق سے سورج کی پہلی سنہری کرنوں نے جب گندم کے لہلہاتے کھیتوں، کیکر کے درختوں اور دور یونیورسٹی جانے والی سڑک کو روشن کیا، تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ صرف ایک دن کا طلوع ہونا نہیں تھا :یہ اس دھرتی کی بیٹیوں کے نئے مقدر کا آغاز تھا !یہ کہانی محض ایک لڑکی رجاء کی کہانی نہیں ہے۔

یہ اس ملک کی ہر اس بیٹی کی داستان ہے جو اپنے گھر کی چاردیواری میں قید ہو کر خواب دیکھتی ہے۔ یہ اس ماں کی کہانی ہے جو اپنے آنسو پی کر اپنی بیٹی کے لیے دعاؤں کا قلعہ تعمیر کرتی ہے۔ اور یہ ہر اس باپ کے لیے ایک پیغام ہے جو زمانے کے ڈر سے اپنی بیٹی کے پر کاٹ دیتا ہے۔

سنو اے پاکستان کی بیٹیو !کبھی اپنے سچ پر سمجھوتہ مت کرنا۔ اپنے حقوق کے لیے ظالموں کے آگے جھولی مت پھیلانا، بلکہ اپنے علم، اپنی خودداری اور اپنے کردار کو ایسا فولاد بنا لینا کہ زمانہ خود تمہارے آگے جھکنے پر مجبور ہو جائے۔ اور جب تمام زمینی دروازے بند ہو جائیں، تو یاد رکھنا کہ تمہارے رب کی بارگاہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ رجاء)امید(کا سورج طلوع ہو چکا تھا، اور اس کی تابانی اب قیامت تک ماند پڑنے والی نہیں تھی۔

❖ ❖ ❖

سیزن 6 :فکری و اخلاقی وصیت نامہ)فلسفیانہ ❖

❖ (مضامین و ابدی اسباق

قسط نمبر 51 :کردار کی فولادی فصیل اور سطحی شہرت کا فریب

خاندانی وقار، باطنی سچائی اور جھوٹے الزامات کی مٹی

خلاصہ :شہرت اور کردار کے درمیان بنیادی فرق کا فلسفیانہ اور قرآنی تجزیہ، جہاں رجاء اپنی آپ بیتی کے تناظر میں یہ ثابت کرتی ہے کہ باطنی پاکیزگی کے سامنے بیرونی الزامات کی کوئی حیثیت نہیں۔

◆ ◆ ◆

اس قومی طوفان اور کامیابیوں کی چکاچوند تھم جانے کے بعد کی پرسکون ساعتوں میں، جب میں اپنے آبائی گھر کی لکڑی کی قدیم کھڑکی کے پاس بیٹھ کر سرسوں کے زرد اور لہلہاتے کھیتوں پر نظر ڈالتی ہوں، تو میرے باطن میں انسانی وجود کا سب سے بنیادی سوال ابھرتا ہے :انسان کا

اصل سرمایہ کیا ہے؟ کیا وہ لوگوں کی وقتی داد و تحسین ہے، یا وہ باطنی پاکیزگی ہے جو رب کے حضور سرخرو ٹھہرتی ہے؟

ہمارے مشرقی معاشرے نے شہرت اور کردار کے درمیان ایک نہایت خطرناک مغالطہ پیدا کر رکھا ہے۔ شہرت محض پانی کا ایک بلبلہ ہے جو وقت کی لہروں پر ابھرتا ہے اور مٹ جاتا ہے۔ یہ لوگوں کے ناپائیدار لبوں پر ناچنے والی ایک سرگوشی ہے جو صبح کو تعریفوں کے پہاڑ کھڑے کرتی ہے اور شام کو کسی ایک جھوٹی افواہ کی بنیاد پر آپ کے چہرے پر کالک ملنے کے لیے دوڑ پڑتی ہے۔ لوگ اسی شخص کی تعریف کرتے ہیں جو ان کی مرضی کے سانچے میں ڈھل جائے، اور جیسے ہی کوئی بیٹی اپنی خودداری اور فکری آزادی کا علم بلند کرتی ہے، وہی لوگ اسے باغی اور داغدار قرار دینے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے۔

لیکن کردار وہ فولادی اور ناقابل تسخیر عمارت ہے جس کی بنیادیں حق، سچائی اور خوفِ خدا کی گہری مٹی میں اتری ہوتی ہیں۔ کردار کو دنیا کا کوئی حاسد، کوئی جھوٹی پنچایت اور کوئی سستی کینٹین گپ شپ داغدار نہیں کر سکتی۔ جب عائشہ ہال کے ہوسٹل میں میرے خلاف زہریلی مہم چلائی گئی اور جب آبائی گاؤں کے چوپال میں تایا حاکم خان نے اپنے حقے کی راکھ جھاڑتے ہوئے میرے خاندان کی پگڑی اچھالنے کی کوشش کی، تو اگر میرا انحصار محض اپنی ساکھ پر ہوتا تو میں اس روز دم توڑ چکی ہوتی۔ ساکھ وہ ہے جو لوگ آپ کے بارے میں سوچتے ہیں، جبکہ کردار وہ سچائی ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں جانتا ہے۔

میں نے اپنی زندگی کے ان ہولناک ترین لمحات میں یہ درس سیکھا کہ جب آپ پر کیچڑ اچھالا جائے تو پلٹ کر جواب دینے کے بجائے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دینی چاہیے۔ کردار کی حفاظت الفاظ سے نہیں بلکہ اپنے عمل کی طہارت سے ہوتی ہے۔ مٹی کی خاصیت ہے کہ جب وہ کسی پاکیزہ دامن پر گرتی ہے تو کچھ دیر کے لیے دھبہ ضرور لگاتی ہے، لیکن جیسے ہی سچائی کی دھوپ چمکتی ہے، وہ مٹی سوکھ کر جھڑ جاتی ہے اور دامن پہلے سے بھی زیادہ اجلا دکھائی دیتا ہے۔

پاکستان کی ہر اس بیٹی کو جو اپنے گھر کی دہلیز پار کر کے کسی جامعہ، کسی دفتر یا کسی تحقیقی میدان میں قدم رکھتی ہے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کا سب سے بڑا قلعہ آپ کا باطنی ضمیر ہے۔ اگر آپ کا ضمیر آپ کے حق میں گواہی دیتا ہے اور اگر آپ کا مصلّیٰ آپ کے پاکیزہ آنسوؤں سے تر ہے، تو کائنات کی کوئی عدالت، کوئی بدگو زبان اور کوئی خاندانی بائیکاٹ آپ کا سر جھکا نہیں سکتا۔ کردار ایک ایسی چٹان ہے جس سے ٹکرا کر الزامات کی تمام لہریں خود پاش پاش ہو جاتی ہیں۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 52 :نااہل نہیں، منتخب اور برگزیدہ

آزمائشوں کا الٰہی مقصد اور روح کا صیقل ہونا

خلاصہ :شدید ترین دکھوں، تذلیل اور امتحانات کے دوران انسان کے منتخب کیے جانے کا روحانی سفر، جس میں رجاء اپنے زخموں کو خدائی تربیت کا حصہ قرار دیتی ہے۔

◆ ◆ ◆

جب انسان مسلسل مصائب، خاندانی تذلیل اور معاشرتی بے اعتنائی کے تھپیڑے کھاتا ہے، تو اکثر اوقات اس کے دل کے تاریک گوشوں میں یہ مایوس کن وسوسہ جنم لیتا ہے کہ شاید وہ قدرت کے کارخانے میں ایک غیر ضروری اور نااہل پرزہ ہے۔ جب مجھے ہوسٹل کے کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا، جب رشتہ داروں نے میرے باپ کو طعنے دیے اور جب میری جھولی میں غربت اور فاقوں کے سوا کچھ نہ تھا، تو مجھے بھی کئی بار یہ گماں گزرا کہ شاید میں اس کٹھن راستے پر چلنے کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن قرآنِ حکیم کے اوراق نے میری اس فکری الجھن کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا۔ تاریخِ انسانی کے عظیم ترین انسانوں کی زندگیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ سخت ترین امتحانات کبھی غیر اہم لوگوں پر مسلط نہیں کیے جاتے۔ کچے لوہے کو بھٹی میں جھونک کر آگ کے انگاروں پر تپایا جاتا ہے تاکہ اس کی تمام آلائشیں جل کر راکھ ہو جائیں اور وہ فولاد بن کر تلوار کی صورت اختیار کر سکے۔ اگر ایک بیٹی کی زندگی میں آزمائشوں کے طوفان اٹھے ہیں، تو یہ اس کی کمزوری یا نااہلی کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس امر کا ثبوت ہے کہ ربِ کائنات اسے کسی بہت بڑے مقصد کے لیے تیار کر رہا ہے۔

آپ بیتی کے ان صفحات کو رقم کرتے ہوئے میں پورے وثوق سے کہتی ہوں کہ جو زخم مجھے اپنے قریبی عزیزوں نے دیے، انہی زخموں نے میری بصیرت کی آنکھیں کھولیں۔ اگر مجھے عائشہ ہال کی ٹھنڈی راتوں میں تنہائی کا زہر نہ پینا پڑتا، اگر مجھے اپنے خوابوں کے لیے بسوں کے دھکے نہ کھانے پڑتے اور اگر مجھے اپنے کردار کے دفاع کے لیے سجدوں میں تڑپنا نہ پڑتا، تو شاید میں کبھی وہ رجاء نہ بن پاتی جس نے ایوانِ صدر کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر اپنے پورے خطے کے سر پر عزت کا تاج سجایا۔

انسان تب ٹوٹتا ہے جب وہ اپنے دکھ کو محض ایک اندھی قسمت سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ لیکن جب وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا ہر آنسو ایک الہیٰ ریکارڈ کا حصہ ہے اور اس کی ہر خاموش سسکی رب کے ترازو میں تولی جا رہی ہے، تو دکھ اس کے لیے رسوائی کا سبب نہیں بلکہ باطنی تطہیر اور برگزیدگی کا زینہ بن جاتا ہے۔ آزمائش اس بات کا اعلان ہے کہ آسمان آپ پر نظر رکھے ہوئے ہے اور مٹی کی یہ بیٹی اب سونے میں تبدیل ہونے والی ہے۔

اس لیے مایوسی کے دلدل میں گھری ہوئی کسی بھی بہن اور بیٹی کو کبھی خود کو حقیر یا بے بس نہیں سمجھنا چاہیے۔ جب دروازے بند ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اب غیب کے راستے کھلنے والے ہیں۔ اپنے آپ کو کمزور سمجھنا چھوڑ دیجیے، کیونکہ جس مٹی کو کوزہ گر نے چاک پر گھما کر آگ میں پکایا ہو، وہی بالآخر شاہی درباروں کا گلدان بنتی ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 53 :قبائلی رسوم کی زنجیریں اور قرآن کا نور

روایت پرستی کی غلامی اور دینِ حق کی عطا کردہ حریت

خلاصہ :جنوبی پنجاب کی فرسودہ جاگیردارانہ اور قبائلی رسوم کے مقابلے میں قرآنِ مجید کے انقلابی نسوانی حقوق اور حریت کا موازنہ۔

◆ ◆ ◆

ہمارے دیہی اور نیم جاگیردارانہ معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے دینِ فطرت کے احکامات کو پسِ پشت ڈال کر صدیوں پرانی قبائلی جہالت اور مردہ روایات کو اپنا دین بنا لیا ہے۔ جنوبی پنجاب کے زرعی دیہاتوں میں بیٹیوں کے حقوق کی جو پامالی خاندانی غیرت اور 'ناک اونچی رکھنے 'کے نام پر کی جاتی ہے، اس کا اسلام کی آفاقی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہاں بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے بغیر محض جائیداد کی حفاظت یا خاندانی سودے بازی کے لیے کر دی جاتی ہے، اور اگر وہ حصولِ علم کا مطالبہ کرے تو اسے کفر کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

جب میں نے بی ایس سی کے بعد ایم فل پولیٹیکل سائنس میں داخلہ لیا تو تایا حاکم خان اور پنچایت کے سرداروں نے جو سب سے بڑا اعتراض اٹھایا وہ یہ تھا کہ 'ہمارے خاندان کا یہ رواج نہیں ہے کہ لڑکیاں پردیس جا کر کتابیں پڑھیں'۔ میں نے اس لمحے ان کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ ان کے پاس اپنی بات کے حق میں کوئی قرآنی آیت یا حدیثِ نبوی نہیں تھی، بلکہ ان کا پورا استدلال محض اس قبائلی انا پر قائم تھا جس نے نسل در نسل عورت کو ایک بے جان جاگیر کے طور پر استعمال کیا تھا۔

لیکن جب میں نے قرآنِ حکیم کو فہم اور تدبر کے ساتھ کھولا، تو مجھے اندازہ ہوا کہ اللہ کا دین تو عورت کے لیے حریت، علم اور باوقار تشخص کا سب سے بڑا ضامن ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی علمی بصیرت، فتاویٰ اور فقہی اجتہاد نے پوری امت کی رہنمائی کی تھی۔ شفا بنت عبداللہ کو بازار کی نظامت کا منصب سونپا گیا تھا۔ اسلام نے بیٹی کو وہ حقوق عطا کیے جن کا تصور بھی اس زمانے کی مہذب دنیا نہیں کر سکتی تھی۔ مگر افسوس کہ ان نام نہاد محافظوں نے قرآنی عدل کو چھپا کر ونی، کاروکاری اور زبردستی کے رشتوں کی قبائلی زنجیریں ہمارے گلے کا ہار بنا دیں۔

میں نے ان جابرانہ رسوم کے خلاف جو جنگ لڑی، وہ کسی مغربی نعرے یا بیرونی تحریک کے تحت نہیں تھی بلکہ وہ اس قرآنی حریت کا احیا تھی جو ہر بیٹی کا بنیادی حق ہے۔ جب آپ اپنے دل میں قرآنی شعور کی شمع روشن کر لیتے ہیں تو پھر صدیوں کی تاریک روایات آپ کو خوفزدہ نہیں کر سکتیں۔ قرآن وہ نور ہے جو جہالت کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

بیٹیوں کو تعلیم سے روکنا خاندانی عزت نہیں بلکہ اجتماعی خودکشی ہے۔ جب تک ہم اپنی بچیوں کو علم کی روشنی سے محروم رکھیں گے، تب تک ہمارا معاشرہ پستی، جہالت اور معاشی غلامی کی دلدل سے کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ علم بیٹی کا زیور نہیں بلکہ اس کا ناقابلِ تنسیخ ہتھیار ہے، اور قرآن اس ہتھیار کو اٹھانے کی پہلی سند عطا کرتا ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 54 :اپنوں کی بے وفائی اور آزمائش کی بھٹی

خونی رشتوں کے نشتر اور تنہائی میں رب کی رفاقت

خلاصہ :جب دشمنی باہر سے نہیں بلکہ اپنے ہی آنگن اور خونی رشتوں سے پھوٹ پڑے، تو اس روحانی اذیت پر قابو پا کر حقیقی نجات کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

◆ ◆ ◆

زندگی کے سفر میں دشمن اگر سامنے سے وار کرے تو انسان اس کا مقابلہ کر سکتا ہے، کیونکہ انسان بیرونی خطرات کے لیے پہلے سے ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے۔ لیکن جب خنجر کسی ایسے ہاتھ میں ہو جس کو آپ نے ہمیشہ دعاؤں میں چوما ہو، اور جب زہر اس پیالے میں گھول کر دیا جائے جو اپنے ہی آنگن کے چولہے سے اٹھایا گیا ہو، تو روح کے اندر جو چیخ اٹھتی ہے، اس کا کوئی مادی علاج ممکن نہیں ہوتا۔ میری زندگی کی سب سے کڑی اور دردناک آزمائش یہی تھی کہ میرے دشمن کوئی اجنبی نہیں تھے بلکہ وہ میرے اپنے تایا، پھوپھی اور چچا زاد بھائی تھے۔

جس دن میرے داخلے کی خبر گاؤں میں پھیلی، اس دن میرے والد کے سگے بھائیوں کے چہروں پر جو حسد اور تلخی امڈ آئی تھی، وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ وہ لوگ جو ہماری غربت اور تنگدستی پر کبھی ایک لقمہ روٹی دینے نہیں آئے تھے، اچانک ہمارے خاندانی وقار کے ٹھیکیدار بن کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے گاؤں کی مساجد کے حجروں اور بازار کی دکانوں میں وہ وہ ناپاک افواہیں پھیلائیں جن کو سن کر ایک غیرت مند باپ کا کلیجہ پھٹ جائے۔ ان کا اصل مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ کسی برائی کو روک رہے تھے، بلکہ ان کا اصل خوف یہ تھا کہ سجاد کی بیٹی کامیاب ہو کر ان کے اپنے نکمے اور آوارہ بیٹوں سے آگے نہ نکل جائے۔

خونی رشتوں کی یہ بے وفائی ابتدا میں مجھے خون کے آنسو رلاتی تھی۔ میں راتوں کو تکیے میں منہ چھپا کر سوچتی تھی کہ جن خون کے رشتوں کو اللہ نے باہمی محبت اور تحفظ کا ذریعہ بنایا تھا، وہ اتنے زہریلے اور سنگدل کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن وقت نے مجھے سکھایا کہ یہ بے وفائی بھی دراصل اللہ کی ایک خاص حکمت کا حصہ تھی۔ اگر اپنے لوگ میرے گرد ہمدردی کا مصنوعی جال بنے رکھتے، تو شاید میں کبھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کا سلیقہ نہ سیکھ پاتی۔

جب انسان کے تمام زمینی سہاروں کو ایک ایک کر کے کاٹ دیا جاتا ہے، تو تب جا کر اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اصل سہارا صرف اور صرف عرش والے کا ہے۔ جب باپ کے بھائیوں نے منہ موڑ لیا اور جب سہیلیوں نے خوف کے مارے سلام کا جواب دینا چھوڑ دیا، تو میرے سامنے صرف ایک ہی راستہ بچا تھا :اور وہ تھا اپنے رب کے حضور مکمل خودسپردگی۔ اس خودسپردگی نے مجھے وہ روحانی قوت بخشی جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔

اپنوں کی بے وفائی دراصل ایک کڑوا گھونٹ ہے جو انسان کو دنیا کی بے ثباتی کا قطعی یقین دلاتا ہے۔ اس زہر کو پی کر جو انسان سنبھل جاتا ہے، پھر دنیا کا کوئی غم اسے شکست نہیں دے سکتا۔ آپ کے اپنے آپ کو چھوڑ سکتے ہیں، مگر وہ ذات جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، وہ کبھی کسی بے آسرا بیٹی کا ہاتھ نہیں چھوڑتی۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 55 ' :لوگ کیا کہیں گے : 'ایک موہوم خوف کا فکری تجزیہ

معاشرتی منافقت کا پردہ چاک اور حریتِ قلب کا راستہ

خلاصہ :ہمارے معاشرے کے سب سے بڑے نفسیاتی بت لوگ کیا کہیں گے 'کا گہرا سماجی اور نفسیاتی محاکمہ، جس نے ' لاکھوں باصلاحیت لڑکیوں کے خوابوں کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔

◆ ◆ ◆

اگر ہمارے مشرقی معاشرے کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں قتل و غارت کے تمام جرائم ایک طرف ہوں گے اور اس ایک جملے کا قتلِ عام دوسری طرف بھاری ٹھہرے گا ' :لوگ کیا کہیں گے؟ 'یہ وہ موہوم، نادیدہ اور کلہاڑا نما جملہ ہے جس نے صدیوں سے لاکھوں ذہین، باصلاحیت اور معصوم بیٹیوں کے خوابوں، امنگوں اور زندگیوں کو زندہ درگور کر رکھا ہے۔ مائیں اپنی بچیوں کو اسکول بھیجتے ہوئے ڈرتی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، باپ اپنی بیٹی کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے جھجکتا ہے کہ لوگ انگلیاں اٹھائیں گے، اور بیٹی اپنے حقوق کی بات کرتے ہوئے کانپ جاتی ہے کہ کہیں برادری میں چرچا نہ ہو جائے۔

لیکن میں یہ سوال پوچھنا چاہتی ہوں کہ آخر یہ 'لوگ 'ہیں کون؟ ان کا اصل چہرہ کیا ہے اور معاشرے کے اجتماعی دکھ سکھ میں ان کا کیا کردار ہے؟ جب ہمارے گھر میں فاقہ کشی کا راج تھا، جب میری امتحانی فیس کے لیے پیسے نہیں تھے اور جب ابا ہسپتال کی دوائیوں کے لیے دربدر ٹھوکریں کھا رہے تھے، تب یہ 'لوگ 'کہاں مر گئے تھے؟ تب تو کسی محلے دار یا برادری کے چوہدری نے آ کر ہمارے دروازے پر دستک نہیں دی اور نہ ہی کسی نے آٹا یا دوا فراہم کی۔ لیکن جیسے ہی ایک بیٹی نے اپنی تقدیر بدلنے کے لیے قلم اٹھایا، یہ تمام غائب شدہ 'لوگ 'اخلاقیات کے جج بن کر نمودار ہو گئے۔

لوگ 'دراصل ان منافق اور بے عمل تماشائیوں کا مجموعہ ہیں جن کا اپنا ' کوئی مثبت کارنامہ نہیں ہوتا۔ ان کا واحد کام یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی جدوجہد پر تبصرے کریں، الزام تراشیاں کریں اور کامیاب ہونے والوں کے پاؤں کھینچیں۔ وہ آپ کی ناکامی پر ہنستے ہیں، آپ کی جدوجہد کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جب آپ بالآخر تمام رکاوٹوں کو توڑ کر فتح کا پرچم گاڑ دیتے ہیں، تو یہی 'لوگ 'سب سے آگے بڑھ کر پھولوں کے ہار گلے میں ڈالنے اور آپ کے ساتھ تصویریں کھنچوانے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔

میں نے اس نفسیاتی بت کو اس دن ہمیشہ کے لیے توڑ دیا تھا جس دن میں نے یہ تسلیم کر لیا کہ میری جوابدہی اس منافق بھیڑ کے سامنے نہیں بلکہ اپنے خالق اور اپنے ضمیر کے سامنے ہے۔ اگر آپ کا راستہ سچا ہے، اگر آپ کے ارادے پاکیزہ ہیں اور اگر آپ کا مقصد انسانیت اور اپنے والدین کی خدمت ہے، تو پھر اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیجیے کہ گلی کی نکڑ پر کھڑے ہوئے چار بے روزگار کیا تبصرہ کر رہے ہیں۔

زندگی آپ کی ہے، خواب آپ کے ہیں، اور قبر کے اندھیرے میں بھی آپ نے تنہا اترنا ہے۔ پھر ان چند سستے تماشائیوں کی خاطر اپنی صلاحیتوں کا گلا کیوں گھونٹا جائے؟ جس دن ایک بیٹی اپنے ذہن سے اس نادیدہ بت کو باہر نکال پھینکتی ہے، اسی دن اس کی حقیقی آزادی اور خود مختاری کا سورج طلوع ہوتا ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 56 ' :فرمانبردار بیٹی 'کا فرسودہ تصور اور حقیقی خودداری

اندھی اطاعت بمقابلہ باوقار بیٹی کا اسلامی تشخص

خلاصہ :معاشرے کے اس فرسودہ تصور کی بیخ کنی جس میں بیٹی کو بے زبان اور پسپائی کی علامت سمجھا جاتا ہے، اور خوددار اور باعمل بیٹی کی حقیقی تعریف۔

◆ ◆ ◆

ہمارے پسماندہ خاندانی نظام میں ایک طویل عرصے سے 'اچھی بیٹی 'کی جو تعریف مسلط کی گئی ہے، وہ دراصل ایک زندہ انسان کی نہیں بلکہ ایک بے زبان، بے حس اور غلام صفت مٹی کی مورت کی تعریف ہے۔ ان کے نزدیک اچھی اور نیک بیٹی وہ ہے جس کی اپنی کوئی رائے نہ ہو، جس کا کوئی ذاتی خواب نہ ہو، جو ظلم اور زیادتی پر بھی مسکرا کر سر جھکا دے، اور جو اپنی تمام تر صلاحیتوں کو خاندانی مردوں کی انا کے قربان گاہ پر خاموشی سے ذبح کر دے۔ اگر کوئی لڑکی سوال اٹھائے، اگر وہ اپنے تعلیمی حق کا دفاع کرے یا اپنے مستقبل کے بارے میں بولے، تو اسے فوری طور پر بدتہذیب، نافرمان اور سرکش کا خطاب دے دیا جاتا ہے۔ لیکن میں اس منافقانہ تعریف کو یکسر مسترد کرتی ہوں۔ سچی فرمانبرداری اور اندھی غلامی کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام نے والدین کی اطاعت اور احترام کا جو حکم دیا ہے، وہ احسان، شفقت اور محبت پر مبنی ہے، نہ کہ ظلم اور ناانصافی کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر۔ ایک خوددار اور باضمیر بیٹی وہ ہے جو اپنے ماں باپ کی عزت کے لیے اپنی جان تک نچھاور کر دے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے فکری تشخص اور اخلاقی حقوق کا تحفظ کرنا بھی جانتی ہو۔

جب میں نے تایا حاکم خان کے ان پڑھ اور بدقماش بیٹے کے ساتھ اپنے جبری نکاح کے رشتے سے صاف انکار کیا، تو پورے خاندان میں طوفان کھڑا ہو گیا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ 'خاندان کی پگڑی اب تمہارے انکار سے لٹ جائے گی'۔ میں نے اس کٹھن لمحے میں اپنے اندر کی سچائی سے رجوع کیا۔ اگر میں اس گھٹیا دباؤ میں آ کر سر جھکا دیتی، تو شاید میں ان کی نظر میں ایک 'بہت فرمانبردار بیٹی 'بن جاتی، لیکن میری روح اندر سے مر چکی ہوتی اور میں ساری زندگی اپنے والدین پر ایک بوجھ بن کر جیتی۔

حقیقی اچھی بیٹی وہ ہوتی ہے جو اپنے باپ کی پگڑی کو صرف سنبھالتی ہی نہیں، بلکہ اس پگڑی کو وہ بلندی اور وقار عطا کرتی ہے جس پر پورا ملک رشک کرے۔ اچھی بیٹی وہ ہے جو اپنے خاندان کے معاشی اور سماجی بوجھ

کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے، جو معاشرے کے چیلنجز کا مردانہ وار مقابلہ کرے، اور جس کی کامیابی اس کے والدین کے سر کا تاج بن جائے۔

بیٹیوں کو قربانی کے بکرے کے بجائے عزت اور اعتماد کے شراکت دار کے طور پر دیکھنا ہوگا۔ کمزوری اور بے بسی نیکی نہیں ہے؛ نیکی تو وہ قوت ہے جو باطل کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو جائے اور اپنے اعلیٰ کردار سے اندھیروں کو روشنی میں بدل دے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 57 :ماؤں کے خاموش آنسو اور قربانیوں کا قرض

ماں کی جائے نماز کا حصار اور بیٹی کا ازلی فخر

خلاصہ :دیہی پس منظر میں ماؤں کے اس خاموش، پس پردہ اور لازوال کردار کا اعتراف جس کے آنسوؤں اور دعاؤں نے ایک کسان کی بیٹی کو قومی افق پر پہنچایا۔

◆ ◆ ◆

اس طویل، خونچکاں اور کٹھن داستان کے ہر موڑ پر اگر کوئی ایک ہستی میرے پیچھے فولادی دیوار بن کر کھڑی رہی، تو وہ میری ماں تھی۔ ہمارے دیہی خطوں کی مائیں وہ مظلوم اور عظیم ترین مخلوق ہیں جن کے دکھوں کا اندازہ لگانا شہری دنیا کے بس کی بات نہیں۔ صبح صادق سے لے کر رات گئے تک چولہے کے دھویں میں جھلستی ہوئی، جانوروں کے چارے سے لے کر کپاس کی چنائی تک محنت کرتی ہوئی یہ مائیں اپنی تمام تر آرزوئیں اور خواہشات اپنے کچے آنگن کی مٹی میں دفن کر دیتی ہیں۔

میری امی نے اسکول کی دہلیز کبھی نہیں دیکھی تھی، وہ ایک لفظ لکھنا یا پڑھنا نہیں جانتی تھیں، لیکن ان کے دل کے اندر حکمت، بصیرت اور مامتا کا جو سمندر موجزن تھا، وہ دنیا کی بڑی سے بڑی درسگاہوں پر بھاری تھا۔ جب پورا خاندان میرے خلاف صف آرا تھا، اور جب ابا بھی برادری کے خوف سے تذبذب کا شکار تھے، اس وقت صرف میری ماں تھی جس نے راتوں کو اٹھ کر اپنے پھٹے ہوئے دوپٹے کے کونے پھیلائے اور رو رو کر اپنے رب سے میری فتح اور حفاظت کی بھیک مانگی۔

امی کا وہ چھوٹا سا سرخ مخمل کا مصلّیٰ، جو کونوں سے گھس چکا تھا، دراصل میری کائنات کا سب سے محفوظ مورچہ تھا۔ جب بھی ہوسٹل میں میرے قدم ڈگمگاتے، جب بھی امتحان گاہ میں قلم رکتا یا جب بھی کسی حاسد کا وار میرے دل کو چھلنی کرتا، مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ماں کی گرم سانسیں اور ان کے بہتے ہوئے آنسو میرے گرد ایک نادیدہ حفاظتی حصار تان رہے ہیں۔ ماں کی دعا وہ تیر ہے جو عرش کے پردوں کو چیرتا ہوا سیدھا بارگاہِ الٰہی میں پہنچتا ہے اور تقدیر کے فیصلوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔

جب میں نے ایوانِ صدر کے اسٹیج پر وہ سنہری تمغہ وصول کیا، تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ تمغہ دراصل میرا نہیں بلکہ میری ماں کی ان لاکھوں سسکیوں کا صلہ ہے جو انہوں نے رات کی تاریکی میں اپنے رب کے حضور چھپ کر بہائی تھیں۔ یہ تمغہ ان کے ان چھالوں کا خراج ہے جو انہوں نے روٹیاں پکاتے اور ہماری فیسوں کے لیے محنت مزدوری کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر سجائے تھے۔

ہماری نئی نسل کو یہ سمجھنا ہو گا کہ دنیا کی کوئی کامیابی ماں کے قدموں کی مٹی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ مائیں وہ خاموش ستون ہیں جن کے کندھوں پر بڑی شخصیات کی عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں۔ اگر آج رجاء کا نام سر بلندی کے ساتھ گونجتا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ اس کے پیچھے ایک ایسی ماں تھی جس نے خود جل کر اپنی بیٹی کے راستے کو روشن کیا تھا۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 58 :باپ کا بوجھ اور بیٹی کا عزم

خاندانی غیرت کا دباؤ اور سفید پگڑی کا سچا اعزاز

خلاصہ :باپ کے روایتی خوف، سماجی بوجھ اور اندرونی شفقت کا نفسیاتی تجزیہ، اور بیٹی کا یہ عہد کہ وہ باپ کے سفید بالوں کو رسوا نہیں ہونے دے گی۔

◆ ◆ ◆

ایک روایتی باپ کی نفسیات کو سمجھنا شاید اس دنیا کا سب سے پیچیدہ کام ہے۔ خاص طور پر اس پسماندہ خطے میں جہاں باپ کے کاندھوں پر نہ صرف گھر کے رزق کا بوجھ ہوتا ہے، بلکہ اس پر پورے خاندان اور برادری کی اس 'ناک' کا بوجھ بھی مسلط ہوتا ہے جو ذرا سی غلطی سے کٹ سکتی ہے۔ میرے ابا سجاد کوئی ظالم یا بے حس انسان نہیں تھے، لیکن وہ اس دیہی ماحول کے قیدی تھے جہاں بیٹی کی آزادی کو گناہ اور اس کے حصولِ علم کو خاندانی رسوائی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

جب ابا نے مجھے بوسن روڈ پر چھوڑتے ہوئے وہ لرزہ خیز جملہ کہا تھا کہ عزت طاق پر رکھا کانچ کا پیالہ ہے، اگر یہ ٹوٹ گیا تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا'، تو ان کے لہجے میں غصہ کم اور صدیوں کا جمع شدہ خوف زیادہ تھا۔ وہ ڈرے ہوئے تھے کہ کہیں ان کے بھائی، ان کے بھتیجے اور گاؤں کی پنچایت ان کے بڑھاپے کا تمسخر نہ اڑائے۔ ایک کسان باپ کے پاس دنیا کی کوئی دولت نہیں ہوتی، اس کا کل اثاثہ اس کی وہ سفید پگڑی اور وہ غیرت ہوتی ہے جس کے بل بوتے پر وہ مسجد کے صحن میں کھڑا ہوتا ہے۔

میں نے اس دن اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنے باپ کو مجرم نہیں سمجھوں گی، بلکہ میں اس کے خوف کا ازالہ بنوں گی۔ اکثر بیٹیاں باپ کی اس سختی پر بغاوت کر بیٹھتی ہیں یا مایوس ہو کر بیٹھ جاتی ہیں، لیکن میں نے اپنے باپ کے خوف کو اپنا سب سے بڑا محرک بنا لیا۔ میں نے اپنے ذہن میں یہ عہد باندھا کہ میں اس سفید پگڑی کو نہ صرف داغدار ہونے سے بچاؤں گی بلکہ ایک دن اسی پگڑی کو پورے ملک کے سامنے فخر سے اس قدر بلند کر دوں گی کہ انگلیاں اٹھانے والے حاسدوں کی نظریں خود شرم سے جھک جائیں۔

جب میں تعلیم کے مراحل طے کرتی گئی اور جب میرے تحقیقی مقالے کی دھوم مچی، تو میں نے اپنے باپ کی آنکھوں میں وہ تبدیلی دیکھی جو کسی معجزے سے کم نہ تھی۔ وہ شخص جو کل تک گاؤں والوں کے طعنوں سے سہم جاتا تھا، اب سینہ تان کر چوپال میں بیٹھنے لگا تھا۔ اس کی

خاموش نظروں میں اپنے لختِ جگر کے لیے جو فخر اور تشکر ابھرا، وہ میری زندگی کی سب سے بڑی کمائی تھی۔

باپ کو بیٹی کا دشمن نہیں سمجھنا چاہیے؛ وہ اکثر حالات کے دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ اگر بیٹی اپنے کردار کی مضبوطی اور محنت کے ذریعے باپ کو یہ یقین دلا دے کہ وہ اس کی عزت کی محافظ ہے، تو وہی باپ دنیا کے تمام طوفانوں کے خلاف اپنی بیٹی کی سب سے مضبوط ڈھال بن جاتا ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 59 :فتح کے بعد کا سفر اور نئی نسل کی رہنمائی

کامیابی کا اصل امتحان اور مظلوم بیٹیوں کی آواز بننا

خلاصہ :گولڈ میڈل اور اعزازات کے بعد کی حقیقی ذمہ داری یہ فتح محض ایک فرد کی نہیں بلکہ خطے کی تمام مظلوم اور : خوفزدہ بیٹیوں کا منشور بن گئی۔

◆ ◆ ◆

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان کو کوئی بڑا اعزاز، گولڈ میڈل یا ریاستی پذیرائی حاصل ہو جائے تو اس کی جدوجہد کی داستان مکمل ہو جاتی ہے اور وہ پرسکون زندگی کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ کسی مقصد میں کامیابی حاصل کرنا دراصل سفر کا اختتام نہیں ہوتا بلکہ ایک بہت بڑی اور بھاری تاریخی ذمہ داری کا آغاز ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو خاک سے اٹھا کر عزت کے آسمان پر بٹھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب اس پر ان تمام لوگوں کا قرض واجب ہو چکا ہے جو ابھی تک اس خاک میں رل رہے ہیں۔

جب میں گولڈ میڈل پہن کر واپس اپنے خطے میں آئی اور جب مجھے مختلف جامعات، سیمینارز اور کانفرنسوں میں خطاب کے لیے مدعو کیا گیا، تو میں نے محسوس کیا کہ یہ فتح محض رجاء کی ذاتی فتح نہیں ہے۔ یہ اس ملک کے دور افتادہ دیہاتوں میں قید ان ہزاروں بچیوں کی فتح ہے جن کے ہاتھ سے زبردستی قلم چھین کر چولہے کی راکھ تھما دی گئی ہے۔ یہ ان ماؤں کی فتح ہے جو اپنی بیٹیوں کے روشن مستقبل کے لیے خاموشی سے آنسو بہاتی ہیں، اور یہ اس امید کا احیا ہے کہ مٹی کے ذرے بھی سورج بن کر چمک سکتے ہیں۔

میری زندگی کا اصل مشن اب صرف ذاتی پیش رفت نہیں رہا، بلکہ ان خوفزدہ بیٹیوں کے دلوں سے مایوسی کی تاریکی کو دور کرنا بن چکا ہے۔ میں نے جب بھی کسی پسماندہ بستی کی لڑکی کی آنکھوں میں وہی خوف دیکھا جو کبھی میری اپنی آنکھوں میں تیرتا تھا، تو میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا ' :دیکھو، اگر ایک مفلوک الحال کسان کی بیٹی تمام خاندانی مخالفتوں، ہوسٹل کی سازشوں اور غربت کے طوفانوں کو شکست دے کر ایوانِ صدر تک پہنچ سکتی ہے، تو تم بھی ہر رکاوٹ کو پاش پاش کر سکتی ہو'۔

کامیابی انسان کو متکبر بنانے کے لیے نہیں بلکہ عاجز بنانے کے لیے آتی ہے۔ جو شخص اپنی کامیابی کو ذاتی عیش و عشرت کا ذریعہ بنا لے، تاریخ

اسے فراموش کر دیتی ہے۔ لیکن جو شخص اپنے تجربے، اپنے علم اور اپنی جدوجہد کو مظلوموں کے حقوق کی شمشیر بنا لے، اس کا نام ہمیشہ کے لیے دلوں میں زندہ رہتا ہے۔

ہماری نئی نسل کو یہ سمجھنا چاہیے کہ راستہ کتنا ہی کٹھن کیوں نہ ہو، سچائی اور استقامت کا چراغ کبھی بجھنے نہیں دینا چاہیے۔ اپنی منزل پر پہنچ کر پیچھے مڑ کر دیکھنا اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے راستے کے کانٹے چننا ہی انسانیت کا اصل معراج ہے۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 60 :حاسدوں کی منافقت اور سچے رشتوں کی پرکھ

ہوسٹل کے تلخ اسباق اور سچے دوستوں کی نایاب دولت

خلاصہ :ہوسٹل اور تعلیمی زندگی کے دوران سامنے آنے والے منافق حاسدوں اور مخلص دوستوں کے موازنے سے حاصل ہونے والی بصیرت۔

◆ ◆ ◆

تعلیمی اور ہوسٹل کے طویل سالوں کا ایک انتہائی تلخ اور چشم کشا مشاہدہ یہ تھا کہ انسان کی سب سے بڑی آزمائش اس کے کھلے دشمن نہیں ہوتے، بلکہ وہ منافق دوست اور ہمدرد ہوتے ہیں جو گلے میں بانہیں ڈال کر ساتھ چلتے ہیں لیکن دل ہی دل میں آپ کے گرنے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ انسان جب ترقی کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کرتا ہے، تو اس کے ارد گرد چاپلوسوں اور نام نہاد خیر خواہوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے۔ وہ آپ کی ہر چھوٹی موٹی کامیابی پر تالیاں بجاتے ہیں، لیکن جیسے ہی کوئی آندھی چلتی ہے یا کوئی جھوٹی افواہ اڑتی ہے، یہی 'دوست 'سب سے پہلے کیچڑ کے گولے ہاتھ میں اٹھائے دکھائی دیتے ہیں۔

عائشہ ہال میں صبا اور اس کے گروہ کا رویہ میرے لیے اس فکری پختگی کا سب سے بڑا سبق تھا۔ جب تک میں ان کے ساتھ عام طالبہ بن کر رہتی تھی، وہ مسکرا کر ملتی تھیں؛ لیکن جیسے ہی ایچ ای سی کی اسکالرشپ میرے نام ہوئی، ان کے اندر کا حسد ایک کالے ناگ کی طرح پھنکارنے لگا۔ انہوں نے وہ تمام راز، وہ تمام گھریلو باتیں جو میں نے خلوصِ دل سے ان کے ساتھ شیئر کی تھیں، توڑ مروڑ کر انتظامیہ اور دیگر طلبہ کے سامنے ایک اسکینڈل بنا کر پیش کر دیں۔ اس تلخ تجربے نے مجھے سکھایا کہ اپنا باطنی راز ہر ایرے غیرے کے سامنے نہیں کھولنا چاہیے۔

لیکن اسی تاریک منظر نامے میں اقصی اور عنزہ جیسی مخلص بہنیں بھی تھیں جنہوں نے مصیبت کی گھڑی میں کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب پوری دنیا میرے خلاف بدگمان تھی، اس وقت عنزہ نے ہسپتال کی ایمرجنسی میں میرے ساتھ جاگ کر راتیں کاٹیں، اور اقصی نے اپنے خاموش آنسوؤں سے میرے زخموں پر مرہم رکھا۔ انہی چند مخلص چہروں کی بدولت میرا انسانیت پر سے اعتماد اٹھنے سے بچ گیا۔

دنیا میں تعلقات کی کثرت اہم نہیں ہے، بلکہ ان کی گہرائی اور اخلاص اہم ہے۔ سو منافق دوستوں سے وہ ایک تنہا مخلص ساتھی لاکھ درجے بہتر ہے جو آپ کی پیٹھ پیچھے آپ کی عزت کی حفاظت کر سکے اور آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے کردار پر کوئی حرف نہ آنے دے۔ زندگی

کے اس سفر میں نے یہ سنہری اصول اپنایا کہ چاپلوسی کرنے والوں سے فاصلہ رکھو اور جو شخص آزمائش کے وقت تمہارے ساتھ کھڑا رہے، اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز جانو۔

حسد کرنے والوں سے نفرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان پر ترس کھانا چاہیے؛ کیونکہ وہ مسلسل آپ کی کامیابیوں کے الاؤ میں جل کر اپنے ہی اعصاب کو تباہ کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کا حسد دراصل اس بات کا غیر ارادی اعتراف ہوتا ہے کہ آپ ان سے میلوں آگے نکل چکے ہیں۔

❖ ❖ ❖

قسط نمبر 61 :مقدس تاج :باپ کی پگڑی اور رجاء کا ابدی سویرا

قرآن، غیرت اور ریاستی تمغے کا ملاپ :پاکستان کی بیٹیوں کا منشور

خلاصہ :آپ بیتی کا عظیم الشان اور تاریخ ساز اختتام :سفید پگڑی، قلمی قرآن اور صدارتی گولڈ میڈل کا ابدی سنگم اور تمام بیٹیوں کے نام حتمی الہامی پیغام۔

◆ ◆ ◆

جب میں آج اپنے کمرے کی لکڑی کی الماری پر نظر ڈالتی ہوں، جہاں باپ کی وہ سفید پگڑی، نانی کا سرخ مخمل میں لپٹا قلمی قرآن، اور سبز ربن میں پرویا ہوا صدارتی گولڈ میڈل ایک ساتھ جلوہ افروز ہیں، تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کا ایک مکمل دور میرے سامنے سمٹ آیا ہے۔ یہ تینوں اشیاء محض بے جان نوادرات نہیں ہیں، بلکہ یہ میری پوری زندگی کے خون، پسینے، آنسوؤں اور الہیٰ نصرت کا زندہ و جاوید استعارہ ہیں۔

وہ سفید پگڑی صدیوں کی خاندانی عزت اور باپ کے بے لوث فخر کی علامت ہے جس پر کبھی داغ لگنے کا خوف تھا، مگر آج وہ سر بلندی کا نشان بن چکی ہے۔ وہ قلمی قرآن الہیٰ عدل، سورۃ النور کی پاکیزہ گواہی اور خدا کے اس وعدے کی سچی دلیل ہے کہ جو اس کی پناہ لیتا ہے وہ کبھی رسوا نہیں ہوتا۔ اور وہ سنہری تمغہ ایک کسان کی بیٹی کے اس پختہ عزم کا اعتراف ہے جس نے غربت، سازشوں، خاندانی طعنوں اور پسماندگی کی تمام بیڑیوں کو کاٹ کر اپنے مقدر کا سورج خود طلوع کیا۔

یہ کہانی محض ایک لڑکی رجاء کی داستان نہیں ہے۔ یہ پاکستان کے ہر اس کچے آنگن کی کہانی ہے جہاں کوئی بیٹی لالٹین کی مدہم روشنی میں بیٹھ کر اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے جاگتی ہے۔ یہ ان تمام پسماندہ خطوں کا نوحہ اور فتح نامہ ہے جہاں بیٹی کو کانچ کا پیالہ سمجھ کر ڈرایا جاتا ہے۔ میں نے اپنے سفر سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بیٹی کانچ کا کمزور پیالہ نہیں ہے جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جائے، بلکہ وہ الماس کی وہ چمکتی ہوئی تلوار ہے جو ہر قسم کے ظلم، جبر اور ناانصافی کو چیر کر رکھ دیتی ہے۔

اے میرے وطن کی پاکیزہ، باہمت اور معصوم بیٹیو !اپنے وجود کی طاقت کو پہچانو۔ حالات کے اندھیروں سے کبھی خوفزدہ نہ ہونا، کیونکہ ستارے

ہمیشہ گہری تاریکی ہی میں جگمگاتے ہیں۔ جب بھی دنیا تم پر الزام تراشی کرے، جب بھی اپنے تمہارا راستہ روکیں، اور جب بھی مایوسی کے بادل تم پر منڈلانے لگیں، تو اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جانا اور اس پر توکل کرنا۔

تعلیم حاصل کرو، خود انحصار بنو، اور اپنے کردار کی فصیل کو اس قدر بلند اور ناقابل تسخیر بنا لو کہ دنیا کی کوئی غلیظ نظر تم پر پڑنے سے پہلے جھک جائے۔ تمہارے باپ کی پگڑی تمہاری بیڑی نہیں ہے بلکہ وہ تمہاری پرواز کا سب سے بلند آسمان ہے۔ اٹھو اور اس ملک کی تقدیر کو اپنے علم، تقویٰ اور غیرت سے بدل ڈالو، کیونکہ سویرا ہو چکا ہے اور رجاء کی یہ آپ بیتی تمہاری فتح کا ابدی منشور بن چکی ہے!

